سلسلہ مطبوعات
۱۴

ذٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذّٰكِرِينَ

تاریخ
مشائخ چشت

اثر خامہ

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دام مجدہ العالی

جس میں حضرت مصنف زید شرفہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
لے کر اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب
نور اللہ مرقدہ تک اپنے سلسلہ مشائخ کے وقیع حالات ان کی زندگی
کے اہم کارنامے اور گوناگوں اوصاف، ان کے تعلق مع اللہ اور
خدا کی ذات پر بھروسہ اور اعتماد کے دلچسپ واقعات تحریر فرمائے ہیں

ترتیب و تکمیل
مولوی محمد شاہد سہارن پوری

مجلس نشریات اسلام
۱۔ کے ۳۰ ناظم آباد مینشن
نزد برف خانہ ناظم آباد ۱
کراچی ۱۸

سلسلۂ مطبوعات
۱۴۱

وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَرُ

تاریخ مشائخ چشت

اثر خامہ

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دام مجدہ العالی

جس میں حضرت مصنف زید شرفہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ تک اپنے سلسلۂ مشائخ کے وقیع حالات ان کی زندگی کے اہم کارنامے اور گوناگوں اوصاف، ان کے تعلق مع اللہ اور خدا کی ذات پر بھروسا اور اعتماد کے دلچسپ واقعات تحریر فرمائے ہیں

ترتیب و تکمیل

مولوی محمد شاہد سہارن پوری

مجلس نشریات اسلام ۱۔کے ۳۰ ناظم آباد مینشن
نزد برف خانہ ناظم آباد ۱
کراچی ۱۸

مفکرِ اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کی

چند اہم شاہکار تصنیفات

- انسانی دُنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر — صفحات ۴۸۰ — قیمت =/۲۰ روپے
- مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش — صفحات ۳۳۰ — قیمت =/۱۶ روپے
- منصبِ نبوت اور اسکے عالی مقام حاملین — صفحات ۲۹۳ — قیمت = ۱۸ روپے
- تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول، دوم، سوم — کل صفحات ۱۲۹۶ — قیمت مکمل سیٹ =/۴۲ روپے
- دریائے کابل سے دریائے یرموک تک — صفحات ۳۰۴ — قیمت =/۱۸ روپے
- پُرانے چراغ — صفحات ۴۶۴ — قیمت =/۲۴ روپے
- نقوشِ اقبال — صفحات ۲۹۴ — قیمت =/۱۵ روپے
- ارکانِ اربعہ — صفحات ۳۸۳ — قیمت =/۲۲ روپے
- کاروانِ مدینہ — صفحات ۲۴۰ — قیمت =/۱۲ روپے
- قادیانیت — صفحات ۲۰۰ — قیمت =/۱۲ روپے

ناشر: فضیل رفیقؔ ندوی فون 611817

مجلسِ نشریاتِ اسلام
ناظم آباد مینشن
۱/۱۲/۳ ناظم آباد نمبر ۱
کراچی ۱۸

نام کتاب	تاریخ مشائخ چشت
تالیف	حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب
ترتیب وتکمیل	مولوی محمد شاہد سہارن پوری
سنہ تالیف	سنہ ۱۳۳۵ھ
سنہ طباعت	سنہ ۱۳۹۷ھ
کتابت	صغیر احمد خاں
بار اوّل	ایک ہزار
مطبوعہ	تنویر پریس
قیمت	۱۶/- روپے

★

باہتمام

مولوی محمد یحییٰ مدنی

ناشر

فضل ربّی ندوی

مجلس نشریات اسلام - ناظم آباد ۱ کراچی

فہرست

آغاز سخن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ کے بعد یہ اوراق جو ناظرین کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں، اس لحاظ سے جتنے بھی "قابل قدر" ہوں کہ ان میں ایسے مشائخ و اولیاء اللہ کے اسماء و حالات درج ہیں جن کا وجود عالم کے لئے نعمت اور اُن کا ذکر عالم کے لئے رحمت ہے وہ واصل و موصل الی اللہ تھے وہ السابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کے سچے مصداق تھے وہ حقیقی مومن تھے کامل مسلمان تھے وہ حقیقت میں اللہ کے بندہ تھے اور وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کی غرض پوری کرنے والے تھے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ ایک بداعمال ناکارہ وسیہ کارہ کے قلم سے نکلے ہیں۔ اس لئے اس قابل نہیں کہ احباب کی خدمت میں پیش ہو سکیں۔ اسی وجہ سے ایک طویل عرصہ سے یہ اوراق مسودے کی صورت میں پڑے رہے۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ بندہ جب علوم مروجہ سے فارغ شمار ہونے لگا تو اگرچہ میری تعلیم کا بیشتر حصہ حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے پاس ہوا۔ لیکن علم کی ایک معتدبہ مقدار مدرسہ اور مشائخ مدرسہ کے ظل عطوفت میں حاصل ہوئی تھی۔ اس لئے مجھ پر طبعی تقاضا تھا

کہ اگر اپنی کم مائیگی سے مدرسہ کی مالی اعانت سے قاصر ہوں تو مدرسہ کے اجمالی حالات اور تدریجی ترقیات رسالہ کی صورت میں اہل خیر تک پہونچا کر دال علی الخیر ہی بنوں۔ مگر اس سے قبل چونکہ مستقل تالیف کی نوبت نہ آئی تھی۔ اس لئے تبرکاً میں نے اپنے تالیفی سلسلہ کی ابتداء مشائخ چشتیہ سے کی جس کی ہر کڑی باعث برکت اور مثمر انوار و ثمرات ہے یہ رسالہ مکمل نہ ہوا تھا کہ وقتی ضرورتوں سے اس کو درمیان میں روک کر مظاہر علوم[1] اور اس کے مشائخ کی تاریخ لکھنی شروع کر دی اور بالآخر بذل المجہود اور اس کے بعد اوجز المسالک کی مشغولی نے دونوں کی تکمیل نہ ہونے دی اور عرصہ گذر جانے پر دونوں کی اُمنگ نکل چکی تھی۔ لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کے بے انتہا انعامات کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے اس کی شان کریمی اور لُطف کے لئے نہ کسی اہلیت کی ضرورت نہ کسی قابلیت پر توقف کہ مجھے اپنے ایک بزرگ کی تعمیل ارشاد میں ایک مختصر سی چہل حدیث لکھنی پڑھی۔ اس کی انتہائی مقبولیت نے میرے دوستوں کو اس پر برانگیختہ کیا کہ وہ اس مسودہ کو ناقص ہی طبع کر دیں کہ اس کی تکمیل کے لئے نہ اب فراغت نہ آئندہ توقع۔ اس میں خامی اور کمی صرف اتنی تھی کہ تالیف کے وقت بہت سی بیاضیں رہ گئیں تھیں۔ جس کے لئے بعض کتب تواریخ کی مراجعت کی ضرورت تھی مگر یہ (کمی) ایسی نہ تھی جو موجودہ مسودہ کو بیکار بنا دیتی۔ اس لئے میں نے بھی اس کی طباعت میں کوئی مزاحمت نہیں کی اور اس مختصر تمہید کے بعد سابقہ مسودہ حوالہ کر دیا۔ ابتدائی تالیف میں اس کی تمہید طویل ہو گئی تھی۔ جس میں تالیف کی غرض ضرورت اور اکابر کی تالیفی خدمات کا تذکرہ تھا۔ اختصاراً اس کو حذف کر دیا گیا۔

---

[1] حضرت کی یہ تالیف اب "تاریخ مظاہر" کے نام سے طبع ہو گئی ہے۔

اصل مضمون سے قبل ناظرین کتاب کی خدمت میں ایک ضروری درخواست یہ ہے کہ اول تو تاریخی روایات کلیۃً علمی روایۃ کے برابر موثق معتبر نہیں ہوتیں۔ دوسرے احوال مشائخ محبین وا عداء، دو مفرطوں کے تخمصہ میں پھنس جاتے ہیں۔ اس لئے حقیقت واقعات میں بسا اوقات مستور ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر اگر کسی جگہ کوئی روایت جادۂ شریعت سے علیحدہ (الگ) ملے تو نہ شوق اتباع میں اس پر عمل جائز اور نہ اس کی وجہ سے صاحب واقعہ کے ساتھ بدگمانی جائز۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

محمد زکریا عفی عنہ کاندھلوی

۲۴ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ

یہ مذکورہ بالا مضمون آج سے تینتالیس ۴۳ سال قبل ۴۹ھ میں اس کتاب کے طبع ہونے کی اُمید پر لکھا تھا۔ مگر مقدر کہ یہ کتاب اُس وقت طبع نہ ہو سکی اور اب میرے نواسہ عزیز مولوی شاہد سلمہٗ اس کو طبع کرا رہے ہیں۔ کہ اُن عزیز کو میرے مسودات سے بہت تعلقِ خاطر ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ انتہائی قبول فرمائے، نافع فرمائے۔ اور ان حضرات مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کی برکات سے بھرپور حصہ نصیب فرمائے۔

محمد زکریا، ۵ شعبان ۱۳۹۲ھ جمعہ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد۔ اس رسالہ کا مقصود شجرۂ ذیل کے مشائخ کا تذکرہ ہے اور بڑی غرض صلحاء کے ذکر سے رحمت کا نزول ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ایسے اولیاء کا تذکرہ لکھنا ایک ایسے شخص سے خلاف ادب ہے جو ہر طرح بے بہرہ ہو۔ یہ شجرہ حضرت اقدس جامع الشریعۃ والطریقۃ قطب الارشاد مرشد عالم مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا ہے۔ جو تیسرے شعر سے شروع ہوا ہے اور پہلا شعر جناب الحاج قاری مغیث الدین صاحب ساڈھوروی کا اور دوسرا حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی (مصنف تذکرۃ الرشید، وتذکرۃ الخلیل) کا اضافہ ہے۔

یاالٰہی کن مناجاتم بفضل خود قبول ۔۔۔ از طفیل اولیائے خاندان صابری

بہر مولانا خلیل احمد ملاذی فی غدی ۔۔۔ ہم رشید احمد رشید و باصفا و سیدی

بہر امداد و بنور و حضرت عبدالرحیم ۔۔۔ عبد باری، عبد ہادی، عضد دیں مکی ولی

ہم محمدی و محب اللہ شاہ بوسعید ۔۔۔ ہم نظام الدین جلال و عبد قدوس احمدی

ہم محمد عارف و ہم عبد حق شیخ جلال ۔۔۔ شمس دین ترک علاؤ الدین فرید جودھنی

قطب دین و ہم معین الدین عثمان و شریف ۔۔۔ ہم مودود و ابو یوسف محمد احمدی

بو سحاق و ہم ممشاد و ہبیرہ نامور ۔۔۔ ہم حذیفہ و ابن ادہم ہم فضیل مرشدی

عبد واحد ہم حسن بصری علی فخر دین ۔۔۔ سید الکونین فخر العالمین بشریٰ نبی

پاک کن قلب مرا تو از خیال غیر خویش ۔۔۔ بہر ذات خود شفایم دہ زامراض دلی

شجرہ میں توسل مقصود ہے اس لئے اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف

ترقی مناسب تھی ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کے بعد پھر کسی دوسرے واسطہ کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن آئندہ اب حالات کا ذکر ہے اس لئے کئی وجوہ سے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک سے ابتدار ضروری ہے۔

(۱) سید الکونین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ کا ذکر خواہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو اس کے لئے بڑے سے بڑا دفتر بھی کم ہے آپ کے اخلاق، عادات، عباداتؐ، معاملات، کمالات، معجزات، غرض کونسا باب ایسا ہے کہ جس کا کافی ذکر کیا جاسکے، یا اس کا احصار کسی کے امکان میں ہو۔ اس لئے رسالہ کی برکت کی غرض سے اس بحر ذخار کے چند قطروں پر اکتفا کرتا ہوں۔

آپ کا اسم مبارک محمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کو آپ کے دادا نے تجویز کیا تھا اور احمد نام آپ کی والدہ نے رکھا۔ ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے اسمار و القاب کے ساتھ آپ مخاطب کئے گئے ہیں جن کا شمار رسالہ کی وسعت سے باہر ہے، علامہ قسطلانی نے مواہب میں چار سو سے زیادہ تبلائے ہیں۔ اور ابن دحیہ نے بعض صوفیار سے ایک ہزار تک نقل کئے ہیں۔

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:۔

محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ

بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان،

یہاں تک سلسلۂ نسب بخاری شریف[1] میں مذکور ہے جو مجمع علیہ ہے اور متفق علیہ۔ اگرچہ اس کے بعد کتب تواریخ میں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام تک آپ کا نسب مذکور ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت باتفاق اہل تاریخ وسیر دوشنبہ کے دن ماہ ربیع الاوّل میں ہوئی۔ البتہ تاریخ میں دو قول ہیں۔ ایک قول آٹھ ربیع الاوّل ۴۲ کسری کا ہے اور دوسرا بارہ ربیع الاول کا ہے جو ۲۹ اگست ۵۷۰ء عیسوی کے مطابق ہے۔ آپ بطن مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد نے پچیس ۲۵ سال اور چند ماہ کی عمر میں انتقال کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت معجزات اور پرورش وغیرہ کے حالات ہر ہر چیز ان میں سے دل کو پکڑنے والی ہے۔ اور اس قابل ہے کہ اس کا ذکر کیا جانے مگر افسوس ہے کہ یہ مختصر رسالہ اس کا تحمل نہیں کرسکتا۔ البتہ اتنا ضروری ہے کہ آپ کا نشو ونما عام بچوں کی طرح سے نہیں ہوا۔ بلکہ آپ دوسرے مہینہ اشارہ فرمانے لگے تھے اور چوتھے ماہ پاؤں پر کھڑے ہونے لگے تھے اور اسی طرح سال کے ختم تک چلنا پھرنا، باتیں کرنا سب شروع ہوگیا تھا۔ تیسرے سال کے ختم پر آپ کی دودھ پلانے والی حضرت حلیمہ جب آپ کو واپس لائیں تو یہ سمجھ کر میرے گھر کی سب خیر وبرکت جس کو تین سال سے تجربہ کر رہی تھیں کہ ہر چیز میں کھلا فرق تھا وہ سب آج ختم ہو رہی ہے۔ کچھ روز اور اپنے پاس رکھنے کی مہلت آپ کی والدہ سے

---

[1] صفحہ ۵۴۳

لیکر حضورؐ کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ لیکن وہاں پہونچکر جب شق صدر کا معجزہ پیش آیا تو گھبرا کر اس خوف سے واپس پہنچا گئیں کہ مبادا کوئی خوفناک منظر پیش آجائے

آپ کا سینۂ مبارک چار مرتبہ شق کیا گیا اول مرتبہ تو یہی تھا۔ دوسری مرتبہ اس وقت ہوا جب آپ کی عمر شریف دس سال کی تھی یہ صحرا میں ہوا تھا تیسری مرتبہ بعثت کے وقت ماہ رمضان المبارک یا ربیع الاول میں غار حرا میں ہوا چوتھی مرتبہ معراج میں[1]

شاہ عبدالعزیز صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے الم نشرح کی تفسیر میں اس کو نہایت وضاحت سے ارشاد فرمایا ہے۔ جس کو چسکہ ہو اسے دیکھ لے کہ لطف کی چیز ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قلب مبارک کی بارہ منزلیں بھی اس میں تحریر کی گئی ہیں اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ہر مرتبہ شق صدر کس مصلحت سے ہوا اور کس طرح ہوا۔

مجھے حیرت ہوتی ہے جب بعض مدعیانِ عقل وفضل کو اس سے اُچنبھا ہوا اور انکار کرنے والا دیکھتا ہوں۔ حالانکہ شفاخانوں اور ہسپتالوں میں اس قسم کی سینکڑوں مثالیں مل جاتی ہیں کہ انسانی بدن کاٹ کر اور اس کا اندرونی حصّہ نکال کر، دھو کر صاف کرکے اپنی جگہ پر رکھدیا جاتا ہے حیرت ہے کہ نصاریٰ اور اُن کے ملازم تو اس چیز پر قادر ہوں لیکن اللہ کا فرشتہ ایسا نہ کر سکے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ بجلی کی مشین کے ذریعہ سے ایک آدمی میں قوت بھری جاسکتی ہے لیکن ایمان وحکمت کی قوت کا بھرنا ان لوگوں کی عقل سے باہر

---

[1] حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر کی تفصیلی بحث لامع الدراری جلد ثانی میں موجود ہے۔

ہو جائے۔ ہمیں اس جگہ معجزات پر کلام کرنا نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ذات کے مجاہدات اور عادات کی چند مثالیں پیش کرنی ہیں جو منبع ہیں صوفیاء کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے مجاہدات اور کثرت عبادات کا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن ہی سے جن مصائب پر تحمل فرمانا پڑا ان کا احصاء بھی دشوار ہے۔ آپ کی پیدائش سے قبل ہی والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ چھ سال کی عمر میں والدہ نے بھی داغ مفارقت دیدیا۔ تو آپ کو آپ کے جدامجد عبدالمطلب نے پرورش کرنا شروع کی۔ لیکن دو سال دو ماہ دس دن بعد جب کہ آپ کی عمر شریف صرف آٹھ سال کی تھی انھوں نے بھی الوداع کہا۔ اولاد والے ان پے در پے صدمات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ کی ستودہ ذات کو ان سے کہیں بڑھ کر صدمات برداشت فرمانے تھے جن کے مقابلہ میں یہ امور کچھ بھی نہیں تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن ہی سے رحمدلی، وفاداری، سچائی دیانتداری، نیک چلنی، صفائی معاملات، غربا نوازی، قومی ہمدردی، اور انصاف پسندی غرض جملہ اخلاق محمودہ میں شہرۂ آفاق ہو چکے تھے۔ امین کا لقب آپ کو دیا گیا تھا۔ بوڑھے لوگ آپ کا احترام کرتے تھے۔ مکہ میں عام طور پر یہ مشہور تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ امانت میں خیانت نہیں کی۔ کسی عورت کی طرف بدنظری سے نہیں دیکھا نہ کسی کی غیبت کی اور نہ کسی سے ترش رو ہو کر گفتگو فرمائی۔ ان اوصاف کی وجہ سے ہر شخص آپ کے ساتھ الفت و محبت رکھتا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا کے انتقال کے بعد اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں آگئے۔ مگر وہ کثیر العیال تھے اور اس کے ساتھ ہی مہمان نوازی اور سخاوت کے علاوہ سردارانہ حیثیت کے اخراجات اس پر مزید برآں تھے۔ اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول چچا کے ساتھ جب کہ آپ کی عمر نو سال کی تھی شام کا تجارتی سفر کیا۔ مگر اس مرتبہ بحیرا راہب نے راستہ سے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ان کو ملک شام نہ لیجانا۔ یہود اگر ان کو دیکھیں گے تو بُرائی سے پیش آئیں گے۔ لیکن دوبارہ جب آپ کی عمر پچیس ۲۵ سال کی تھی حضرت خدیجہ کا مال لے کر ان کے غلام میسرہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور واپسی پر جو منافع آپ کو ملے تھے وہ آپ نے اپنے چچا کی خدمت میں پیش کر دیئے کہ آپ کی سعادت کا مقتضی یہی تھا۔

اسی سال آپ کا نکاح حضرت خدیجہ سے ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بیوہ تھیں اور چالیس سال کی عمر تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچیس ۲۵ سال کی تھی۔ جو لوگ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت شادیاں کرنے کی وجہ سے کسی غلط خیال اور باطل عقیدہ میں اُلجھے ہوئے ہیں ان کو صرف اسی ایک واقعہ سے سبق لینا چاہیئے اور غور کرنا چاہیئے کہ جب آپ نے اپنی نوجوانی کا زمانہ ایک بیوہ عورت کے ساتھ گذار لیا اور ایک بوڑھی عورت پر قناعت فرمائی تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد آپ کی یہ بکثرت شادیاں ضرور کسی دینی مصلحت کی وجہ سے تھیں اور وہ مصلحت یہی تھی کہ مختلف خاندانوں اور برادریوں سے آپ کا تعلق ہو جائے جو ان کے لئے دین اسلام قبول کرنے

میں معاون بنے

حضرت خدیجہ کے بطن سے آپ کی تمام اولاد یعنی چار صاحبزادیاں حضرت رقیہ، حضرت زینب، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ اور چار یا تین صاحبزادے (علیٰ اختلاف الاقوال) حضرت عبداللہ، حضرت طیب، حضرت طاہر، حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ البتہ ایک صاحبزادہ حضرت ابراہیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی ماریہ قبطیہ سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بقیہ سب اولاد کا بھی داغِ مفارقت آپ کو اٹھانا پڑا۔ اور یہی نہیں بلکہ لڑکوں کا انتقال چونکہ بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ اس لئے اولاد کی جدائی کے ساتھ ساتھ جاہل عربوں کے طعنے بھی سننے پڑے کہ وہ آپ کو ابتر یعنی دم بریدہ اور منقطع النسل کہتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ جوں جوں قریب آرہا تھا آپ کو خلوت اور تنہائی زیادہ پسند ہوتی گئی۔ اکثر آپ ستو اور پانی اپنے ہمراہ لیکر مکہ مکرمہ سے تین میل پر کوہِ حرا میں تشریف لے جاتے تھے اور کئی کئی دن تک وہاں تنہائی و یکسوئی میں قیام فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے۔ جب توشہ ختم ہو جاتا۔ تو تشریف لاکر دوبارہ واپس چلے جاتے اور کئی کئی دن وہاں گذار دیتے رمضان المبارک میں اپنے اہل و عیال کو بھی لیجاتے اور تمام رمضان وہیں گذار دیتے۔ نبوت سے چھ ماہ قبل آپ کو سچے خواب بڑی کثرت سے نظر آنے لگے تھے۔ جو صبح کی طرح روشن ہوتے تھے اور صاف طور سے پورے ہو جاتے تھے۔ بسا اوقات پہاڑ کی آمد و رفت میں

آپ کو السلام علیک یارسول اللہ کی آواز درختوں اور پتھروں سے سنائی دیتی تھی۔ اسی دوران میں جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس خلوت نشینی اور تنہائی کی عبادات وریاضات کی وجہ سے بارِ وحی کے متحمل ہو گئے تو ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سورۂ اقرأ کی شروع کی آیتیں یعنی اِقرأ باسم ربک الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم۔ علم الانسان مالم یعلم۔ ایک ریشمی کپڑے پر لکھی ہوئی لائے۔ اس میں اختلاف ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا یا ربیع الاول کا اور کون سی تاریخ تھی۔ صاحب مجمع البحار نے اس میں پانچ قول نقل کئے ہیں۔ فرشتہ نے آپ سے کہا کہ اس کو پڑھیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ نے آپ کو گلے سے لگا کر اس زور سے بھینچا کہ آپ پسینہ پسینہ ہو گئے جس سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ پڑھنے کو کہا۔ آپ نے پھر اُمی ہونے کا عُذر کیا۔ غرض اسی طرح تین مرتبہ فرشتہ نے آپ کو گلے سے لگا کر زور سے بھینچا۔ اور چوتھی مرتبہ آپ سے جب پڑھنے کو کہا تو آپ نے بے تکلف ان کو پڑھ دیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اس فعل کی مصلحتیں شراح حدیث نے مختلف لکھی ہیں مگر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی تفسیر میں ایک لطیف بات تحریر فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو تاثیر اور قوت ملکوتیت آپ میں پہنچانی مقصود تھی۔ جس کی توضیح یہ ہے کہ مشائخ کی تاثیر جو دوسرے میں اثر پیدا کرتی ہے اور جس کو عرف میں توجہ سے تعبیر کرتے ہیں چار طرح سے ہوتی ہے۔ اوّل انعکاسی کہلاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ

کوئی شخص بہت سا عطر لگا کر مجلس میں آوے کہ اس کے عطر کی خوشبو سب ہم نشینوں کو معطر کر دے گی۔ مگر یہ خوشبو کا اثر اسی وقت تک رہے گا جب تک کہ وہ شخص مجلس میں موجود ہو اسی لئے توجہ کی یہ قسم سب سے ضعیف ہوتی ہے۔ دوسری توجہ القائی کہلاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص چراغ کو درست کرے اور اس میں مناسب تیل اور روئی کا انتظام کرکے اسے روشن کر دے۔ یہ قسم پہلی قسم سے بڑھی ہوئی ہے کہ اس میں صاحب توجہ کی غیبت میں بھی اثر رہتا ہے۔ لیکن تھوڑے سے مانع مثلاً ہوا کی تیزی سے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ تیسری قسم اصلاحی کہلاتی ہے جس کی مثال ایسی ہے کہ کسی جگہ بہت سا پانی جمع کر لیا جائے اور کسی حوض تک اس کا بڑا سا راستہ بنا دیا جائے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی معمولی سا مانع خس وخاشاک کی صورت سے راستہ میں آجائیگا تو پانی کا بہاؤ اس کو ہٹا دیگا۔ لیکن اگر راستہ ہی بند ہو جائے تو پانی کی آمد ورفت بند ہو جائے گی۔ یہ قسم پہلی دونوں قسموں سے بہت زیادہ قوی ہے کہ نفس کی اصلاح اور لطائف کی ستھرائی اس میں بہت زائد ہے۔ چوتھی قسم اتحادی ہے۔ وہ یہ ہے کہ شیخ اپنی روح کو مرید کی روح کے ساتھ اس درجہ پیوستہ کر دے کہ دونوں ایک ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت پہلی سب صورتوں سے زیادہ قوی ہے کہ شیخ کی روح میں جو کچھ ہوتا ہے وہ طالب کی روح میں سما جاتا ہے اور بار بار استفادہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ صوفیاء کے یہاں یہ توجہ بہت اہم سمجھی جاتی ہے مگر بہت کم پائی جاتی ہے۔ اس نسبت اتحادی کے سلسلہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہٗ العزیز

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا کے انتقال کے بعد اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں آگئے۔ مگر وہ کثیر العیال تھے اور اس کے ساتھ ہی مہمان نوازی اور سخاوت کے علاوہ سردارانہ حیثیت کے اخراجات اس پر مزید براں تھے۔ اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول چچا کے ساتھ جب کہ آپ کی عمر نو سال کی تھی شام کا تجارتی سفر کیا۔ مگر اس مرتبہ بحیرا راہب نے راستہ سے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ان کو ملک شام نہ لیجانا۔ یہود اگر ان کو دیکھیں گے تو برائی سے پیش آئیں گے۔ لیکن دوبارہ جب آپ کی عمر پچیس ۲۵ سال کی تھی حضرت خدیجہ کا مال لے کر ان کے غلام میسرہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور واپسی پر جو منافع آپ کو ملے تھے وہ آپ نے اپنے چچا کی خدمت میں پیش کر دیئے کہ آپ کی سعادت کا مقتضی یہی تھا۔

اسی سال آپ کا نکاح حضرت خدیجہ سے ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بیوہ تھیں اور چالیس سال کی عمر تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچیس ۲۵ سال کی تھی۔ جو لوگ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت شادیاں کرنے کی وجہ سے کسی غلط خیال اور باطل عقیدہ میں الجھے ہوئے ہیں ان کو صرف اسی ایک واقعہ سے سبق لینا چاہیئے اور غور کرنا چاہیئے کہ جب آپ نے اپنی نوجوانی کا زمانہ ایک بیوہ عورت کے ساتھ گذار لیا اور ایک بوڑھی عورت پر قناعت فرمائی تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد آپ کی یہ بکثرت شادیاں ضرور کسی دینی مصلحت کی وجہ سے تھیں اور وہ مصلحت یہی تھی کہ مختلف خاندانوں اور برادریوں سے آپ کا تعلق ہو جائے جو ان کے لئے دین اسلام قبول کرنے

میں معاون بنے

حضرت خدیجہ کے بطن سے آپ کی تمام اولاد یعنی چار صاحبزادیاں حضرت رقیہ، حضرت زینب، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ اور چار یا تین صاحبزادے (علیٰ اختلاف الاقوال) حضرت عبداللہ، حضرت طیب، حضرت طاہر، حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ البتہ ایک صاحبزادہ حضرت ابراہیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی ماریہ قبطیہ سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بقیہ سب اولاد کا بھی داغِ مفارقت آپ کو اُٹھانا پڑا۔ اور یہی نہیں بلکہ لڑکوں کا انتقال چونکہ بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ اس لئے اولاد کی جُدائی کے ساتھ ساتھ جاہل عربوں کے طعنے بھی سُننے پڑے کہ وہ آپ کو ابتر یعنی دم بریدہ اور منقطع النسل کہتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ جُوں جُوں قریب آ رہا تھا آپ کو خلوت اور تنہائی زیادہ پسند ہوتی گئی۔ اکثر آپ ستو اور پانی اپنے ہمراہ لیکر مکہ مکرمہ سے تین میل پر کوہِ حرا میں تشریف لے جاتے تھے اور کئی کئی دن تک وہاں تنہائی و یکسوئی میں قیام فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے۔ جب توشہ ختم ہو جاتا۔ تو تشریف لاکر دوبارہ واپس چلے جاتے اور کئی کئی دن وہاں گذار دیتے رمضان المبارک میں اپنے اہل و عیال کو بھی لیجاتے اور تمام رمضان وہیں گذار دیتے۔ نبوت سے چھ ماہ قبل آپ کو سچے خواب بڑی کثرت سے نظر آنے لگے تھے۔ جو صبح کی طرح روشن ہوتے تھے اور صاف طور سے پورے ہو جاتے تھے۔ بسا اوقات پہاڑ کی آمد و رفت میں

آپ کو السّلام علیک یارسول اللہ کی آواز درختوں اور پتھروں سے سنائی دیتی تھی۔ اسی دوران میں جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس خلوت نشینی اور تنہائی کی عبادات وریاضات کی وجہ سے بارِ وحی کے متحمل ہو گئے تو ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السّلام سورہ اقراء کی شروع کی آیتیں یعنی اِقرأ باسم ربک الذی خلق. خلق الانسان من علق. اقرأ وربك الاكرم الّذی علم بالقلم. علم الانسان مالم یعلم۔ ایک ریشمی کپڑے پر لکھی ہوئی لائے۔ اس میں اختلاف ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا یا ربیع الاول کا اور کون سی تاریخ تھی۔ صاحب مجمع البحار نے اس میں پانچ قول نقل کئے ہیں۔ فرشتہ نے آپ سے کہا کہ اس کو پڑھیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ نے آپ کو گلے سے لگا کر اس زور سے بھینچا کہ آپ پسینہ پسینہ ہو گئے جس سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ پڑھنے کو کہا۔ آپ نے پھر اُمّی ہونے کا عُذر کیا۔ غرض اسی طرح تین مرتبہ فرشتہ نے آپ کو گلے سے لگا کر زور سے بھینچا۔ اور چوتھی مرتبہ آپ سے جب پڑھنے کو کہا تو آپ نے بے تکلف ان کو پڑھ دیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السّلام کے اس فعل کی مصلحتیں شراح حدیث نے مختلف لکھی ہیں مگر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی تفسیر میں ایک لطیف بات تحریر فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السّلام کو تاثیر اور قوت ملکوتیت آپ میں پہنچانی مقصود تھی۔ جس کی توضیح یہ ہے کہ مشائخ کی تاثیر جو دوسرے میں اثر پیدا کرتی ہے اور جس کو عرف میں توجہ سے تعبیر کرتے ہیں چار طرح سے ہوتی ہے۔ اوّل انعکاسی کہلاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ

کوئی شخص بہت سا عطر لگا کر مجلس میں آوے کہ اس کے عطر کی خوشبو سب ہم نشینوں کو معطر کردے گی۔ مگر یہ خوشبو کا اثر اسی وقت تک رہے گا جب تک کہ وہ شخص مجلس میں موجود ہو اسی لئے توجہ کی یہ قسم سب سے ضعیف ہوتی ہے۔ دوسری توجہ القائی کہلاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص چراغ کو درست کرے اور اس میں مناسب تیل اور روئی کا انتظام کرکے اسے روشن کردے۔ یہ قسم پہلی قسم سے بڑھی ہوئی ہے کہ اس میں صاحب توجہ کی غیبت میں بھی اثر رہتا ہے۔ لیکن تھوڑے سے مانع مثلاً ہوا کی تیزی سے وہ ختم ہوجاتا ہے۔ تیسری قسم اصلاحی کہلاتی ہے جس کی مثال ایسی ہے کہ کسی جگہ بہت سا پانی جمع کرلیا جائے اور کسی حوض تک اس کا بڑا سا راستہ بنادیا جائے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی معمولی سا مانع خس وخاشاک کی صورت سے راستہ میں آجائیگا تو پانی کا بہاؤ اس کو ہٹادیگا۔ لیکن اگر راستہ ہی بند ہوجائے تو پانی کی آمد ورفت بند ہوجائے گی۔ یہ قسم پہلی دونوں قسموں سے بہت زیادہ قوی ہے کہ نفس کی اصلاح اور لطائف کی ستھرائی اس میں بہت زائد ہے۔ چوتھی قسم اتحادی ہے۔ وہ یہ ہے کہ شیخ اپنی روح کو مُرید کی روح کے ساتھ اس درجہ پیوستہ کردے کہ دونوں ایک ہوجائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت پہلی سب صورتوں سے زیادہ قوی ہے کہ شیخ کی روح میں جو کچھ ہوتا ہے وہ طالب کی روح میں سما جاتا ہے اور بار بار استفادہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ صوفیاء کے یہاں یہ توجہ بہت اہم سمجھی جاتی ہے مگر بہت کم پائی جاتی ہے۔ اس نسبت اتحادی کے سلسلہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہٗ العزیز

کا قصہ مشہور ہے جس کو حضرت شاہ عبدالعزیز نے تحریر فرمایا ہے کہ ایکمرتبہ آپ کے یہاں کئی مہمان آگئے اور گھر میں کچھ کھانے کو نہیں تھا۔ آپ اس فکر میں باہر تشریف لائے قریب ہی میں ایک نان بائی کی دکان تھی اس کو جب مہمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ نہایت پُر تکلف کھانا خوان میں رکھ کر حاضر ہوا حضرت کی زبان سے غایت مسرت میں نکلا کہ "مانگ کیا مانگتا ہے" اس نے عرض کیا اپنے جیسا کر دیجیے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تو اس کا تحمل نہیں کر سکتا مگر اس نے بار بار لجاجت سے درخواست کی۔ جب حضرت باوجود اپنے چند مرتبہ کے انکار کے مجبور ہو گئے تو اس کو اپنے ہمراہ لے کر حجرہ میں گئے اور وہاں توجہ اتحادی فرمائی جب حجرہ سے باہر تشریف لائے تو دونوں کی صورت تک ایک سی معلوم ہو رہی تھی بس اتنا فرق تھا کہ حضرت خواجہ صاحب ہوشیار اور ہوش میں تھے اور وہ بیہوش تھا۔ اور اسی عالم بیہوشی میں تیسرے دن انتقال کر گیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

یہ ہی توجہ اتحادی حضرت جبرئیل علیہ السّلام کی بھی مگر چونکہ اس کے تحمل کی استعداد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھی اس لئے اس کے تحمل میں آپ کو کوئی اشکال نہ ہوا۔ مگر بار بار کے بھینچے اور دبوچنے سے اس درجہ آپ کو تکلیف ہوئی کہ بخار آگیا اور دولتکدہ پر واپس تشریف لاکر حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ مجھے جلدی سے کچھ اڑھاؤ کچھ افاقہ ہونے پر آپ نے حضرت خدیجہ کو یہ سب قصہ سنایا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے حضرت خدیجہ سے پہلے سے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کی زبانی اور اس جیسے

اور واقعات سُنکر اس وقت کی منتظر تھیں اس لئے آپ کو تسلی دینے کے طور پر عرض کیا کہ آپ یتیم بچوں پر ترس کھاتے ہیں، بیوہ عورتوں پر رحم فرماتے ہیں ہمیشہ سچ بولتے ہیں، حق کے آپ ہمیشہ حامی رہے ہیں۔ آپ کی نیک عادت پاکیزہ خصلت اور محمود طبیعت سے ہر شخص واقف ہے۔ آپ کی مہمانداری غربا نوازی برادر پروری ضرور اچھا اور بہتر نتیجہ دکھلائے گی۔ لہٰذا آپ ذرا بھی خوف نہ فرمائیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ نے ورقہ بن نوفل کے پاس جاکر پورا قصہ سُنایا۔ ورقہ بن نوفل یہودیت و نصرانیت کے ماہر تھے اس لئے تمام قصہ سُنکر قدوس قدوس پکار اُٹھے اور فرمایا کہ یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے تھے پھر آپ کی زبانی تمام قصہ سُنا اور آپ کے سر مبارک پر بوسہ دیا اور کہا کہ گھبراؤ نہیں تم کو نبوت کا خلعت مل گیا۔ تم وہی نبی ہو جن کے متعلق آسمانی کتابیں بشارتوں سے پُر ہیں۔ کاش میں اس وقت زندہ اور جوان ہوتا اور اس وقت آپ کی مدد کرتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو نکالے گی آپ نے تعجب سے پوچھا کیا یہ لوگ مجھکو نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب میں کہا ہاں! جو بھی نبی آیا اور اُس نے توحید و رسالت کی دعوت دی اس کے ساتھ ابتداء میں عداوت اور دُشمنی کا برتاؤ کیا گیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اول اول مخفی طور پر لوگوں کو توحید کی تعلیم فرماتے رہے۔ لیکن جب آپ نے دین کی تبلیغ میں یوماً فیوماً زیادتی فرمائی اور اہتمام شروع کیا اسی وقت سے کفار مکہ کی عداوت شروع ہو گئی۔ آپ کے لائے ہوئے پاکیزہ دین کی تعلیم سے گو مسلمانوں میں اضافہ بھی ہوتا رہا لیکن

جوں جوں مسلمانوں میں اضافہ ہوتا تھا بد باطن کافروں میں حسد کی آگ بہت زیادہ بڑھتی جاتی تھی۔ ابوطالب حضرت کی حمایت بھی فرماتے تھے لیکن کفار کا از خود رفتہ جوشِ عداوت تکالیف پہنچانے سے باز نہیں رہتا تھا۔ مسلمانوں کی جماعت اول نہایت قلیل تھی اس وجہ سے وہ عبادتِ الٰہی مخفی طور پر کرتے تھے لیکن اس پر بھی جب ان کی عبادت کرتے ہوئے کوئی کافر اور مشرک دیکھ لیتا تو تمسخر کرتا، تکلیف پہنچاتا اور مار پیٹ سے بھی باز نہ رہتا۔ بنو اُمیہ کا سردار ابوسفیان مسلمانوں کا سخت دشمن ہو گیا تھا اور اس کوشش میں رہتا تھا کہ جو شخص مسلمان ہو اس کو عرب کے گرم ریت پر لٹا دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ یا تو بتوں کی پرستش کرو ورنہ ملک عدم کی راہ لو۔

تین سال تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقا اسی طرح خاموشی سے اسلام کی تبلیغ اور اللہ کی عبادت کرتے رہے۔ تین سال بعد قرآن پاک کی آیۃ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی۔ اس آیتِ شریفہ میں آپ کو اپنے رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس حکم کے نازل ہونے پر آپ کو اپنی قوم کی سرکشی کی وجہ سے ہر چند تشویش تھی مگر حکم الٰہی کی تعمیل بھی ضروری تھی اس لئے آپ نے دعوت کا اہتمام فرمایا اور اپنے سب اعزہ کو اس میں مدعو کیا اول مرتبہ کوئی حرف زبان پر لانے کی نوبت بھی نہ آئی کیونکہ تھوڑی سی مقدار کھانے کی چالیس آدمیوں کو کافی ہو جانا خود اس بات کے لئے بہت کافی تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کی کھوج لگاتے۔ اور آپ کے لائے ہوئے دین سے تعلق پیدا

کرتے مگر ابولہب یہ کہہ کر سب کو اپنے ساتھ لے گیا کہ کھاتے ہیں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جادو کر دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ پھر دعوت فرمائی اور سرداران قریش کو مدعو کیا اور کھانے کے بعد آپ نے نہایت پیارے الفاظ میں نصیحت فرمائی اور توحید کی ترغیب، شرک سے نفرت دلائی مگر کم بخت ابولہب نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا کہ ابوطالب تمہارا یہ بھتیجا جو تم کو اولاد سے زیادہ پیارا ہے تمہیں یہ کہتا ہے کہ میری اطاعت کرو اور میرے تابعدار بن جاؤ یہ کہہ کر سب نے مذاق اڑایا اور قہقہہ لگاتے ہوئے چلے گئے حتیٰ کہ آیت کریمہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ نازل ہوئی۔ اس آیت میں آپ کو علی الاعلان تبلیغ کا حکم ہوا تو آپ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور کفار کے سب قبائل کو نام بنام پکارا۔ عرب کے دستور کے موافق سب جمع ہو گئے تو آپ نے اول ان سے دریافت کیا کہ اگر میں اس بات کی خبر دوں کہ عنقریب تم پر کوئی دشمن حملہ کرنے والا ہے اور اس پہاڑ کے پیچھے چھپا ہوا بیٹھا ہے تو تم لوگ میری تصدیق کرو گے؟ سب نے بیک زبان اقرار کیا کہ ہم نے تمہیں جھوٹ بولتے کبھی نہیں دیکھا اس لئے ضرور سچا سمجھیں گے۔ تو آپؐ نے پھر عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ مگر وہ کفار جو ابھی ابھی آپ کی صداقت کا اقرار کر چکے تھے یہ سنکر ہنس پڑے ابولہب نے غصہ میں آکر کہا تبا لك سائر الیوم الھذا جمعتنا۔ یعنے تیرے لئے ہلاکت ہو۔ کیا اسی لئے ہم کو جمع کیا تھا (العیاذ باللہ) مجمع وہاں سے منتشر تو ہو گیا مگر جگہ جگہ آپ کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے منصوبے شروع ہو گئے جس سے جو بن پڑا وہ اس نے کیا۔ ابولہب کی بیوی جو ابوسفیان

کی بہن تھی وہ جنگل سے کانٹے لاکر آپ کے راستہ میں بچھاتی تاکہ رات کی آمدورفت میں آپ کو تکلیف پہنچے۔ آپ کی دو صاحبزادیوں کے نکاح ابولہب کے دو بیٹوں سے ہوچکے تھے ان کو ہر طرح سے تکلیف دی جاتی اور بالآخر لڑکوں سے کہہ کر ان کو طلاق دلوادی تاکہ آپ کو اور بھی تکلیف پہنچے۔ ابوطالب ہر چند کہ آپ کی حمایت کرتے تھے مگر اوّل تو وہ تنہا دوسرے وہ خود اس نئے مذہب سے علیحدہ تھے۔ ایک مرتبہ کفار کا بہت سا مجمع اکٹھا ہو کر ابوطالب کے پاس گیا کہ آپ یا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان باتوں سے روک دیں ورنہ ہمارے حوالہ کردو کہ خود ہم ان سے نمٹ لیں گے۔ ابوطالب سخت متحیر تھے نہ آپ کو چھوڑ سکتے تھے کہ باپ کی آخری وصیت اور آپ کے اخلاق و کمالات اس میں مانع تھے نہ کفار کے بار بار آنیوالے وفود سے انکار کرسکتے تھے۔ بالآخر ایک مرتبہ اُنھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلا کر بڑی لجاجت اور طویل گفتگو کر کے آپ سے درخواست کی کہ آپ اپنے مقصد سے ہٹ جائیں اور دعوتِ دین کے کام کو چھوڑ دیں۔ مگر آپ نے نہایت ہی استقلال سے فرمایا "کہ میرے چچا اگر کفار مکہ میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے میں چاند رکھدیں تب بھی میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا یہاں تک کہ اللہ جل شانہٗ دینی مقصد کو پورا فرمادیں یا میں شہید ہوجاؤں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ فرمالیا تھا کہ اب چچا جان بھی حفاظت سے عاجز ہوگئے مگر اس کے باوجود آپ کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ کفار مکہ جوں جوں اپنی کوششوں میں ناکام ہوتے تھے اتنے ہی اُن کا غصہ بڑھتا جاتا تھا جس اذیت اور

تکلیف کے دینے پر قادر ہوتے اس میں کسر نہ چھوڑتے تھے۔ بالخصوص نماز کی حالت میں آپ کو خاص طور سے ستاتے تھے۔ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں چند لوگوں نے مل کر آپ کی کمر مبارک پر اونٹ کا پیٹ (اوجھڑی) رکھدیا جس کے بوجھ کی وجہ سے آپ کو سجدہ سے اٹھنا مشکل ہو گیا اور جب آپ سر نہ اٹھا سکے تو خوب قہقہہ لگایا۔ آپ پر راستہ میں پتھر مارے جاتے تھے، نجاست اور گندگی ڈالی جاتی تھی اور اسی پر بس نہ تھا بلکہ قتل کر دینے کی تدابیر بھی ہر وقت کی جاتیں۔

جب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ معاملہ تھا تو آپ کے رفقا (مسلمان صحابہ) کا تو ذکر ہی کیا۔ جب کہ ان حضرات کو تکلیف دینے میں کوئی مانع بھی نہ تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو روزانہ دوپہر کے وقت ریت پر لٹا کر ببول کے درخت کے کانٹے چبھوئے جاتے اور سینہ پر ایک سخت پتھر رکھدیا جاتا کہ آپ تڑپ بھی نہ سکیں، چاروں طرف آگ جلا دی جاتی تاکہ اسی حالت میں مر جاویں یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانا چھوڑ دیں۔ لیکن جب یہ تمام صورتیں بیکار ہو گئیں تو رات کو زنجیر میں باندھ کر چند لوگ باری باری کوڑے مارتے تھے تاکہ اگلے روز یہ زخم دھوپ میں گرم ہو کر تکلیف پہنچائیں اور سوزش پیدا کریں مگر اس اللہ کے مخلص بندے کی زبان سے احد، احد کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا، حضرت عمار اور ان کے والد حضرت یاسر کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہوتا کہ روزانہ ان کو دھوپ میں لٹا کر گرم ریت کے ذریعہ ان کو تکلیف دیجاتی آخر حضرت یاسر اس کا تحمل نہ کر سکے اور چند روز میں انتقال کر گئے۔

حضرت عمار کی والدہ کے ابوجہل نے شرم گاہ میں ایک برچھی ماری جس سے وہ شہید ہوگئیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان احوال کو دیکھتے تھے مگر خود آپ کی یا اور کسی کی بھی مجال نہ تھی کہ کسی کی اعانت کر سکے۔

میں ان چند اوراق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی جفاکشی اور دین حنیفی کے پھیلانے میں جو تکالیف آئیں ان کا مختصر تذکرہ بھی نہیں کر سکتا پھر بھلا صحابہ کے احوال و واقعات ذکر کرنے کی گنجائش کہاں سے لاسکتا ہوں اول تو قلم ان واقعات کے لکھنے سے کانپتا ہے دوسرے ہر ہر جملہ پر مضمون اور کتاب کے طویل ہو جانے کا خوف ہے کہ ہمارے اولوالعزم مسلمانوں کو طویل تحریر کے پڑھنے یا دیکھنے کی مہلت بھی نہیں۔ اور اگر صفحات کے زیادہ ہو جانے کی وجہ سے کچھ قیمت میں اضافہ ہو گیا تو یہ ساری ہی کتاب نظروں سے اوجھل ہو جائے گی۔ کیونکہ دینی کام کے لئے پیسہ خرچ کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ ہاں سینما کے ٹکٹ جتنے چاہیں خرید سکتے ہیں۔

بہر حال جب صحابہ کرام پر حد سے زائد تکالیف کی بارش ہونے لگی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی بہت سے لوگوں نے حبشہ میں جا کر اقامت فرمائی اور شاہ حبشہ جس کا نام اصحمہ اور لقب نجاشی تھا کے پاس جا کر سکون و آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔ یہ حبشہ کی پہلی ہجرت تھی جو نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب میں ہوئی۔ اس جماعت میں گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں تھیں اس کے بعد صحابہ کرام کی ایک اور جماعت حبشہ گئی جس میں تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں

شامل تھیں یہ حبشہ کی دوسری ہجرت کہلاتی ہے۔ کفار مکہ اپنی حماقت سے اس کوشش میں بھی لگے رہے کہ وہاں سے بھی یہ مظلوم نکالدیئے جائیں۔ مگر وہ ساری تدابیر بیکار رہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس خود مکہ معظمہ میں مقیم رہے اور ہر نوع کی تکالیف برداشت فرماتے رہے چھ سال کامل یہ ہی مشقت اور تکالیف برداشت کرتے ہوئے گذر گئے۔ یکم محرم ؁ نبوی میں کفار مکہ نے ایک نئی تجویز ایذا رسانی کی نکالی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کنبہ کو برادری سے الگ کرکے شعب ابی طالب میں محبوس کر دیا۔ عام لوگوں کا کھانا پینا بھی ان حضرات کے ساتھ بند تھا اس گھاٹی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ نہ ہی کسی دُکاندار سے کسی چیز کے خریدنے کی اجازت تھی۔ نہ وہاں کھانے پینے کا کوئی سامان لے جانے کی اجازت۔ خود ان حضرات کے پاس کھانے پینے کا جو سامان تھا وہ کچھ دن بعد جب ختم ہوگیا تو اس کے بعد فاقے پر فاقے شروع ہوئے بچے اور عورتیں بھوک کی شدت سے بیتاب ہوگئے۔ کفار کا یہ معاہدہ زبانی معاہدہ نہ تھا اور ایک دو آدمیوں کی قرارداد نہ تھی بلکہ تمام سرداران مکہ کے اس پر دستخط کرائے گئے تھے۔ اس معاہدہ کا لکھنے والا منصور ابن عکرمہ عبدری تھا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو یہ سزا ملی کہ اسکے ہاتھ شل ہوگئے۔ لیکن جب بدبختی غالب ہوتی ہے تو کوئی بات بھی دل پر اثر نہیں کرتی۔ جب تین سال کامل اسی مجاہدہ کو ہوگئے اور اس امتحان میں مسلمان کامیاب ہوگئے تو اللہ تعالےٰ کی بے پایاں رحمت نے چند لوگوں کے دل میں اس معاہدہ کی مخالفت پیدا

فرمادی اور خود کفار و مشرکین میں سے چند لوگ ایسے اُٹھ کھڑے ہوئے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر ترس آ گیا۔ ابھی یہ بات چل ہی رہی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ملی کہ وہ کاغذ جس پر معاہدہ لکھا ہوا ہے اس کو دیمک کھا گئی اور صرف وہ جگہ صحیح و سالم باقی رہ گئی۔ جس پر اللہ پاک کا نام ہے۔ ابو طالب نے اس موقعہ پر قریش کے سرداروں سے کہا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خبر دی ہے کہ وہ کاغذ دیمک کھا گئی اب فیصلہ اسی پر ہے اگر واقعی معاہدہ دیمک کی نذر ہو گیا تو اب تم اپنی حرکت سے باز آ جاؤ۔ معاہدہ کو دیکھا تو وہ واقعی ایسا ہی ہو چکا تھا۔ جن لوگوں کو پہلے سے مخالفت کا خیال پیدا ہو چکا تھا ان کو تقویت ہوئی اور تین برس بعد یہ سب حضرات اس ابتلاء سے نکلے۔ مگر اس کے قریب ہی آپ پر یکے بعد دیگرے دو سخت صدمے پیش آئے ایک آپ کے چچا ابو طالب کا انتقال تھا جن کا وجود کفارِ مکہ کی بہت سی اذیتوں کو روکنے والا تھا۔ دوسرا صدمہ آپ کی جانثار مونس بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال تھا یہ سال مسلمانوں میں عام الحزن (غم کا سال) سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس ظاہری اعانت اور رفاقت کا سہارا بھی جاتا رہا۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود تمام تکالیف اور اذیتوں کے اور باوجود صدمات اور رنج و غم کے اپنے اللہ کے ساتھ کے لگاؤ اور اس کے دین کی اشاعت اور تبلیغ سے کوئی چیز بھی ہٹانے والے نہ تھی۔ کفار مکہ ہر وقت آپ کو مجنون، دیوانہ کاہن، جادوگر، شاعر وغیرہ وغیرہ القاب سے پکارتے طعنے دیتے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ان کی فلاح و بہبود اور

مسلمان ہو جانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ کوئی مصالحت کی گفتگو ہوتی تب بھی آپ کا جواب یہ تھا کہ مصالحت صرف ایک صورت سے ہو سکتی ہے وہ یہ کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اور اللہ پاک کی عبادت کرنے لگو۔ مگر ان لوگوں کی طرف سے اس پر قہقہے لگتے۔ مذاق اُڑایا جاتا، خاص شہر مکہ سے جب آپ کو مایوسی ہوئی تو آپ نے مکہ کے اطراف میں تبلیغ شروع فرمائی۔ اور ہر ہر قبیلہ سے جا کر اللہ کے دین میں داخل ہونے اور اللہ کے پاک رسول کی مدد کرنے کی درخواست کی مگر ان لوگوں نے بجائے اعانت و مدد کے صاف انکار کر دیا اور مذاق اُڑایا۔

طائف میں جب آپ نے اللہ کے پاک دین کو پھیلانے کا ارادہ فرمایا تو وہاں کے سرداروں نے نہ صرف آپ کا مذاق اُڑایا بلکہ بچوں اور شہر کے اوباش لوگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ آپ کو اینٹیں ماریں اور پتھر برسائیں اس پتھراؤ کے بعد آپ کے دونوں جوتے خون کے بہنے کی وجہ سے سرخ ہو گئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے اور ایک جگہ اطمینان سے بیٹھ کر یہ دُعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ الیکَ اشکو ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین۔ انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی ام الی عدو ملکتہ امری ان لم یکن بک علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتک ھی اوسع لی۔ اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ

امر الدنیا والاخرۃ من ان تنزل بی غضبك او یحل علی سخطك لك العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا بك۔ (کذا فی سیرت ہشام۔ قلت واختلفت الروایات فی الفاظ الدعا کما فی قرۃ العیون۔

(ترجمہ) اے اللہ تجھ ہی سے شکایت کرتا ہوں میں اپنی کمزوری اور بیکسی کی اور لوگوں میں ذلت و رسوائی کی۔ اے ارحم الراحمین تو ہی ضعفاء کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے۔ تو مجھے کس کے حوالہ کرتا ہے کسی اجنبی بیگانہ کے جو مجھے دیکھ کر ترش رو ہوتا ہے اور منہ چڑھاتا ہے یا کہ کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دیدیا۔

اے اللہ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے تیری حفاظت مجھے کافی ہے۔ میں تیرے چہرہ کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہوگئیں اور جس سے دُنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہوجاتے ہیں۔ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو۔ تیری ناراضگی کا اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو۔ نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت۔ اللہ جل شانہٗ کے یہاں سے ہر مجاہدہ پر اس کے موافق انعام ملتا ہے اور اللہ کے راستہ میں جس قدر قربانیاں دی جائیں اس کے موافق ثمرہ عطا ہوتا ہے۔ یہ قصّہ خود اپنے اندر بہت بڑی قربانی اور مجاہدہ کو لئے ہوئے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مجاہدات کا ثمرہ وہ تقربِ الٰہی ہے جو معراج کے نام سے مشہور ہے کہ یہ تقرب اوّلین و آخرین میں کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔ اسی معراج میں

مسلمانوں کو ایک انتہائی عظیم الشان تحفہ یہ دیا گیا کہ ان پر پانچ وقت کی نماز فرض کر دی گئی جو حق تعالیٰ سے مناجات کا ذریعہ بھی ہے اور سب سے اہم عبادت بھی ہے۔ مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو احکم الحاکمین کی بارگاہ کے تقرب سے منہ موڑ کر چند کوڑیوں کے مالک اور چند ملحوں کے حاکموں کا درباری تقرب ڈھونڈنے کے لئے اپنا جان و مال حتیٰ کہ اپنا دین بھی قربان کر دیتے ہیں۔

معراج کا قصہ مسلمانوں کے لئے جتنا بھی قابل افتخار ہو مگر کفار کے لئے اور بھی استہزاء اور مذاق اڑانے کا سبب بن گیا۔ اور طعن و تشنیع سب و شتم کا ایک اور بہانہ ان کے ہاتھ میں آ گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی سے باہر کے آنے والوں کو تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ۱۱ نبوی سے مدینہ طیبہ میں اسلام کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ مدینہ والے جو اپنی ضرورتوں یا حج کی ادائیگی کی وجہ سے مکہ مکرمہ آتے تھے وہ یہاں سے مسلمان ہو کر جاتے اور پھر مہاجرین بھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جانے شروع ہو گئے تھے اس اعتبار سے مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کی تعداد اچھی خاصی تھی اور یہ حضرات چاہتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مستقل مدینہ تشریف لے آئیں اور وہیں مشرف فرمائیں مگر آپ ہر مرتبہ یہی فرماتے کہ مجھے ابھی حق تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم نہیں ملا۔ چنانچہ آپ حکم الٰہی کے انتظار میں مکہ ہی میں قیام فرما رہے اور رات دن عبادت الٰہی میں لگے رہے ادھر کفار مکہ بھی اپنی انتقامی کارروائیوں سے نہیں رکتے تھے۔ جب آپ نماز پڑھتے تو سجدہ کی حالت میں آپ کو ستایا جاتا۔ آپ پر راستہ میں مٹی اور ڈھیلے پھینکے جاتے مگر آپ نہایت صبر و تحمل سے ان سب چیزوں کو برداشت

فرماتے رہتے۔ ایک روز کفار مکہ نے ایک جلسہ کیا جس میں یہ طے پایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر ڈالو اور یہ قتل ایک شخص نہ کرے بلکہ پانچ قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی لے کر ان کے ذریعہ سے یہ قتل ہو تاکہ بنو ہاشم اگر انتقام اور بدلہ لینا چاہیں تو اُن کے لئے مشکل ہو اور وہ مجبوراً دیت پر راضی ہو جائیں۔ اس منصوبہ کی اطلاع آپ کو بذریعہ وحی ہوئی اور ساتھ ہی ہجرت کر جانے کی اجازت بھی مل گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لٹایا اور ان کو وہ تمام امانتیں حوالہ کر آئے جو مکہ کے لوگوں نے اپنی دشمنی کے باوجود آپ کے پاس رکھوا رکھی تھیں۔ یہ انتظام فرما کر رات کے وقت آپ گھر سے باہر نکلے چاروں طرف کافروں کا پہرہ تھا جو شام ہی سے آپ کے گھر پر آ گئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی میں مٹی لے کر ان ذلیلوں پر پھینکی جس کی گرد نے ان کی آنکھوں سے آپ کو اوجھل کر دیا۔ اس کے بعد آپ حضرت ابوبکر کے پاس تشریف لائے اور اُن کو اپنے ہمراہ لے کر غار ثور میں جا کر چھپ گئے اور تین شب وہیں مقیم رہے۔ ادھر صبح کو جب کفاروں کو اپنی ناکامی کا احساس ہوا تو طیش میں آ گئے اور چاروں طرف سوار دوڑا دیئے اور اعلان کر دیا کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کر لائے گا بہت بڑا انعام پائے گا مگر چونکہ آپ خدا کی حفاظت اور نگہداشت میں تھے اس لئے بخیر و عافیت رہے اور کوئی آپ کا بال بیکا نہ کر سکا غار ثور میں تین شب قیام فرمانے کے بعد آپ مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں چار روز قبا میں قیام فرمایا۔ تبنا مدینہ منورہ کے نزدیک ہی

22439

ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ جمعہ کے دن بارہ ربیع الاول مطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ئ
کو آپ نے مدینہ منورہ میں نزول فرمایا۔

یہاں تک ہجرت اور مکہ مکرمہ کے زمانہ قیام کے چند واقعات مثالاً ذکر کر دیئے کہ ان سب کا احصاءً اپنی کم مائیگی کی بدولت نہ مجھ سے ممکن نہ دیکھنے والوں کو اتنی فرصت۔ مدینہ منورہ کے قیام میں جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انتظامی امور کی بھی دیکھ بھال کرنی ہوتی تھی۔ علوم و مسائل کی نشر و اشاعت بھی ہوتی تھی۔ فقہ و حدیث بھی بہایا جاتا تھا جس کے حصول میں لوگوں نے اپنی عمریں خرچ کر دیں اور پھر بھی تمام احادیث کے ذخیرہ کا اور تمام فقہ کا احاطہ نہ کر سکے۔ جہاد بھی ہوتا تھا اور دُنیا بھر کے سلاطین کے پاس وفود بھی بھیجے جاتے تھے۔ یہود مدینہ اور منافقین کی مخالفتیں بھی ہر وقت رہتی تھیں۔ اور وہ ہر کام میں روڑا اٹکانے میں لگے رہتے تھے۔ آپس کے جھگڑے اور قصے بھی نمٹائے جاتے تھے۔ گھروں کی ضروریات بھی پوری فرمائی جاتی تھیں تو ان سب مشاغل کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یادِ الٰہی کا وقت اور خلوت کے لئے جنگل میں جانے کی فرصت مل جاتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے دریافت کیا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آبادی چھوڑ کر جنگلوں میں تشریف لیجایا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا ہاں! آپ ان وادیوں کی طرف تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے صحرا میں جانے کا ارادہ فرمایا تو ایک سرکش اونٹنی میرے پاس بھیجی اور کہلوایا کہ اس کو سواری کے واسطے تیار کر لو اور اسکے ساتھ نرمی کرنا زیادہ سختی سے نہ پیش آنا اس لئے کہ نرمی ہر چیز

میں زینت پیدا کر دیتی ہے۔

اب میں مدینہ طیبہ کے زمانہ قیام کے چند واقعات سن وار پیش کرتا ہوں۔

سلہ۔ اس سال اسلام میں اذان کی ابتداء ہوئی۔ مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو ان کو نمازوں کی ادائیگی میں اوقات معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بڑی دقت ہوتی تھی۔ صحابہ محض اندازہ سے مسجد میں جمع ہو جاتے تھے اور نماز ادا کر لیا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ دقت اور تکلیف روزمرہ کی تھی۔ اس لئے صحابہ نے دربار نبوی سے اس کا مستقل حل چاہا خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس تکلیف کو محسوس فرماتے تھے۔ آخر کار تمام صحابہ نے ایک روز جمع ہو کر مشورہ کیا۔ اور نماز کے اوقات کی اطلاع بسہولت ملنے کے لئے اپنی اپنی رائے دینی شروع کی۔ ایک رائے یہ تھی کہ نماز کے وقت جھنڈا بلند جگہ پر کھڑا کر دیا جائے اس کو دیکھ کر نماز کے لئے سب جمع ہو جایا کریں۔ اس کے علاوہ ناقوس، بگل اور سنکھ بجانے کی بھی رائے ہوئی مگر یہ سب طریقے چونکہ دوسرے مذاہب میں رائج تھے۔ اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو پسند نہ کیا اور فرمایا کہ ناقوس نصاریٰ کے یہاں رائج ہے۔ بگل یہود کے یہاں بجتا ہے اور ہم کفار کی مشابہت اختیار نہیں کرتے۔ الغرض بات ادھوری رہ گئی اور کوئی نتیجہ اس گفتگو سے نہ نکل سکا۔

اسی شب میں حضرت عبداللہ بن زید کو کسی غیبی فرشتہ نے اذان کے کلمات تعلیم فرمائے۔ وہ یہ خواب دیکھ کر دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میں کچھ سو رہا تھا اور کچھ جاگ رہا تھا کہ کسی نے مجھے یہ کلمات

(جواب اذان میں دُہرائے جاتے ہیں) تلقین کئے ہیں آپ نے اُنھیں سُن کر حضرت بلال کو یاد فرمایا۔ اور فرمایا کہ یہ کلمات کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر دہراؤ۔ یہ کلمات جب حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے سُنے تو انتہائی خوشی کے باعث اپنی چادر گھسیٹے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ یہی الفاظ بیس دن قبل میں نے بھی کسی کہنے والے سے سُنے تھے مگر شرم کی وجہ سے عرض نہ کر سکا۔

اِس ناکارہ کا خیال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید کے خواب میں کلمات اذان سُننے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت بلال کو ترجیح دی تو یہ ان کی ان مشقتوں اور تکلیفوں کا بدلہ تھا جو اُنھوں نے ابتدار اسلام میں کفار مکہ کے ہاتھوں برداشت کی تھیں کہ مشرکین ان کو مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا کرتے تھے اور اس وقت بھی احد احد (یعنی اللہ ایک ہے) کی صدا بلند کیا کرتے تھے۔ اگرچہ حدیث پاک میں اس ترجیح کی وجہ حضرت بلال کا بلند آواز ہونا بتلایا گیا ہے مگر وہ میرے اس قول کے منافی نہیں۔ اسی سال محرم کی دسویں تاریخ یعنی یوم عاشورہ کا روزہ ابتداءً فرض ہوا مگر جب رمضان کے روزے اُمت مسلمہ کے حق میں فرض ہو گئے تو یہ یوم عاشورہ کا روزہ صرف مستحب رہ گیا۔

اسی سال حضرت سلمان فارسی، حضرت عبداللہ بن سلام، سلسلۂ اسلام میں داخل ہوئے جن کی قربانی اور جانفروشی کے واقعات مشہور ہیں۔

اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ اور اپنی

صاحبزادیوں کو مکہ سے مدینہ بلوا لیا۔ انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات اور بھائی چارہ اسی سال قائم ہوا۔ نیز اسی سال شوال کے مہینہ میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی۔

۲ھ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ اسی سال ہوا۔ جہیز میں جو سامان حضرت فاطمہ کو ملا وہ یہ تھا۔ ایک پلنگ، دو چادریں، ایک تکیہ، دو بازوبند چاندی کے ایک مشکیزہ اور مٹی کے دو گھڑے، ارکان اسلام میں سے دو اہم رکن، روزے اور زکوٰۃ نیز عیدین کی نماز، صدقہ فطر کے احکامات یہ سب اسی سال نازل ہوئے۔

مسلمان اب تک نماز بیت المقدس کی طرف منہ کرکے پڑھتے تھے اس سال تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا اور مسلمانوں کے لئے دائمی قبلہ بیت اللہ قرار دیا گیا۔ عید الاضحیٰ کی نماز سب سے اول اس سال حضور کی امامت کے ساتھ عیدگاہ میں ہوئی۔

مشہور لڑائی غزوہ بدر جس میں مسلمان تین سو تیرہ (۳۱۳) اور کفار نو سو پچاس (۹۵۰) تھے وہ بھی اسی سال ہوئی۔ اس لڑائی میں حضرت عثمان شریک نہ ہو سکے۔ کیونکہ ان کی اہلیہ محترمہ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ سخت بیمار تھیں۔ ان کی خیر و خبر اور دیکھ بھال کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان اور حضرت اسامہ بن زید کو حکماً مدینہ میں چھوڑ گئے تھے۔ جس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے فارغ ہوکر مدینے پہنچے اس سے ایک دن پہلے حضرت رقیہ انتقال کر چکی

تھیں۔ حضرت عثمان چونکہ حضور کے حکم سے روک دیئے گئے تھے اس لئے مال غنیمت میں برابر کے حصہ دار بنائے گئے۔ اس غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تضرع وزاری اور خدا کی بے پرواہ ذات کا جو خوف طاری تھا اس کا اندازہ اس دُعا سے ہو سکتا ہے جو آپ نے میدانِ جنگ میں فرمائی اور ہاتھ دُعا کے لئے اتنے اونچے اٹھے کہ کندھے پر سے چادر گر گئی تھی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری تھی اور فرما رہے تھے۔ اے خدا اپنے وعدہ کو آج پورا فرما۔ آج مدد کا دن ہے اگر یہ چھوٹی سی جماعت ختم ہو گئی تو کوئی بھی تیری عبادت کرنے والا نہ رہے گا۔ تجھ کو ایک سمجھنے والے یہی چند لوگ ہیں جو تیرے کہلاتے ہیں ان کی مدد آپ ہی کے ذمہ ہے اور اسلام کی عزت تیرے ہاتھ میں ہے۔ لڑائی شروع ہوئی۔ اور بڑی گھمسان کی ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی مٹی کی اٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا شاھت الوجوہ یعنی یہ منہ ذلیل ہو جائیں۔ خدا کی قدرت کہ اس مٹی کا اثر سارے کافروں پر ہوا۔ کسی کافر کی آنکھ ایسی نہ رہی جس میں یہ مٹی نہ گری ہو۔ اس کے علاوہ اس لڑائی میں کھلی آنکھوں خدا کی مدد اور فرشتوں کی اعانت ہوئی۔

ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں اس لڑائی میں ایک کافر کا پیچھا کر رہا تھا۔ یکایک بہت زور سے کوڑا مارنے کی آواز سنائی دی اور کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا "اے حیزوم ہاں آگے بڑھ" کہنے والا تو نظر نہ آیا مگر جس کافر کا میں پیچھا کر رہا تھا اس کو اپنے آگے مرا ہوا پایا اس کی ناک پھٹ چکی تھی اور کوڑے

کی چوٹ سے نیلی پڑ گئی تھی۔ ایسے ہی حضرت ابن عباس کو جس صحابی نے گرفتار کیا وہ بہت کمزور اور لاغر آدمی تھے جب ان سے پوچھا گیا کہ تم نے عباس جیسے پہلوان اور مضبوط آدمی کو کیسے گرفتار کر لیا تو فرمایا کہ اس وقت میری ایک ایسے آدمی نے مدد کی جس کو نہ اس سے پہلے میں نے دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد پھر کبھی دیکھا۔ اتنی بڑی معرکۃ الآرار لڑائی ہوئی لیکن خدا کی مدد شامل حال تھی۔ اس لئے پانچ مہاجر اور آٹھ انصار مسلمان شہید ہوئے جن کو انہی کپڑوں میں دفن کر دیا گیا۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد کافروں کی لاشیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کنوئیں میں ڈال دی گئیں۔ چوتھے دن آپ اس کنوئیں پر تشریف لائے اور فرمایا۔ اب تو تم تمنا کرتے ہو گے کہ ہائے کاش اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کر لیتے اللہ کا ہم سے جو کچھ وعدہ تھا اس کو ہم نے ٹھیک پا لیا۔ تم نے بھی اپنے وعدہ کو ٹھیک پایا؟ اس کے بعد آپ بخیر و عافیت مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

۳ھ۔ اس سال حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ یہی وہ سب سے پہلے صحابی ہیں جو جنت البقیع میں دفن ہوئے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ میں سب سے پہلے انہی کا انتقال ہوا۔

اسی سال ماہ رمضان میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

غزوۂ احد اسی سال ہوا جس میں مسلمانوں کی تعداد سات سو (۷۰۰) اور کافروں کی تعداد تین ہزار (۳۰۰۰) تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں

کے ساتھ مدینہ طیبہ سے چل کر جبل احد کے لئے روانہ ہوئے۔ لڑائی کے مقام پر پہونچکر آپ نے صف بندی فرمائی اور پچاس تیر انداز جن پر حضرت عبداللہ بن جبیر امیر مقرر کئے گئے تھے۔ فوج کے پیچھے پہاڑی درہ کے قریب بٹھا دیئے گئے تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کرسکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کو ہدایت فرمادی کہ خواہ ہم کامیاب ہوں یا ناکام مگر تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ لڑائی پوری شدت کے ساتھ ہوئی میدان صحابہ کے ہاتھ رہا۔ شکست کھانے کے بعد جب کفار ہر چہار جانب منتشر ہو گئے اور ان کا زور بالکل ٹوٹ گیا تو مال غنیمت پر مسلمانوں نے قبضہ کرنا شروع کیا۔ وہ تیرانداز دستہ یہ سوچ کر کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پہاڑی درہ میں قیام کا صرف لڑائی تک تھا جو اب ختم ہو چکی ہے۔ نیچے اتر آئے ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر نے بہت روکا مگر سوائے دس آدمیوں کے کسی نے بھی ان کا کہنا نہ مانا۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا خطرہ تھا کہ خالد بن ولید جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے فوج کو اپنے ساتھ لے کر اسی درہ میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں پر یکبارگی حملہ کر دیا۔ اس حملہ کی مسلمان تاب نہ لاسکے ستر صحابہ شہید ہوئے جس میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ کافروں کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا جائے چنانچہ عتبہ بن ابی وقاص نے ایک پتھر آپ کے مارا جس کی بنا پر آپ کا نیچے کا دانت اور نیچے کا ہونٹ زخمی ہوا۔ جس میں سے خون بہنے لگا۔ ابن قمیہ نے تلوار سے ایسا حملہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی

تاب نہ لاسکے۔ بدن مبارک پر چونکہ دو زرہ کا بوجھ بھی تھا اس لئے آپ ایک غار میں گر گئے باہر نکلنا دشوار ہوگیا۔ زخمی ہو جانے کی وجہ سے چہرۂ مبارک خون آلودہ ہوگیا۔ چونکہ خون برابر بہہ رہا تھا۔ اس لئے آپ کمزور اور نڈھال ہوگئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پانی بھر بھر کر لاتے تھے اور آپ کے چہرہ سے خون دھو رہے تھے۔ لیکن جب وہ کسی طرح خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بوریہ کا ایک ٹکڑا جلا کر زخم میں بھر دیا تاکہ خون رک جائے کفار کے اس حملہ کی وجہ سے مسلمان تتر بتر ہوگئے۔ بڑے بڑے صحابہ جیسے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت طلحہ تو اپنی اپنی جگہ ثابت قدم رہے۔ لیکن بقیہ صحابہ دو طرفہ حملہ کی تاب نہ لاکر ادھر ادھر بھاگ نکلے یہ صورت حال دیکھ کر حضرت حمزہ نے مسلمانوں کو للکارا اور ان کو جمع کر کے یکبارگی کافروں پر حملہ کرنے کا جوش دلایا۔ چنانچہ صحابہ فوراً رک گئے۔ اور پھر کافروں سے قتال میں مشغول ہوگئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کے حوصلے پست اور ہمتیں کمزور ہوگئیں۔ اس لڑائی میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ شہید ہوئے۔ حضرت حمزہ بھی درجۂ شہادت کو پہنچے کہ ایک حبشی غلام وحشی نے اپنی تلوار پوری شدت کے ساتھ آپ کی ناف میں اس زور سے ماری کہ آپ کا سنبھلنا مشکل ہوگیا چنانچہ حضرت حمزہ دو، چار قدم چل کر گر پڑے اور انتقال فرما گئے۔ ہندہ بنت عتبہ کو جب اس کی خبر ملی تو دوڑی ہوئی آئی اور نعش مبارک پر بیٹھ کر ناک، کان کاٹ لئے، پیٹ چیر کر جگر نکالا اور دانتوں سے چبا کر بولی کہ آج کلیجہ میں ٹھنڈک پڑی ہے کہ باپ کے قاتل کا خون پیا۔

لڑائی کے متعلق یہ تمام خبریں مدینہ طیبہ میں پہونچ رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے وہاں کی عورتوں، ضعیف مردوں میں ایک طرح کا خوف پھیلا ہوا تھا۔ ہر شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی خیریت کا منتظر تھا، چنانچہ ۱۵ ار شوال ۳ھ کو آپ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ مرد اور عورتیں آپ کی تشریف آوری کی مسرت میں اپنے شہدا کا غم بھول گئیں۔ حالانکہ ان شہید ہونے والوں میں اُن کے بھائی بھی تھے، شوہر بھی تھے اور جوان اولاد بھی تھی۔

۴ھ اس سال حضرت امام حسین پیدا ہوئے۔ بیر معونہ کا دل دوز واقعہ اسی سال پیش آیا۔ جس میں ستر صحابہ جو سب کے سب حافظ قرآن تھے شہید کئے گئے صرف حضرت عمرو بن اُمیہ بچ سکے۔ جو بعد میں آزاد ہو کر مدینہ پہونچ گئے یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ نجد کا رہنے والا ایک شخص جس کا نام عامر بن مالک تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں دین اسلام سے محبت رکھتا ہوں اور اسلام لانے کا خواہشمند ہوں مگر اپنی قوم سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ لوگ میرے ساتھ بُرا معاملہ نہ کریں۔ لہذا آپ چند سمجھدار صحابہ کو میرے ہمراہ بھیجدیں، تاکہ میں ان کو اپنی قوم میں لیجاؤں اور وہاں جاکر یہ لوگ وعظ و تبلیغ کریں اور اس کا میں ذمہ دار ہوں کہ کوئی آدمی ان کو تکلیف نہیں پہنچائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمر کو ستر صحابہ پر امیر بنا کر اس مقصد کے لئے اس کے ساتھ روانہ کر دیا اور ساتھ ہی ایک خط نجد کے رؤسا اور با اثر لوگوں کو لکھدیا جس میں اسلام کی ترغیب اور دعوت تھی۔ یہ حضرات روانہ ہو کر

مکہ اور عسفان کے درمیان ایک مقام پر ٹھہر گئے جس کا نام بیر معونہ ہے۔
حضرت حرام بن ملحان اپنے دو ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھ گئے تاکہ عامر بن طفیل کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پہنچا دیں۔ جب یہ تینوں حضرات اس کے نزدیک پہنچے تو حضرت حرام بن ملحان نے فرمایا کہ تم دونوں یہیں ٹھہر جاؤ۔ پہلے میں جا کر دیکھتا ہوں اگر مجھ کو امان مل گئی تو تم بھی میرے پاس آجانا ورنہ واپس لوٹ جانا۔ تینوں کے مارے جانے سے بہتر یہ ہے کہ میں ہی اکیلا مارا جاؤں یہ بات طے کر کے حضرت حرام آگے بڑھے اور پکار کر فرمایا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں اگر مجھے امان دیجائے تو حضور کا پیغام پہنچا دوں۔ ابھی اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ ایک مشرک نے پیچھے سے آکر ایسا نیزہ مارا کہ پار نکل گیا۔ حضرت حرام صرف اتنا فرما کر کہ فزتُ وربّ الکعبہ (یعنی) خدائے کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا) زمین پر گر گئے اور انتقال کر گئے اس کے بعد کفار باقی صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن پر یکبارگی حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ سارے صحابہ شہید ہو گئے۔ ان شہید ہونے والوں میں حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے جو ہجرت کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ چکے تھے۔ شہید ہونے کے بعد ان کو یہ اعزاز ملا کہ ان کی نعش فرشتے آسمان کی جانب اُٹھا کر لے گئے اس واقعہ کی اطلاع جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ کو انتہائی رنج ہوا اور ہر چند کہ آپ کی عادت مُبارک کسی کو بد دعا دینے کی نہ تھی مگر آپ نے اکیس روز تک صبح کی نماز میں قنوت پڑھی جس میں ان کافروں کے حق میں بد دُعا کی گئی تھی۔

غزوہ بنو نضیر بھی اسی سال ہوا جس کی مختصر سی تاریخ یہ ہے کہ یہود کی سرشت اور فطرت میں ہمیشہ سے دغا بازی اور مکاری رہی ہے اور یہ غزوہ بھی ان کی مکاری کی وجہ سے پیش آیا کہ ان بدنصیبوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا کر آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ان حضرات کو دیوار کے اوپر سے پتھر گرا کر شہید کر دیں مگر آپ کو وحی کے ذریعہ اسکی اطلاع مل گئی اور آپ وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے۔ چونکہ ان یہودیوں نے اپنا وعدہ اور معاہدہ خود ہی توڑ دیا تھا۔ اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لا کر ان کو کہلا بھیجا کہ "یا تو مسلمان ہو جاؤ یا مدینہ سے نکل جاؤ" مگر یہ بدنصیب عبداللہ بن ابی اور دوسرے منافقوں کی مدد اور امداد پر بھروسا کئے ہوئے تھے اس لئے لڑنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ لیکن موقعہ پر کوئی بھی مدد کو نہ آیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول ۴ھ میں ان کا محاصرہ فرمایا۔ اور چھ روز تک ان کی نگرانی فرمائی۔ آپ کے حکم سے ان کے باغات اور جائدادیں نذر آتش کر دی گئیں۔ ان حالات کو دیکھ کر یہود پریشان ہو گئے اور جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو صلح کی درخواست بھیجی آپ نے اس کو منظور فرما لیا اور ان کو انتہائی رعایت دیتے ہوئے کہہ دیا کہ اسباب منقولہ جتنا لے جا سکتے ہو مع اپنے اہل وعیال اور رشتہ داروں کے لیجاؤ البتہ ہتھیار جس قدر ہوں وہ سب چھوڑ جاؤ۔ چنانچہ یہ لوگ مدینے سے نکل گئے اور چلتے ہوئے اپنے مکانات صرف اس وجہ سے توڑ گئے کہ ان میں مسلمان نہ رہ سکیں۔ مکانوں کے

کواڑ، چھتوں کی کڑیاں تک نکال کر لے گئے۔ اور خیبر ہی جا بسے اسی محاصرہ کے دوران شراب کی حرمت نازل ہوئی۔

اسی سال شوال کے مہینہ میں اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں نیز اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت زینب بنتِ خزیمہ کا نکاح سے آٹھ ماہ بعد انتقال ہوا۔

۵ھ۔ اس سال ماہ محرم میں غزوۂ ذات الرقاع پیش آیا۔ اس لڑائی میں صحابہ کرام اپنی غربت کی وجہ سے ننگے پاؤں بھی تھے اور بغیر سواریوں کے بھی تھے۔ پیدل چلتے چلتے پیروں میں زخم اور چھالے پڑ گئے تھے۔ زخموں کی تکلیف سے نجات پانے کے لیے صحابہ کرام نے اپنے پیروں پر کپڑوں کے ٹکڑے (چیتھڑے) باندھ رکھے تھے اسی بنا پر اس کو غزوۂ ذات الرقاع کہتے ہیں یعنی چیتھڑوں والی لڑائی۔ اس غزوہ سے واپس آتے وقت دوپہر ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں نے ایک جنگل میں قیام کیا اور سب صحابہ تھوڑی دیر آرام حاصل کرنے کی نیت سے اِدھر اُدھر سو رہے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک کیکر کے درخت کے نیچے آرام فرمانے کی غرض سے لیٹ گئے اور تلوار درخت میں لٹکا دی دفعتہً آنکھ کھُلی تو دیکھا کہ ایک کافر ننگی تلوار ہاتھ میں لئے کھڑا ہے۔ اور کہتا ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب بتاؤ کون ہے جو اس وقت تمہاری جان بچائے۔ اس کے اس حال میں ہونے کا آپ پر ذرا اثر نہ ہوا اور پورے اطمینان سے جواب دیا کہ "خدا بچائے گا" یہ جواب سُننا تھا کہ اس کافر کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی اور بدن کپکپا اُٹھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے بڑے اطمینان سے وہ تلوار زمین سے اُٹھائی اور فرمایا "اب بتلا اس وقت تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا۔ اس نے کہا "کوئی بھی نہیں" آپ نے فرمایا رحم کرنا مجھ سے سیکھ اور یہ فرماکر تلوار نیچے کرلی۔ یہ معاملہ دیکھ کر وہ کافر مسلمان ہوگیا۔

نیز اسی ہجرت کے پانچویں سال صلوۃ خوف مشروع ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھوڑے پر سے گر جانا اور تکلیف کی وجہ سے پانچ یوم مشربہ (دوچھتی) میں قیام فرمانا تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ (جو غزوہ بنی المصطلق میں قید ہوکر آئی تھیں) کو آزاد فرماکر اپنی زوجیت کے شرف سے مشرف فرمایا۔

منافقین کی جانب سے حضرت عائشہؓ پر اتہام اسی سال لگایا گیا جو تاریخ وسیر میں قصہ افک کے نام سے مشہور ہے۔ اجمالی واقعہ اس کا یہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ مریسیع کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ آپ کے ہمراہ تھیں غزوہ سے واپسی پر اسلامی لشکر نے ایک جگہ قیام کیا۔ وہاں پہونچکر حضرت عائشہ قضائے حاجت کے لئے جنگل چلی گئیں جہاں ان کے گلے کا ہار ٹوٹ کر راستہ میں گم ہوگیا۔ حضرت عائشہ کو اس کے گرنے کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ جب اپنے خیمہ میں پہنچ گئیں اور اتفاقی طور سے گلے پر ہاتھ پڑا تو پتہ چلا حضرت عائشہ اسکی تلاش میں فوراً جنگل کی طرف روانہ ہوگئیں تلاش میں دیر لگی آکر دیکھا تو قافلہ کوچ کرچکا تھا۔ اور چونکہ خود ہلکی پھلکی تھیں۔ اس لئے ان کا ہودج (سواری) اٹھاتے والوں کو اس کا احساس بھی نہ

ہوا کہ یہ خالی اُٹھایا جارہا ہے۔ یہ ماجرا دیکھ کر حضرت عائشہ وہیں بیٹھ گئیں اور اپنا بدن کپڑے سے چھپا کر سو گئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفوان بن معطل کو اس خدمت پر مامور فرمار کھا تھا کہ وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہا کریں تاکہ اگر کوئی چیز کوچ کرنے کے بعد ملے تو یہ اسے اُٹھا کر مالک تک پہنچا دیں حضرت صفوان نے جب دیکھا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ جنگل بیابان میں تنہا رہیں تو پریشان ہو گئے اور بلند آواز سے انا اللہ پڑھی۔ آواز سنکر حضرت عائشہ بیدار ہو گئیں۔ دیکھا تو حضرت صفوان تھے فوراً اپنا مُنہ چھپالیا کیونکہ اس وقت پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ حضرت صفوان حرم محترم کی انتہائی عزت کی بناء پر اونٹنی سے اُتر گئے اور مہار پکڑ کر اونٹنی بٹھا دی، حضرت عائشہ اس پر سوار ہو گئیں اور امام بخاری کی تصریح کے مطابق جو خود حضرت عائشہ سے منقول ہے نہ کوئی بات چیت ہوئی نہ گفتگو اور دوپہر سے پہلے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچ گئیں۔

واقعہ صرف اتنا ہی تھا اور بالکل بے غبار تھا لیکن منافقین کو بہانہ مل گیا اور اُنھوں نے حضرت صدیقہ کو حضرت صفوان سے متہم کرنے کی ناپاک کوشش شروع کر دی۔ اس واقعہ میں تین مسلمان صحابی جن کے مخلص ہونے میں کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا بھی مبتلا ہو گئے۔ دوم حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حسان بن ثابت اور ایک عورت حمنہ بنت جحش۔ حضرت عائشہ کو اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں چونکہ یہ بات آچکی تھی اس لیے آپ بہت غمگین اور افسردہ تھے۔ مختلف صحابہ سے آپ نے دریافت کیا اور مشورے

لئے سب نے ہی حضرت عائشہ کی پاکدامنی پر زور دیا۔ خود حضرت عائشہ کی باندی حضرت بریرہ نے بڑے زور سے صفائی پیش کی لیکن حضورؐ پر اس بدنہمتر کا اتنا اثر تھا کہ آپ کا دل صاف نہ ہوا۔ ادھر حضرت عائشہ بخار کے ساتھ ساتھ اس غم میں گھلی جا رہی تھیں کہ آپ کی وہ محبت اور اُلفت کیوں یکدم ختم ہو گئی۔ ان ایام میں حضرت عائشہ کی جب طبیعت کچھ سنبھلی تو وہ اپنی سہیلی (جو حضرت مسطح کی والدہ تھیں) کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے جنگل گئیں راستہ میں سہیلی نے اس قصہ سے حضرت عائشہ کو آگاہ کیا اور مدینہ کے گلی کوچہ میں جو طوفان آیا ہوا تھا اس سے خبردار کیا حضرت عائشہ اس واقعہ سے بڑی متاثر ہوئیں اور کچھ تو اپنی بیماری کی وجہ سے پہلے ہی کمزور تھیں اس واقعہ نے طبیعت پر بہت بڑا اثر ڈالا۔ بخار اور شدت کے ساتھ چڑھ آیا۔ گھر میں آکر لیٹ گئیں۔ آنسوؤں کا ایسا دریا بہہ رہا تھا جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکان پر تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے اپنے میکے جانے کی اجازت چاہی آپ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ حضرت عائشہ اپنے گھر پہونچ گئیں اور اپنی والدہ سے مل کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ اماں جان نے تسلی دی۔ اطمینان دلایا مگر جو دل صدمہ سے پاش پاش ہو چکا تھا اس کو کچھ ڈھارس نہ بندھی اپنے میکہ پہنچکر ایک دن دو رات مسلسل رونے گذری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا "اے عائشہ اگر تم پاکدامن ہو تو حق تعالیٰ یقیناً تمہارا بے قصور ہونا ثابت کر دیگا اور اگر تم سے غلطی ہو گئی تو توبہ کر لو حق تعالیٰ معاف کر دے گا حضرت عائشہ نے

اپنے ابا جان حضرت ابو بکر سے کہا کہ اس بات کا جواب دو۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا مجھے کیا معلوم ؟ میں کیا جواب دوں۔ حضرت عائشہ نے اپنی اماں جان سے درخواست کی کہ تم حضور کی بات کا جواب دو۔ مگر انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔ اس پر حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں ایک نو عمر بچی تھی۔ قرآن پاک بھی اچھی طرح یاد نہیں تھا۔ میں نے کہا کہ میرے متعلق جو بہتان ہے وہ چونکہ تمہارے دل میں بیٹھ گیا۔ اس لئے اگر میں اپنی صفائی بھی پیش کروں گی تو تم میں سے کسی کو یقین نہیں آئے گا۔ اب سوائے اس کے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ کی طرح یہ کہہ دوں فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون یعنی صبر ہی کرنا بہتر ہے اور تمہاری بنی بنائی باتوں پر اللہ ہی سے مدد لینی چاہیئے رنج وغصہ اور جوش کے ملے جلے جذبات کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام بھی یاد نہ رہا اور "یوسف کے باپ" سے تعبیر فرمایا۔ یہ فرما کر شدت رنج سے آنسو بھی خشک ہو گئے

یہ بات چیت چل ہی رہی تھی سارا گھرانہ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا اتنے میں آپ پر وحی کے آثار شروع ہوئے (کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہ کی شانِ بے نیازی سے اس سلسلہ میں ایک ماہ تک وحی نازل نہ ہوئی تھی اس ایک ماہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ پر کیا کچھ گذری ہوگی) پیشانی مبارک پر پسینہ آگیا جو وحی آنے کی ایک بڑی علامت تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور سورۂ نور کی اٹھارہ آیات نازل ہوئیں ان آیات میں حضرت عائشہ کا بری ہونا، پاک ہونا، عفت مآب

ہونا بڑے زور شور سے بتلایا گیا تھا۔ جب وحی کے آثار ختم ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا عائشہ تمہاری برأت کا پروانہ آگیا جس پر حضرت عائشہ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے ممبر پر جا کر ایک وعظ فرمایا اور قرآن کی یہ آیات (جو حضرت عائشہ کی برأت کے لئے نازل ہوئی تھیں) مجمع کو سنائیں اور شریعت کے حکم کے مطابق جھوٹی تہمت لگانے والوں کو اسّی اسّی کوڑے مارے گئے۔

غزوۂ خندق اسی سال ہوا اور چونکہ یہ لڑائی حضرات صحابہ کرام اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھود کر لڑی تھی۔ اس لئے غزوۂ خندق ہی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خندق حضرت سلمان فارسی کے مشورے سے کھودی گئی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت کا مشہور واقعہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ کھانے میں برکت اور وسعت کا اسی کھدائی کے دوران پیش آیا۔ وہ یہ کہ خندق کھودنے کے موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت جابر بھی مصروف عمل تھے۔ حضرت جابر نے جب دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا ہے تو چپکے سے اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فاقہ ہے اور پیٹ سے پتھر بندھا ہوا ہے۔ اس لئے جو کچھ گھر میں ہو اس کو تیار کر لو۔ چنانچہ فوراً ایک پلی ہوئی بکری کے گلے پر چھری پھیری گئی اور جَو کا آٹا جو تین سیر سے کچھ زائد تھا گوندھا گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر حضرت جابر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے تھوڑا سا کھانا آپ کے لئے تیار

کرایا ہے ۔ جناب کے ہمراہ ایک دو ساتھی بھی چلیں۔ آپ نے دریافت فرمایا
کہ اس کھانے کی مقدار کتنی ہے انھوں نے مقدار بھی بتلادی۔ آپ نے فرمایا
عمدہ ہے اور بہت ہے ۔ یہ فرماکر تمام اہل خندق سے فرمایا کہ جابر نے تمہاری
دعوت کی ہے سب چلو اور حضرت جابر سے فرمایا کہ میرے آنے تک ہانڈی چولہے
پر سے مت اُتارنا اور میرے آنے تک روٹی نہ پکائی جائے ۔ نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم سب کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے ۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں
لپک کر اپنے گھر پہنچا اور بیوی سے کہا کہ حضور تو پورے لشکر کو ساتھ لے کر
آرہے ہیں وہ پریشان ہوکر کہنے لگیں کہ مجھے سب کے سامنے شرمندگی ہوگی۔
کیونکہ کھانا بہت تھوڑا ہے پھر کہنے لگیں کیا حضور نے کھانے کی مقدار دریافت
کرلی تھی ؟ حضرت جابر نے فرمایا کہ ہاں حضور کو اس کھانے کی مقدار بتلادی
گئی تھی ۔ اس پر ان کی اہلیہ مطمئن ہوگئیں کہ اب کوئی فکر کی بات نہیں۔

تھوڑی دیر بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابر کے یہاں پہنچے ۔
سالن اور آٹے پر دم کیا اور فرمایا ۔ پکانے والی کو بلاؤ ۔ روٹی تیار ہوتی رہی
اور صحابہ کرام کو پیالوں میں کھلانا شروع کیا گیا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا بھیڑ
مت کرنا اطمینان سے کھانا ۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ ایک ہزار مہمان اطمینان سے
فارغ ہوگئے اور کھانا بچ رہا ۔ یہ بچا ہوا کھانا حضورؐ کے حکم سے حضرت جابر
کے گھر والوں اور اُن کے پڑوسیوں نے کھایا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس
قسم کے معجزات کھانے میں برکت اور پانی وغیرہ میں وسعت کے بکثرت ہیں ۔

۶ھ ۔ سورج گہن اور نماز کسوف کی مشروعیت اسی سال ہوئی ۔
حضرات صحابہ کرام کو کامل چھ سال ایسے گزر گئے کہ اس میں نہ ہی انھوں نے خانہ کعبہ کی زیارت کی ۔ حج کیا اور نہ ہی اپنے وطن اصلی مکہ مکرمہ کو دیکھ سکے ۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ مکہ معظمہ جاکر خانہ کعبہ کی زیارت کریں ۔ حج و طواف کریں ۔ اسی دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ہمراہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا یہ خواب سُن کر تمام صحابہ زیارت خانہ کعبہ کے لئے تیار ہو گئے ۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ایک جم غفیر کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہو گئے مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر ذوالحلیفہ میں پہلا پڑاؤ ہوا ۔ وہاں پہونچ کر آپ نے بسر بن ابی سفیان کو اہل مکہ کے حالات کی خبر لانے کے لئے بھیجا جو تحقیق واقعہ کے بعد آپ سے عسفان میں ملے اور بتلایا کہ کفار مکہ لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں ۔ تاکہ یہ حضرات مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہو سکیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عسفان ہی میں صحابہ سے فرمایا کہ خالد بن ولید وادی غمیم میں تمہارے حالات کی خبر لینے کے لئے آئے ہیں لہذا اپنا راستہ بدل دو اور فرمایا کوئی ہے جو کسی دوسرے راستہ سے ہم کو لیجائے ۔ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی نے فرمایا " میں لیجاؤں گا " چنانچہ وہ آپ کو مع صحابہ کے نہایت دشوار گذار گھاٹیوں میں کو لے کر چلے ۔ آپ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سب نستغفر اللہ ونتوب الیہ (ہم اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں) پڑھیں صحابہ نے ان کلمات کو دہرایا ۔ آپ نے فرمایا یہ کلمات بنی اسرائیل پر

پیش کئے گئے تھے مگر انھوں نے نہیں پڑھے ۔ اس کے بعد آپ نے داہنی طرف سے چلنے کا حکم فرمایا ۔ اسی موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ ایک صورت یہ ہے کہ جو لوگ باہر سے مکہ گئے ہوئے ہیں ان کے مکانوں پر حملہ کیا جائے تاکہ وہ یہ خبر سنکر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سیدھے مکہ چلیں ۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ اس وقت آپ بیت اللہ کے ارادہ سے آئے ہیں ۔ لڑائی کا ارادہ نہیں ہے اس لئے آگے بڑھیں ۔ اگر وہ ہمیں روکیں گے تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے ورنہ نہیں ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تجویز پسند فرمائی اور آگے بڑھ کر منزل منزل حدیبیہ پہنچے ۔ وہاں پہونچ کر بدیل بن ورقا ایک جماعت کے ساتھ آئے اور کہنے لگے کہ مکہ والے آپ سے مقابلہ کی تیاری کر رہے ہیں اور وہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے ۔ یہ سُن کر آپ نے انھی (بدیل بن ورقا) کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ ہمارا مقصد لڑنا جھگڑنا ہرگز نہیں ہے ہم تو صرف خانہ کعبہ کا طواف اور اس کی زیارت کے لئے آئے ہیں لہذا ہمیں عمرہ کرنے سے نہ روکو ۔ مگر کفار نے نہ مانا ۔ آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مستقل سفیر بنا کر بھیجا تاکہ وہ سرداران مکہ سے گفتگو فرما کر مصالحت کر لیں مگر قریش نے اپنی ضد نہ چھوڑی اور صاف کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تو ہم اتنے جان میں جان ہے مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے ہاں اگر تمہارا جی چاہے تو تم طواف وعمرہ کر سکتے ہو ۔ مگر حضرت عثمان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر عمرہ اور طواف سے انکار کر دیا ۔ یہ بات چیت کافی دیر تک ہوتی رہی اس لئے مسلمان

متفکر ہوئے۔ ادھر لشکر اسلام میں حضرت عثمان کے شہید ہو جانے کی خبر پھیل گئی جس سے سب کو تفکر ہوا خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس خبر سے غمگین تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر تمام صحابہ سے اس پر عہد و پیمان لئے کہ جب تک دم میں دم ہے کافروں سے لڑیں گے۔ اس بعیت کا نام بیعت الرضوان ہے۔ جب کافروں نے اس بعیت کا قصہ سُنا تو بوکھلا گئے اور ایک قاصد کو بھیجکر مصالحت کی گفتگو شروع کر دی۔ آپ نے ان کی ہر شرط کو قبول فرمایا اگرچہ ان میں سے بعض شرطیں اتنی سخت تھیں کہ مسلمان ان کو کسی بھی طرح ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ اسی کے ساتھ کفار مکہ نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی بھی خوب دکھلائی جس کی ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ صلحنامہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھے جانے پر اُنھوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے۔ لہٰذا قومی دستور کے مطابق بسمک اللھم لکھو۔ مسلمانوں کی طرف سے بسم اللہ لکھنے پر اصرار تھا۔ مگر آپ نے کفار کی یہ بات بھی منظور فرمالی۔ معاہدہ کی ابتدا ان الفاظ سے تھی۔ ھٰذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ۔ یعنی یہ وہ تحریر ہے جس پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاہدہ ہوا ہے اس پر سہیل (جو کفار کی طرف سے معاہدہ لکھ رہے تھے) بولے اگر ہم تمہیں رسول اللہ مان لیتے تو یہ جھگڑا ہی کیوں ہوتا۔ ہم ہرگز رسول اللہ تم کو نہیں لکھنے دیں گے بلکہ محمد بن عبد اللہ لکھو۔ آپ نے فرمایا بخدا میں اللہ کا رسول ہوں چاہے تم جتنا جھٹلاؤ۔ یہ فرما کر کاتب معاہدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا اے علی لفظ رسول اللہ کاٹ کر محمد بن عبد اللہ لکھدو۔ حضرت علی رض

نے فرمایا میں آپ کا نام مبارک نہیں کاٹ سکتا۔ چنانچہ آپ نے خود اس جملہ کو کاٹ کر اس کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھدیا۔ الغرض صلح نامہ مرتب ہونے تک یہ اسی طرح جھگڑتے رہے۔ آخر کار صلح نامہ مرتب ہوا۔ جس میں منجملہ دیگر شرائط کے یہ شرطیں بھی تھیں۔

(۱) اس سال مسلمان بلا عمرہ کئے ہوئے واپس چلے جائیں اور آئیندہ سال صرف تین دن کے لئے آئیں (۲) دس سال تک لڑائی بالکل موقوف کردی جائے (۳) قریش کا کوئی بھی آدمی اگر مسلمان ہوکر مدینہ پہنچ جائے تو اسے فوراً واپس کر دیا جائے۔ (۴) اگر کوئی مسلمان مکہ آجائے تو ہم اس کو مدینہ منورہ واپس نہ بھیجیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام شرطیں صرف یک طرفہ تھیں تمام صحابہ کرام خصوصاً حضرت عمر کو ان شرائط پر بڑا طیش آرہا تھا چنانچہ حضرت عمر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نبی نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ عرض کیا ہم حق پر اور یہ کفار باطل پر نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ عرض کیا پھر ہم اپنے دین کے بارے میں اتنی ذلت کیوں برداشت کریں؟ فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور وہ میرا مددگار ہے میں اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ عرض کیا آپ نے ہم سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم مکہ جاکر طواف کریں گے؟ فرمایا ضرور کیا تھا۔ مگر میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔ عرض کیا ہاں یہ تو نہیں فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا عمر میں اب بھی یہ کہتا ہوں کہ تو مکہ جائے گا طواف کرے گا۔ حضرت عمر یہاں سے فارغ ہوکر حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے اور یہی گفتگو وہاں جاکر کی۔ حضرت ابوبکر

کے بھی وہی جوابات لفظ بلفظ تھے جو حضور نے کہے۔ آخر میں حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ او آدمی یہ اللہ کے رسول ہیں ان کی رکاب کو مضبوط پکڑو۔

اس قسم کے واقعات کی بنا پر یہ ناکارہ اپنے اسباق ہیں کہا کرتا تھا کہ حضرت ابوبکر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت اتحادی حاصل تھی[1]

اس صلح نامہ کی تکمیل فریقین کے دستخطوں کے ساتھ مکمل کرلی گئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مع حضرات صحابہ کرام کے بغیر طواف وعمرہ کئے واپس تشریف لائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خواب بیشک سچا خواب تھا۔ جس کی تعبیر پوری ہوئی۔ لیکن چونکہ خود خواب میں وقت اور سال کی تعیین نہیں کی گئی تھی اس لئے نہ ہی اس خواب کا اس مرتبہ پورا ہونا ضروری تھا اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب پر کوئی حرف آسکتا ہے۔ اس صلح کے موقعہ پر بہت سے واقعات پیش آئے۔ لیکن دو واقعے بطور خاص تحریر کرتا ہوں جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے معاہدہ کو نبھانا اور صحابہ کرام کی جانفروشی اچھی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

حضرت ابوجندل جو اسلام لانے کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کر رہے تھے اور زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اسی حالت میں گرتے پڑتے مسلمانوں کے لشکر میں اس امید پر پہنچے کہ ان لوگوں کی حمایت میں جاکر اس مصیبت سے چھٹکارا پاؤں گا۔ ان کے باپ سہیل نے جو اس

---

[1] اس مضمون کا اضافہ کتاب کی طباعت کے وقت ہوا ہے

صلح نامہ میں کفار کی طرف سے وکیل تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اُنھوں نے صاحبزادے کے طمانچے مارے اور واپس لے جانے پر اصرار کیا حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی صلح نامہ مرتب بھی نہیں ہوا۔ اس لئے ابھی پابندی کس بات کی۔ مگر اُنھوں نے اصرار کیا، پھر حضورؐ نے فرمایا کہ ایک آدمی مجھے مانگا ہی دیدو مگر وہ لوگ ضد پر تھے نہ مانے۔ ابوجندلؓ نے مسلمانوں کو پکار کر فریاد بھی کی کہ میں مسلمان ہو کر آیا اور کتنی مصیبتیں اُٹھا چکا اب واپس کیا جا رہا ہوں۔ اُس وقت مسلمانوں کے دلوں پر جو گذر رہی ہوگی اللہ ہی کو معلوم ہے۔ مگر حضورؐ کے ارشاد سے واپس ہوئے۔ حضورؐ نے تسلی فرمائی اور صبر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ عنقریب حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے لئے راستہ نکالیں گے صلح نامہ کے مکمل ہو جانے کے بعد ایک دوسرے صحابی ابوبصیرؓ بھی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔ کفار نے اُن کو واپس بُلانے کے لئے دو آدمی بھیجے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب وعدہ واپس فرمادیا۔ ابوبصیرؓ نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہؐ میں مسلمان ہو کر آیا آپ مجھے کفار کے پنجہ میں پھر بھیجتے ہیں۔ آپؐ نے ان سے بھی صبر کرنے کو ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ عنقریب تمہارے واسطے راستہ کھلیگا۔ یہ صحابی ان دونوں کافروں کے ساتھ واپس ہوئے۔ راستہ میں ان میں سے ایک سے کہنے لگے کہ یار تیری یہ تلوار تو بڑی نفیس معلوم ہوتی ہے۔ شیخی باز آدمی ذرا اسی بات میں پھول ہی جاتا ہے وہ نیام سے نکال کر کہنے لگا کہ ہاں میں نے بہت سے لوگوں پر اس کا تجربہ کیا۔ یہ کہکر تلوار اُن کے حوالہ کر دی۔ اُنھوں نے اسی پر اس کا تجربہ کیا۔ دوسرا ساتھی یہ

دیکھ کر کہ ایک تو نمٹا دیا اب میرا نمبر ہے، بھاگا ہوا مدینہ آیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی مر چکا ہے اب میرا نمبر ہے۔ اس کے بعد ابو بصیرؓ پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ اپنا وعدہ پورا فرما چکے کہ مجھے واپس کر دیا اور مجھ سے کوئی عہد ان لوگوں کا نہیں ہے جس کی ذمہ داری ہو، وہ مجھے میرے دین سے ہٹاتے ہیں اس لئے میں نے یہ کیا حضورؐ نے فرمایا کہ لڑائی بھڑکانے والا ہے۔ کاش کوئی اس کا معین مددگار ہوتا۔ وہ اس کلام سے سمجھ گئے کہ اب بھی اگر کوئی میری طلب میں آئیگا تو میں واپس کر دیا جاؤں گا۔ اس لئے وہ وہاں سے چل کر سمندر کے کنارے ایک جگہ آ پڑے۔ مکہ والوں کو اس قصہ کا حال معلوم ہوا۔ تو ابو جندلؓ بھی جن کا قصہ پہلے گذرا۔ چھپ کر وہیں پہونچ گئے اسی طرح جو شخص مسلمان ہوتا وہ اُن کے ساتھ جا ملتا۔ چند روز میں یہ ایک مختصر سی جماعت ہو گئی، جنگل میں جہاں نہ کھانے کا کوئی انتظام نہ وہاں باغات اور آبادیاں۔ اس لئے ان لوگوں پر جو گذری ہو گی وہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے مگر جن ظالموں کے ظلم سے پریشان ہو کر یہ لوگ بھاگتے تھے ان کا ناطقہ بند کر دیا جو قافلہ ادھر کو جاتا اس سے مقابلہ کرتے اور لڑتے۔ حتّٰی کہ کفار مکہ نے پریشان ہو کر حضورؐ کی خدمت میں عاجزی اور منت کر کے اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دیکر آدمی بھیجا کہ اس بے سری جماعت کو آپ اپنے پاس بلالیں کہ یہ معاہدہ میں تو داخل ہو جائیں اور ہمارے لئے آنے جانے کا راستہ کھلے۔ لکھا ہے کہ حضورؐ کا اجازت نامہ جب ان حضرات کے پاس پہنچا ہے تو ابو بصیرؓ مرض الموت میں گرفتار تھے۔ حضورؐ کا والا نامہ ہاتھ

ہیں تھا کہ اسی حالت میں انتقال فرمایا۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ)

سنہ ۷ھ۔ جو یہودی مدینہ سے جلاوطن کئے گئے تھے وہ خیبر میں آباد ہو گئے تھے لیکن یہاں پہونچ کر بھی وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں لگے رہتے تھے اور کفار کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے واسطے اُبھارتے رہتے تھے۔ چنانچہ ان کی سرکشی کو ختم کرنے کے لئے غزوۂ خیبر اسی سال ہوا جس میں ۲۰ یا ۲۱ محرم الحرام کو ایک ہزار چار سو مسلح صحابہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی میں خیبر کی جانب کوچ کیا اور خوب کھل کر لڑائی ہوئی جب تمام قلعے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے تو یہود نے اپنی جانوں سے مایوس ہو کر مسلمانوں کے ماتحت رہنے کی درخواست کی اور کہا کہ تم لوگ کھیتی باڑی سے واقف نہیں ہو اور ہم لوگ اس سے واقف ہیں، لہٰذا اگر تم اپنی ماتحتی میں ہمیں بطور مضاربت کے رکھ لو تو احسان ہوگا۔ رحمت اللعالمین نے ان کی یہ درخواست قبول کرلی اور اس طرح ان کی جانوں کو امان مل گئی۔

حضرت صفیہ جو حیی بن اخطب کی بیٹی اور حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں اسی غزوۂ خیبر میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرما کر اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ اسی سال متعہ کی حرمت نازل ہوئی۔ نیز گدھے کا گوشت اور تمام درندوں کا گوشت حرام کر دیا گیا۔ حضرت عائشہ کی والدہ حضرت ام رومان کا انتقال بھی اسی سال ہوا۔

سال گذشتہ (سنہ ۶ھ) کے صلح نامہ کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیس ۲۱ سو صحابہ کے ہمراہ عمرہ قضا پورا کرنے کی نیت سے مکہ معظمہ کا رُخ کیا

اور وعدہ کے مطابق تین دن قیام فرما کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے اسی سفر میں مکہ مکرمہ جاتے ہوئے حضرت میمونہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا۔ آپ کا ارادہ مکہ ہی میں رہ کر رخصتی اور دعوت ولیمہ کا تھا تاکہ کفار مکہ بھی اس میں مدعو ہوں۔ مگر ان بدنصیبوں نے اس دعوت عظمیٰ کی بھی قدر نہ کی اور صاف انکار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ ہمیں تمہاری دعوت کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔ اور واپسی میں موضع سَرِف میں رخصتی ہوئی۔ اور اسی جگہ ولیمہ ہوا۔

قدرت کے کرشمے ہیں کہ جس جگہ نکاح ہوا اسی جگہ واپسی میں رخصتی ہوئی اور جس مقام پر رخصتی کا خیمہ لگا ہوا تھا ٹھیک اسی جگہ پر ۵۱ھ میں انتقال فرمایا۔ اسی سال خیبر کی صلح کے بعد ایک یہودیہ نے بکری کا گوشت پکا کر اس میں زہر ملایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیۃً بھیجا۔ آپ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے اس کو قبول فرمایا۔ اور نوش فرمانا شروع کیا۔ لقمہ منہ میں رکھا ہی تھا کہ حق تعالیٰ نے اس گوشت کو قوت گویائی مرحمت فرمائی۔ اس نے کہا یا رسول اللہ مجھ کو نہ کھائیے میرے اندر زہر ملایا گیا ہے۔ آپؐ نے لقمہ فوراً ڈال دیا اور صحابہ سے صورت حال بیان کی۔ آپ کے علاوہ ایک صحابی نے بھی اس زہر آلود گوشت میں سے کچھ کھایا تھا اس لئے وہ جانبر نہ ہو سکے اور انتقال کر گئے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس زہر آلود گوشت کا اثر عمر بھر رہا اور وصال کے وقت اس کی سمیت نے زور دکھلایا۔ چنانچہ مرض وفات میں آپ نے فرمایا، اے عائشہ غزوۂ خیبر میں جو گوشت کھایا تھا اس کا اثر میں اب تک اپنے بدن

میں پا رہا ہوں اور اس وقت میں اپنی رگِ جان کو اس زہر کی وجہ سے کٹتا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔

یہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں سے ہے کہ آپ کو شہادت کا درجہ بھی عطا فرما دیا گیا۔

۸ ھ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم (جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے) اسی سال پیدا ہوئے۔

صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس سال جمادی الاولیٰ کے مہینہ میں عیسائیوں کی ایک بہت بڑی فوج سے جہاد کیا جو غزوۂ موتہ[1] کے نام سے مشہور ہے۔ یہ غزوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قاصد حضرت حارث بن عمیر کو شہید کر دینے کی وجہ سے پیش آیا۔ دشمن کی فوج ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی اور مسلمان صرف تین ہزار تھے کوئی بھی تناسب نہ تھا۔ اس لئے مسلمان یک گونہ پریشان تھے بعض حضرات کا خیال تھا کہ چندے انتظار کر کے مدینہ منورہ سے مزید فوج طلب کی جائے مگر صحابہ کی اکثریت نے تاخیر نامناسب سمجھتے ہوئے خدا کی مدد اور نصرتوں کو دل میں جما کر لڑنے کا فیصلہ فرما لیا۔ اس لڑائی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت زید کو مرحمت فرمایا اور فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر کو امیر بنا لینا اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ کو امیر لشکر

---

[1] موتہ ایک مقام کا نام ہے جو ملک شام میں ہے۔

بنا لینا اور اگر یہ بھی شہید ہو جائیں تو موقعہ پر مسلمان جس کو بھی چاہیں امیر بنالیں۔ ایک یہودی آپ کی یہ گفتگو سُن رہا تھا۔ کہنے لگا یہ تینوں حضرات تو یقیناً شہید ہوں گے۔ کیونکہ پہلے زمانے کے انبیاء بھی جب اس قسم کی گفتگو فرماتے تھے تو اس کا مطلب یہی ہوتا تھا کہ یہ چیز ضرور واقع ہو گی۔ چنانچہ یہ سارے حضرات شہید ہوئے اور جھنڈا حضرت خالد بن ولید کے پاس آ گیا۔ بس پھر کیا تھا رومی فوج میں ایک زلزلہ آ گیا۔ حضرت خالد نے اس لڑائی میں نو تلواریں یکے بعد دیگرے بدلیں۔ کیونکہ ہر تلوار کشت و خون کی کثرت کی وجہ سے ناقابل استعمال ہو گئی تھی۔ بالآخر روم کی فوج نے شکست کھائی اور اسلامی لشکر خیر و عافیت کے ساتھ واپس مدینہ منورہ لوٹ آیا۔ اس لڑائی میں صرف بارہ ۱۲ مسلمان شہید ہوئے۔

جب سے مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تھی اس وقت سے لے کر اب تک اس میں کوئی منبر نہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہموار زمین پر کھڑے ہو کر ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے تمام سامعین تک آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اسی سال ایک انصاریہ عورت نے درخواست کی کہ میرا غلام نجار اس کام کو بہت اچھے طریقہ سے کر سکتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو ایک منبر بنواؤں۔ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب کی رائے یہی ہوئی کہ بنوا لیا جائے ضرورت کی چیز ہے۔ چنانچہ آپ کی اجازت مل جانے پر انصاریہ نے اپنے غلام میمون سے منبر بنوایا جس کی لکڑی غابہ[1]

[1] یہ مدینہ منورہ سے نو میل کے فاصلہ پر ایک مشہور جگہ ہے۔

مقام سے لائی گئی تھی۔ منبر تیار ہونے پر جب آپ سابق جگہ سے منتقل ہو کر منبر پر تشریف لائے تو وہ کھجور کا تنا (جس پر آپ منبر بننے سے پہلے سہارا لگایا کرتے تھے) جُدائی کی تاب نہ لاسکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کی یہ گریہ وزاری دیکھ کر آپ منبر سے تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اس پر رکھا اس وقت وہ تنا ایسی بُری طرح ہچکیاں لے کر رو رہا تھا جیسے بچہ اپنی ماں کی گود میں پہنچکر ہچکیاں لیتا ہے۔

صاحب احیاء نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عمرؓ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ ایک کھجور کا تنا جس پر آپ سہارا لگا کر منبر بننے سے پہلے خطبہ پڑھا کرتے تھے پھر جب منبر بن گیا اور آپ اس پر تشریف لے گئے تو وہ کھجور کا تنا آپ کے فراق میں رونے لگا یہاں تک کہ آپؐ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا اس سے اس کو سکون ہوا۔ یا رسول اللہ آپ کی اُمت آپ کے فراق سے رونے کی زیادہ مستحق ہے بہ نسبت اس تنے کے۔

۱۰ رمضان المبارک کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ فتح کرنے کی نیت سے تشریف لے چلے۔ راستہ میں دو ہزار آدمی مزید فوج میں داخل ہوئے۔ اب گویا اس لشکر کی مجموعی تعداد بارہ ہزار تھی۔ ابوسفیان بدیل بن ورقاء، حکیم بن حزام خفیہ حالات معلوم کرنے کی غرض سے اسلامی لشکر میں آئے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو گرفتار کر کے دربار نبوی میں پہنچا دیا۔ ان تینوں نے وہاں پہنچکر ایک بار پھر حلم، صبر، عفو کا منظر دیکھا۔

طبیعت پر بیحد اثر ہوا اور حق تعالیٰ شانہٗ نے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۸ رمضان کو دن چڑھے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے آپ اس وقت ایک سانڈنی پر سوار تھے زبان پر سورہ فتح کی آیات تھیں تواضع اور انکساری کی وجہ سے گردن بارگاہ الٰہی میں جھکی ہوئی تھی اور آپ گویا سراپا شکر بن کر مکہ میں داخل ہو رہے تھے۔ اسی سال غزوہ حنین پیش آیا۔ واقعہ کی اجمالی تاریخ یہ ہے کہ قبیلہ ہوازن و ثقیف کے بہادروں نے یہ سوچ کر کہ ہم پر حضور حملہ کریں بہتر یہ ہے کہ ہم ہی آپ پر حملہ کر دیں۔ حنین میں جمع ہوئے اور حملہ کے تمام اسباب مہیا کرنے شروع کر دیئے۔ آپ کو جب اس تیاری کی خبر ملی تو دس ہزار اصل لشکر اور دو ہزار طلقائے مکہ کل بارہ ہزار کی جمعیت کو اپنے ہمراہ لے کر ۶ شوال ۸ھ میں حنین کے لئے روانہ ہوئے۔

بارہ ہزار کا یہ لشکر اپنی تکثیر جماعت اور کثرت تعداد پر ناز کرتے ہوئے مکہ سے باہر نکلا۔ بعض مسلمانوں کو اپنی کثرت پر اعتماد اور گھمنڈ پیدا ہوا۔ جس کو حق تعالیٰ کی بے نیاز ذات نے پسند نہ فرمایا۔ اس لئے ابتداءً ہزیمت ہوئی اور لشکر اسلام میں انتشار اور خلفشار پیدا ہو گیا۔ بالآخر اللہ جل شانہٗ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس منتشر مجمع کو پھر جمع کر دیا۔ پھر حضرات صحابہ کرام جم کر لڑے اور کامیابی حاصل کرنے کے بعد طائف کی جانب کوچ فرمایا اور اٹھارہ روز تک اس کا محاصرہ فرمایا اور اعلان فرما دیا کہ جو شخص قلعہ سے باہر نکل جائے وہ آزاد ہے۔ اس اعلان کو سن کر دس

سے کچھ زائد آدمی قلعہ کی دیوار پھاند کر باہر نکل آئے۔ کیونکہ مشرکین نے قلعہ کا دروازہ اندر سے بند کر رکھا تھا۔ اٹھارہ روز بعد آپ واپس تشریف لائے۔ اور راستہ میں جعرانہ سے احرام باندھ کر ۲۴ ذیقعدہ کو عمرہ فرماتے ہوئے مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

۹ھ۔ اس سال غزوۂ تبوک ہوا۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا۔ ۵ رجب روز پنجشنبہ کو آپ مدینہ طیبہ سے چلے تاکہ ہرقل (روم کا بادشاہ) اور جنگ موتہ کے ہارے ہوئے عیسائیوں کا زور توڑ دیں اور اُن کا ارادہ جو مدینہ طیبہ پر چڑھائی کا ہے اس کو ختم کر دیں۔ یہ زمانہ سخت گرمی کا تھا مسلمان تنگدست بھی تھے اور غریب بھی۔ اس لئے بڑی کثرت سے صحابہ کے درمیان چندہ ہوا۔ عورتوں نے اپنے بدن کے زیورات اُتار کر دیدیئے۔ اسلامی فوج بیس ہزار کے قریب تھی لیکن رومیوں پر اس کا بڑا اثر ہوا اور بیحد رُعب پڑا۔ ان لوگوں نے صلح کی درخواست کی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صُلح فرما کر ان کو امن بخشا۔ اور بیس روز وہاں قیام فرما کر مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ حافظ ابن حجر کے قول کے مطابق یہ واپسی شروع رمضان میں ہوئی۔ صاحب مجمع نے دو ماہ قیام فرمانا لکھا ہے اور بعض مورخین نے بیس دن اقرب یہی ہے کہ وہاں کا قیام بیس یوم کا تھا اور پورا سفر دو ماہ میں ہوا۔ سفر سے واپس ہوتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ضرار کو آگ لگوا دی۔ یہ دراصل نام کی مسجد تھی جسے منافقین نے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کے لئے بنائی تھی

اس سال پہلی مرتبہ اسلامی حج ادا کیا گیا اور حضرت ابوبکر صدیق کی ماتحتی میں تین سو مسلمانوں کا دستہ انتظام وانصرام کی غرض سے روانہ ہوا اور ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذریعہ حج کے موقعہ پر کفار سے برات کا اعلان کرایا گیا جو سورۂ برأت میں مذکور ہے۔

اسی سال ماہ ذیقعدہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین کا انتقال ہوا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبعی رحم وکرم اور فطری شرافت ونجابت کی بنا پر اس کو اپنا کرتہ مرحمت فرمایا اور تجہیز وتکفین میں شریک ہوئے۔ یہاں تک کہ جنازہ کی نماز پڑھانے کی غرض سے آگے بھی بڑھ گئے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جوش آگیا۔ اور آپ کی چادر مبارک پکڑ لی۔ اور نماز پڑھانے سے منع کیا اور عرض کیا کہ آپ ایک ایسے منافق کی نماز جنازہ پڑھاتے ہیں جس کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں۔ استغفر لھم اولا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم الآیۃ یعنی آپ چاہے منافقین کیلئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں خدا ان کو نہیں بخشے گا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رافت اور رحمۃ اللعالمین ذات نے جواب دیا کہ خدا نے مجھے استغفار سے منع نہیں کیا اور اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے سے ان کی مغفرت ہوگی تو میں زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمر یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ جس پر آیت شریفہ ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ الآیۃ نازل ہوئی اور ہمیشہ کے لئے حضور کو اور آپ کے توسط سے آپ

کی اُمت کو کسی کافر کی نماز جنازہ اور اس میں شرکت سے قطعی طور پر منع کر دیا گیا۔ شاہ حبشہ نجاشی کا انتقال بھی اسی سال ہوا جس کی اطلاع بذریعہ وحی دی گئی۔ آپ نے صحابہ کو جمع فرما کر اُن کی نماز جنازہ غائبانہ طور پر پڑھی

(ف) حنفیہ کے نزدیک حضور کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غائبانہ نماز پڑھنا انہی کے ساتھ مخصوص تھا۔ تفصیل کے لئے مراجعت کر لی جائے۔ اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا انتقال ہوا۔

سنہ ۱۰ھ۔ یہ سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا سال ہے حجۃ الوداع کا ترجمہ ہے رخصتی حج۔ کیونکہ اس حج کے تین ماہ بعد آپ انتقال فرما گئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پچیس ۲۵ ذیقعدہ بروز شنبہ بعد ظہر مدینہ منورہ سے چل کر چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوئے۔ ایک لاکھ سے زائد صحابہ آپ کے ہم رکاب تھے۔ حج کے موقعہ پر آپ نے کئی تقریریں فرمائیں سب کا حاصل یہی تھا کہ مسئلے مسائل اچھی طرح یاد کر لو بہت ممکن ہے کہ آئندہ میں اور تم یہاں اکٹھے نہ ہو سکیں۔

چنانچہ فرمایا کہ تمہارا خون تمہارا مال تمہاری عزت یہ ساری چیزیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کے دن اس شہر مکہ میں اور اس مہینہ میں حرام سمجھتے ہو۔

فرمایا۔ عنقریب (مرنے کے بعد) تم سب کو خدا کے دربار میں حاضر ہونا ہے یاد رکھو وہاں تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال ہوگا۔ فرمایا زمانہ جاہلیت

کے تمام طور و طریق پیروں سے کچل دیئے گئے۔ فرمایا زمانۂ جاہلیت کے خونوں کا مطالبہ آئندہ نہ کیا جاوے۔ فرمایا جس قدر سودی روپیہ لوگوں کے ذمہ تھا وہ سب معاف ہے اور آئندہ کے لئے بھی بالکل معاف کر دیا گیا۔ فرمایا میرے بعد کفر نہ اختیار کر لینا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹتے پھرنے لگو۔ فرمایا کتاب اللہ کے موافق جو تم پر حکومت کرے اس کی فرمانبرداری کرنا۔ تمام عبادتیں نماز، روزہ، اور وہ لوگ جن کو تم امیر بناؤ ان کی اطاعت کرتے رہنا۔ فرمایا عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرنا ان کے حقوق پورے پورے ادا کرتے رہنا۔ فرمایا میں دو چیزیں تم میں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید۔ دوسرے میرا طریقہ۔ یہ تمام باتیں ارشاد فرما کر آپؐ نے فرمایا کہ لوگو قیامت کے دن تم سے میرے متعلق سوال ہوگا تو کیا جواب دو گے۔ سب نے عرض کیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے اللہ کے تمام احکامات ہم تک پہنچا دیئے اس کے بعد آپ نے آسمان کی جانب انگلی اٹھاتے ہوئے فرمایا۔ اے اللہ تو گواہ رہنا۔ اے خدا گواہ رہ۔ قربانی کے موقعہ پر آپ نے سو اونٹوں کی قربانی کی۔ اس طرح سے کہ ترسیٹھ اونٹ خود اپنے دست مبارک سے ذبح کئے۔ جن میں سے سات اونٹ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر قربان ہونے کے لئے امنڈ کر آئے جس کی ترجمانی اس شعر سے بخوبی ہوتی ہے [1]

داغ جاتے تو ہیں مقتل میں پر اول سب سے
دیکھئے وار کرے وہ شرف آرا کس پر

[1] اصل شعر میں لفظ ستم آرا ہے مگر یہ بندہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کے نامناسب معلوم ہوا اس لئے شعر میں تغیر کر دیا گیا۔ (زکریا)

اور سینتیس[۳۷] اونٹ علی کرم اللہ وجہہ نے ذبح کئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا مقصد جب پورا ہوگیا اور دین اسلام ہر جگہ پھیل گیا اس کے ماننے والے ہر جگہ ہو گئے تو حق تعالیٰ شانہٗ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلانے کا ارادہ فرمایا۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اسی حج کے دوران اذا جاء نصر اللہ والفتح الایۃ نازل ہوئی جس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرب وصال کا اندازہ فرمالیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک موقعہ پر مشائخ مکہ سے اس سورت کے شانِ نزول کو امتحاناً دریافت کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس نے یہی جواب دیا کہ اس میں آپؐ کے قرب وصال کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا میرا بھی یہی خیال ہے اس کے علاوہ اور بھی بعض قرائن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کے قریب اختتام کی اطلاع ہو چکی تھی۔ چنانچہ صحابہ کے مجمع میں ایک روز آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ چاہے تو وہ دنیا میں رہ لے یا خدا کے یہاں رہنا پسند کرلے۔ سو اس بندے نے خدا کے یہاں رہنا ہی پسند کرلیا۔ اس جملہ سے آپ کا مقصد اپنے انتقال کے قرب کو بتلانا تھا جسے حضرت ابوبکر صدیق فوراً سمجھ گئے اور رو کر عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر کی ذہانت اور بات کی تہہ تک پہنچ جانے سے آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں کسی انسان کو اگر دوست بناتا تو وہ ابوبکر ہوتے۔ لیکن ابوبکر میرے دینی بھائی ہیں۔ یہ فرما کر آپ نے حکم دیا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے مکان کی کھڑکی

کے علاوہ باقی تمام کھڑکیاں جو مسجد کی طرف کھلتی ہیں بند کر دی جائیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس حکم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اولاً آپ کے سر میں درد شروع ہوا پھر بخار بڑی شدت کے ساتھ چڑھ گیا۔ اس دوران آپ کا قیام حضرت میمونہ کے گھر میں تھا۔ آپ حضرت میمونہ اور دوسری بیویوں سے اجازت لے کر حضرت عائشہ کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ ان ایام میں بھی نمازوں کی ادائیگی کے لئے مسجد میں تشریف لاتے رہے لیکن جب مسجد میں آنے سے تکلیف ہونے لگی تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق سے کہلوایا کہ وہ امامت کریں۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ابوبکر بڑے رقیق القلب ہیں آپ کی جگہ خالی نہ دیکھ پائیں گے۔ لہٰذا یہ خدمت حضرت عمر کے سپرد کر دیجئے کہ وہ قوی القلب ہیں۔ حضرت حفصہ نے بھی اس کی تائید کی جس پر آپ نے دونوں کو ڈانٹا اور فرمایا اللہ اور مسلمان ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو قبول نہیں کریں گے لہٰذا ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے آپ کی حیات میں سترہ وقت کی نماز پڑھائی۔ ان میں ایک نماز کے وقت حضور نے مرض میں کچھ غفلت محسوس فرمائی اور تشریف لا کر حضرت ابوبکر کی برابر میں بیٹھے۔ بندہ کے خیال میں یہ شنبہ کے دن ظہر کی نماز کا وقت تھا۔ اس دوران آپ کو معلوم ہوا کہ انصار و مہاجرین آپ کے فراق میں رو رہے اور کہہ رہے ہیں کہ ہمیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجلس یاد آتی ہے۔ آپ بھلا روحانی باپ ہو کر کیسے ان

کے رنج وغم میں رہنا گوارا کر سکتے تھے اس لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت فضل بن عباسؓ کے کاندھوں پر سہارا دیکر تشریف لائے کیونکہ ضعف وتکلیف کی وجہ سے خود چلنا مشکل تھا۔ مسجد میں تشریف لاکر منبر کی پہلی سیڑھی پر رونق افروز ہوئے اور ایک مختصر سا وعظ فرمایا۔ جس میں آپ نے صحابہ کرام کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔ فرمایا میں نے سُنا ہے کہ تم اپنے نبی کی موت کے تصور سے گھبرا رہے ہو کیا کبھی کوئی نبی یا رسول ہمیشہ ہمیشہ دُنیا میں رہا ہے۔ جو میں بھی ہمیشہ رہوں۔ یقیناً میں اب خدا سے ملنے والا ہوں اور تم بھی تھوڑی سی مدت کے بعد مجھ سے آملو گے۔ یاد رکھو! میں پہلے جا رہا ہوں اور تم میرے سے بعد میں آکر ملو گے اور تم سے اب حوض کوثر پر ملاقات ہوگی۔ دیکھو جو مجھ سے حوض کوثر پر ملاقات کرنا چاہے اس کو چاہیئے کہ اپنا ہاتھ اور اپنی زبان غلط جگہ پر استعمال نہ کرے۔ دیکھو اگر آدمی اچھے ہوتے ہیں تو ان کا بادشاہ بھی اچھا ہوتا ہے اور اگر آدمی بُرے ہوتے ہیں تو ان کا بادشاہ بھی بُرا ہوتا ہے۔ میں انصار کو مہاجرین سے اور مہاجرین کو انصار سے اچھے برتاؤ اور نیک سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔

یہ فرما کر آپ پھر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد پھر ایک مرتبہ آپ نے صبح کی نماز میں حجرہ شریفہ کا پردہ اُٹھا کر صحابہ کرام کو آخری مرتبہ ملاحظہ فرمایا۔ جسے دیکھ کر حضرات صحابہ کرام از خود رفتہ ہو گئے۔ قریب تھا کہ یہ حضرت نماز ہی میں آپ کی طرف متوجہ ہو جائیں مگر آپ نے ان کو اشارہ سے منع فرما دیا اور حجرہ شریفہ کا پردہ گرا دیا۔ یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول کا ہے اسی روز

حضرت عائشہ نے دیکھا کہ نگاہیں آسمان کی جانب متوجہ ہیں اور زبان مبارک پر اللھم الرفیق الاعلی جاری ہے (یعنی اے اللہ اے بہترین رفیق) سمجھ گئیں کہ انتقال کا وقت قریب ہے چنانچہ تھوڑی دیر بعد آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

انتقال کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی ۔ صحابہ کرام جن کے قلوب آپ کی محبت اور مودت سے لبریز تھے ان کو اس حادثہ کا یقین ہی نہ آتا تھا ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا بہادر اور مضبوط دل کا آدمی بھی اس حادثہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور تلوار کھینچکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آپ کا وصال ہو گیا میں اس کی گردن اُڑا دوں گا ۔ اس موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق کا وجود ہی ایسا تھا جو تمام صحابہ کو دلاسا دیئے ہوئے تھا یہ منظر دیکھ کر آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور تقریر فرمائی ۔ صحابہ کرام کو اس حادثہ پر تسلی دیتے ہوئے فرمایا ۔ لوگو! جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو وہ سمجھ لے کہ آپ کا وصال ہو گیا اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہو تو اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اس کے بعد آیت کریمہ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الآیۃ دلیل کے طور پر صحابہ کو سنائی اس تقریر کے بعد صحابہ کو آپ کی وفات کا یقین ہو گیا اس کے بعد آپ کو غسل دیکر جنازہ حضرت عائشہ ہی کے حجرہ میں رکھ دیا گیا ۔ صحابہ گروہ در گروہ ہو کر آتے رہے اور نماز پڑھتے رہے راجح قول کے موافق شب چہار شنبہ میں اسی حجرہ شریفہ کو آپ کی آخری آرام گاہ بنا دیا گیا ۔ صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ

الہ واصحابہ وازواجہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا"

متفرق واقعات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اس رسالہ کا موضوع نہیں ہیں۔ بلکہ اس رسالہ کے مناسب وہ واقعات ہیں جو ریاضات ومجاہدات غیروں کی ایذارسانی اور آپ کے صبر وتحمل پر مشتمل ہیں۔ لیکن چونکہ ان غزوات سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدات کفار ومخالفین کے ساتھ رافت و شفقت نمایاں طور پر معلوم ہوتی ہے اس لئے ان کو مجملاً ذکر کر دیا گیا اب آخر میں تکملہ کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر وفاقہ، آپ کے زہد، آپ کی عُسرت وتنگی کے چند واقعات خصائل نبوی اُردو ترجمہ شمائل ترمذی سے نقل کرتا ہوں۔

(۱) حضرت قیلہ کہتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ پر دو پُرانی لنگیاں تھیں۔ اس حدیث میں ایک طویل قصہ بھی ہے جس کو امام ترمذی نے اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا۔ مشہور روایۃ میں اتنا اور بھی ہے کہ آپ اس پُرانے لباس میں غریبانہ نشست کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ایک کھجور کی ٹہنی آپ کے دستِ مبارک میں تھی۔ ایک شخص آئے اور آپ کی یہ فقیرانہ ہیئت دیکھ کر رُعب کی وجہ سے کانپنے لگے۔ ارشاد فرمایا سکون اختیار کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تھا کہ ان کا تمام خوف جاتا رہا۔

حضورؐ کا پرانی دو چادریں پہننا تواضع کے وجہ سے تھا اسی وجہ سے صوفیاء نے شکستگی کی حالت کو اختیار کیا ہے کہ یہ تواضع کی طرف لیجانے والی ہے اور تکبر سے دور کرنے والی ہے۔

(۲) مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ روٹی سے شکم سیری فرمائی اور نہ گوشت سے مگر کسی مہمان کی آمد پر اس لئے کہ آپ کا کھانے سے ہاتھ روک لینا سارے ہی مہمانوں کو ہاتھ روکنے اور بھوکا اٹھ جانے پر مجبور کر دیا کرتا تھا۔

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تم لوگوں پر فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دنیا اس طرح پھیل جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیل گئی تھی اور تم اس میں اسی طرح دل لگانے لگو جس طرح ان لوگوں نے دل لگایا اور یہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے جیسا کہ ان کو ہلاک کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک جگہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ محمد کی اولاد کی روزی بقدر کفایت تجویز فرما۔

(۴) حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ کیا تم لوگ کھانے پینے میں اپنی مرضی کے موافق منہمک نہیں ہو (اور جتنا دل چاہے تم لوگ نہیں کھاتے ہو) حالانکہ میں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ کے یہاں ردی کھجوریں بھی بقدر کفایت نہیں ہوتی تھیں۔

(۵) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال کے یہاں ایک ایک ماہ تک آگ نہیں جلتی تھی صرف کھجور اور پانی

پر گذارا تھا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ دو مہینے کامل گذر جانے کے بعد تیسرے مہینے کا چاند نظر آجاتا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ جلانے کی نوبت نہ آتی تھی۔ آگ نہ جلنے کا مطلب یہ کہ ہے کہ پکانے کے لئے کوئی چیز ہوتی ہی نہ تھی جس کے لئے آگ جلانے کی ضرورت ہوتی۔ علماء نے لکھا ہے کہ باوجود خیبر اور حنین وغیرہ کی غنیمتوں کے۔ آپ کا یہ سارا فقروفاقہ شروع زندگی سے آخیر زندگی تک رہا ہے۔

(۶) ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق نے بکری کی ایک ٹانگ بھیجی، رات کا وقت تھا حضرت عائشہ اس کے اندھیرے ہی میں ٹکڑے کرنے لگیں۔ کسی نے کہا کہ گھر میں چراغ نہیں ہے فرمایا اگر چراغ میں جلانے کے لئے تیل ہوتا تو اس کو کھانے میں ہی استعمال نہ کر لیتی۔

(۷) حضرت ابوطلحہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر دکھلائے کہ شدت بھوک کی وجہ سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے دکھلائے کہ آپ کو شدت بھوک ہم سے زیادہ تھی اور ہم سے زیادہ وقت بغیر کچھ کھائے گذر چکا تھا۔

(۸) ایک مرتبہ آپ بے وقت باہر تشریف لائے اس وقت نہ تو حضور کی عادت شریفہ باہر آنے کی تھی اور نہ کوئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوتا تھا۔ حضور کی تشریف آوری پر حضرت ابوبکر حاضر ہوئے۔ حضور نے خلاف معمول آنے کا سبب پوچھا۔ عرض کیا کہ جمال جہاں آراء کی زیارت

اور سلام کے لئے حاضر ہوا ہوں (یہ حضرت ابوبکر کے کمال تناسب کی وجہ سے تھا کہ حضور کو اگر خلاف عادت باہر تشریف آوری کی نوبت آئی تو اس یک جان دو قالب پر بھی اس کا اثر ہوا۔ بندہ کے نزدیک یہی بڑی وجہ ہے دور نبوی کے ساتھ خلافت صدیقیہ کے اتصال کی) تھوڑی دیر بعد حضرت عمر آئے آپ نے ان سے بھی بیوقت آنے کا سبب پوچھا انھوں نے بھوک کی شدت کا ذکر کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو مجھے بھی محسوس ہو رہی ہے (ان دونوں حضرات کے جوابات میں بھی فرق مراتب کا اظہار ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے بھوک کی شدت کا علاج حضور کی زیارت کو سمجھا ؎

یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کے صدمے ظالم
بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کر صورت تیری

علماء نے لکھا ہے کہ اس موقعہ پر حضرت ابوبکر نے اپنی بھوک کا اظہار اس وجہ سے نہیں کیا کہ مبادا حضور کو کلفت ہو۔ کیونکہ دوست کی تکلیف اپنی تکلیف پر غالب ہو جاتی ہے) اس کے بعد یہ تینوں حضرات حضرت ابوالہیثم انصاری کے مکان پر گئے جو اہل ثروت لوگوں میں تھے اور عشاق میں سے تھے۔ وہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ گھر والوں کے لئے پانی لینے گئے ہیں جو خادم نہ ہونے کی وجہ سے خود ہی لانا پڑتا تھا تھوڑی دیر گذری تھی کہ وہ بھی واپس آ گئے اور حضور کی زیارت سے مشرف ہو کر اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنے لگے اور زبان حال سے ؎

ہم نشیں جب مرے ایام بھلے آئیں گے
بن بلائے مرے گھر آپ چلے آئیں گے

بڑھتے ہوئے آپ کو لیٹ گئے اور باغ میں چلنے کی درخواست کی۔ وہاں پہنچکر فرش بچھایا اور مہمانوں کو بٹھلا کر ایک خوشہ جس میں کچی پکی اور گدری کھجوریں تھیں لاکر سامنے رکھ دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا پکی پکی کیوں نہ چھانٹ لیں۔ عرض کیا کہ ہر شخص اپنی حسب رغبت نوش کرے۔ ان حضرات نے کھجوریں نوش فرماکر پانی پیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر لحظہ چونکہ تعلیم اُمت کے لئے وقف تھا اس لئے آپ نے کھجوریں اور پانی پینے کے بعد فرمایا۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ بھی اس نعیم میں داخل ہے جس کا قیامت میں حساب ہوگا کہ ہماری نعمتوں کا کس درجہ شکر ادا کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اس آیت شریفہ کی طرف تھا ولتسئلن یومئذ عن النعیم۔

(۹) حضرت سعد فرماتے ہیں کہ ہم لوگ (صحابہ کرام) ابتدار اسلام میں ایسی حالت میں جہاد کیا کرتے تھے کہ ہمارے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز نہ ہوتی تھی۔ درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں کھایا کرتے تھے جس کی وجہ سے ہمارے جبڑے زخمی ہوگئے تھے اور پتے کھانے کی وجہ سے پاخانہ میں بھی اونٹ اور بکریوں کی طرح مینگنیاں نکلا کرتی تھیں۔

(۱۰) حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کیا تھا۔ فرمایا ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے حضور کے نیچے بچھا دیا کرتی تھی۔ ایک روز مجھے خیال آیا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھادوں تو زیادہ نرم ہوجائے۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے صبح کو فرمایا کہ رات کیا بچھا دیا تھا۔ عرض کیا وہی ٹاٹ تھا اس کو چوہرا کر دیا تھا۔ فرمایا اسے

ویسا ہی رہنے دو جیسا پہلے تھا اس کی نرمی رات کو اٹھنے نہیں دیتی۔

(۱۱) ام سلیم فرماتی ہیں کہ حضور نے ان سے کہا کہ صبر سے کام لو۔ خدا کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھرانے میں سات دن سے کوئی چیز نہیں ہے اور تین دن سے تو ہانڈی کے نیچے آگ بھی نہیں جلی۔ اور خدا کی قسم اگر میں اللہ تعالےٰ سے سوال کروں کہ تہامہ کے سارے پہاڑوں کو سونا بنا دے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ضرور بنا دیں گے۔

عبادت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حرکت و سکون عبادت ہے ہر قول و فعل کمال عبدیت کا مظہر اور ہر کلام و خاموشی ذکر و فکر ہے۔ لیکن بطور مثال کے یہاں پر چند واقعات آپ کی عبادت کے بھی نقل کیے جاتے ہیں۔

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر لمبی نفلیں پڑھتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک ورم کر گئے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کے اول و آخر سب گناہ بخش دیئے ہیں؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ نے مجھ پر اتنا انعام فرمایا ہے تو کیا میں اس کا شکر نہ ادا کروں۔

(فائدہ) سائل کی غرض بظاہر یہ تھی کہ عبادت کی کثرت گناہوں کے لئے کفارہ ہوتی ہے تو جب کہ آپ بے گناہ ہیں تو پھر اس درجہ مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جو جواب دیا اس کا مطلب

یہ ہے کہ عبادت کی یہی ایک غرض نہیں ہوتی کہ اس کے ذریعہ سے گناہ معاف ہو جائیں بلکہ اور بھی بہت سی غرضیں ہوتی ہیں اب جب کہ اللہ جل شانہٗ نے میرے سارے گناہ معاف فرما دیئے تو اس وقت عبادت کی غرض اس کا شکر ادا کرنا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ عبادت کبھی جنت وغیرہ کی رغبت سے کی جاتی ہے یہ تاجروں کی عبادت ہے کہ عبادت سے خریداری مقصود ہے یہاں قیمت ادا کی جا رہی ہے وہاں آخرت میں مال مل جائے گا اور کبھی عبادت خوف کی وجہ سے ہوتی ہے یہ غلاموں کی عبادت ہے کہ ڈنڈے کے خوف سے کام کرتے ہیں جیسا کہ نوکروں کا عام دستور ہوا کرتا ہے اور ایک وہ عبادت ہے جو بلا رغبت و بلا خوف محض اللہ کے انعامات کے شکر میں ہو یہ احرار کی عبادت ہے۔

حضرت عطا کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ سے عرض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی عجیب ترین بات سنائیں انھوں نے ارشاد فرمایا کہ حضور کی کونسی بات ایسی تھی کہ جو عجیب ترین نہ تھی اس کے بعد فرمایا۔ ایک رات کا قصہ ہے کہ سونے کے لئے مکان پر تشریف لائے اور میرے پاس میرے لحاف میں لیٹ گئے تھوڑی دیر کے بعد فرمایا چھوڑ دیں تو اپنے ربّ کی عبادت کروں یہ فرما کر کھڑے ہو گئے۔ وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی اور رونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سینۂ مبارک تک آنسو بہہ کر آنے لگے اس کے بعد رکوع کیا اس میں بھی روتے رہے پھر سجدہ کیا اس میں بھی روتے رہے پھر سجدہ سے اٹھے اور روتے رہے غرض صبح تک یہی کیفیت رہی حتیٰ کہ حضرت

بلال صبح کی نماز کے لئے بلانے آگئے۔ میں نے عرض کیا حضور آپ اس قدر کیوں روئے؟ جبکہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے۔ فرمایا تو کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اس کے بعد ارشاد فرمایا میں ایسا کیوں نہ کرتا حالانکہ آج مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ان فی خلق السموٰت سورۂ آل عمران کے آخر رکوع کی آیۃ تلاوت فرمائی۔

علماء نے لکھا کہ جاگنے کے بعد تھوڑا سا قرآن شریف پڑھ لینا چاہیئے کہ اس سے نشاط پیدا ہوتا ہے اور ان آیات کا پڑھنا مستحب ہے۔

گریہ وزاری

حضرت عبداللہ بن شیخر فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف سناؤ میں نے عرض کیا کہ حضور آپ ہی پر تو نازل ہوا ہے اور آپ ہی کو سناؤں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تیرے سے سنوں (مشائخ حضور نے سنانے کے لئے اس لئے فرمایا ہو کہ سننے میں غور و تدبر پڑھنے سے زیادہ ہوتا ہے) میں نے امتثال حکم میں سنانا شروع کیا اور سورۂ نساء (جو

چوتھے سیپارے کے پونے سے شروع ہوتی ہے) پڑھنی شروع کی، جب میں اس آیت پر پہنچا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ھؤلا شہیدا۔ تو میں نے حضورؐ کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا کہ دونوں آنکھیں گریہ کی وجہ سے بہہ رہی تھیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ آدمی کا رونا چند وجوہ سے ہوتا ہے کبھی رحمت اور مہربانی کی وجہ سے ہوتا ہے کبھی غلبہ خوشی سے ہوتا ہے کبھی کسی درد وغیرہ کی تکلیف کی وجہ سے اور کبھی رنج کی وجہ سے ہوتا ہے کبھی کسی کے ظلم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ایک رونا توبہ کا ہوتا ہے جو کسی گناہ کے صادر ہو جانے سے آتا ہے۔ ایک رونا نفاق کا کہلاتا ہے جو کسی دوسرے کے دکھلانے کی وجہ سے نماز وغیرہ میں خشوع خضوع ظاہر کرنے کے طور پر رویا جاتے ایک رونا مانگے کا کہلاتا ہے جیسے کسی کے مردہ کو بلا مزدوری لئے رویا جائے۔ ایک رونا مزدوری کا رونا کہلاتا ہے جیسا کہ کسی میت کے گھر مزدوری لے کر رویا جائے جیسا کہ بعض جگہ دستور ہے۔ ایک موافقت کا رونا کہلاتا ہے وہ یہ کہ کسی کو روتا ہوا دیکھ کر رونا آجائے وغیرہ وغیرہ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا اکثر اُمت پر شفقت و رحمت یا اُمت پر خوف یا اللہ کا ڈر یا اس کے اشتیاق سے ہوتا تھا۔

میں نے اپنے سب اکابر کو نماز اور ذکر کے دوران روتے ہوئے خوب دیکھا مگر ہچکیاں لے کر روتے ہوئے دو بزرگوں کو دیکھنے کی نوبت بکثرت آئی ایک اپنے والد صاحب کو دوسرے حضرت اقدس شیخ الاسلام کو۔

حضرت مدنی ہندی کے دوہے پڑھا کرتے تھے اور میرے والد صاحب عربی کے اشعار۔ بعض مرتبہ ان دونوں کی ہچکیوں کی وجہ سے میری آنکھ کھل جایا کرتی تھی۔ سُنا ہے کہ امام ربانی قدس سرہٗ بھی ظہر کے بعد جب حجرہ شریفہ میں پہونچکر ذکر کرتے یا قرآن پاک پڑھتے تو گریہ وزاری کی آواز حجرہ کے باہر تک آیا کرتی تھی۔

خُلفائے راشدین

ترتیب رسالہ کا مقتضا یہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تذکرہ شروع کیا جاتا کیونکہ سلسلہ چشتیہ میں حضور کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم مبارک ہی مشہور سلسلہ ہے لیکن چونکہ خلفائے راشدین کا تذکرہ بھی حقیقتًا حضور ہی کے تذکرہ کا تتمہ ہے اور بعض مشائخ کے نزدیک تو مصدر طریقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کمالات وترقیات میں بھی حضرات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بڑا دخل ہے۔ اس کے علاوہ سلاسل اربعہ میں خلفائے راشدین کا واسطہ بھی طرق میں منقول ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بطور ضمیمہ کے مختصر تذکرہ ہرسہ حضرات کا اجمالاً لکھ کر پھر رسالہ اپنی ترتیب پر شروع کیا جائے

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضور کی جانشینی

ہر جز و کل میں حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق ہوئی۔ مہاجرین و انصار کی بعیت سے آپ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائے۔ ہر چند کہ آیات قرآنیہ اس طرف اشارہ کرتی ہیں اور احادیث میں اس کی تصریح نیز یابی اللہ والمومنون الا ابابکر (یعنی اللہ اور مومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو قبول نہ کریں گے) گویا تصریح تھی۔ اس کے علاوہ سب سے اہم یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق کا قلب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کے بالکل موافق تھا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے (کما فی الامع ص۲۵۲) اور بہت سے واقعات اس تناسب پر شاہد عدل ہیں۔ مثلاً ابوالہثیم کی دعوت اور حضرت عمر کا واقعہ جو چند صفحات پہلے گذر چکا۔ غزوہ حابیبہ میں حضرت عمر کے سوالات کے جو جوابات حضرت ابوبکر نے دیئے وہ بعینہ وہی تھے جو حضور نے دیئے تھے۔ حالانکہ ایک کو دوسرے کے جوابات کی خبر بھی نہیں تھی۔ اساری بدر کے قصے میں حضرت ابوبکر کی رائے بعینہ وہی تھی جو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر صدیق کے وہی اوصاف بیان کئے تھے جو حضرت خدیجہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائے تھے۔ لیکن حضرت صدیق اکبر کی خلافت کا استقرار وصال نبوی کے بعد بعیت عامہ سے ہوا۔

آپ کا اسم گرامی مشہور قول کے موافق عبداللہ اور زمانہ جاہلیت کا نام عبدالکعبہ ہے۔ بعض لوگوں نے آپ کا اسم گرامی عتیق بتلایا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ عتیق آپ کا لقب ہے اور نسب عبداللہ بن ابی قحافہ

بن عامر بن عمرو بن کعب بن تمیم بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی التیمی ہے۔ مرہ بن کعب پر جا کر آپ کا نسب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا ملتا ہے۔ آپ کے والد ابو قحافہ کا نام عثمان ہے جو ۸ھ میں نوے ۹۰ سال کی عمر میں اسلام لائے۔

حضرت ابوبکر مختلف القاب کے ساتھ ملقب کئے گئے ہیں حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ گھر کے لوگوں نے آپ کا نام عبداللہ رکھا تھا مگر عتیق کا لقب آپ پر غالب ہو گیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ کا لقب عتیق کیوں ہوا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ آپ کے چہرہ کے حسن وخوبی کی وجہ سے اور بعض کا قول ہے کہ آپ کے سابق الی الخیر ہونے کی بناء پر اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کے نسب کی عمدگی اور صفائی کی وجہ سے کہ اس میں کہیں انگشت نمائی کی جگہ نہیں ترمذی شریف کی روایت ہے کہ جہنم سے خلاصی کا پروانہ ملنے کی وجہ سے عتیق کے ساتھ ملقب ہوئے۔

آپ کا مشہور لقب صدیق ہے اس میں اختلاف ہے کہ اس لقب کے ساتھ آپ کب ملقب ہوئے بعض لوگوں سے منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت ہی سے آپ اس مبارک لقب کے ساتھ مشہور ہو چکے تھے کیونکہ ہمیشہ سے سچ بولنے کی عادت تھی۔ مشہور قول یہ ہے کہ شب معراج میں حضور نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ لوگ اس واقعہ (معراج) کی تصدیق کس طرح کریں گے تو انھوں نے عرض کیا کہ ابوبکر اس کی تصدیق کریں گے کیونکہ وہ صدیق ہیں۔ تاریخ الخلفاء میں مستدرک کی روایت سے نزال بن سبرہ سے نقل ہے کہ ہم نے

حضرت علی سے حضرت ابوبکر کے بارے میں دریافت کیا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ وہ ایسا شخص ہے جس کا اللہ نے جبرئیل علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے صدیق نام رکھا نماز کی امامت میں وہ حضور کے نائب تھے تو جس شخص کو حضور نے ہمارے دین (یعنی نماز) کے لیے امام بنانا پسند کیا اس کو ہم نے اپنی دُنیا (خلافت) کے لئے بھی پسند کر لیا، طبرانی نے حکیم بن سعید سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر قسم کھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا نام آسمان سے صدیق اُتارا۔

قبول اسلام

حضرت ابوبکر صدیق سب سے اول اسلام لانے والوں میں ہیں اور جب مسلمان ہونے کے لئے دربار نبوی میں پہنچے تو کوئی معجزہ بھی طلب نہ کیا۔ صرف بعثت کے متعلق سوال کیا اور اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے جس شخص کو بھی اسلام کی دعوت دی اس میں ایک قسم کا تردد اور لچک ضرور دیکھی مگر جس وقت ابوبکر پر میں نے اسلام پیش کیا وہ بے جھجک مسلمان ہو گئے۔

شروع شروع میں صحابہ کرام کفار کے ظلم و تشدد کی وجہ سے اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے لیکن جب مسلمان تعداد میں اُنتالیس (۳۹) ہو گئے تو حضرت ابوبکر نے کھُلم کھلا تبلیغ کی اجازت چاہی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار کے بعد یہ درخواست منظور فرمالی۔ حضرت ابوبکر صحابہ کی مختصر سی جماعت کے ہمراہ بیت اللہ میں گئے اور جا کر خطبہ دیا۔ یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں

پڑھا گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق کی شرافت و عظمت کافروں کے نزدیک بھی مسلم تھی۔ مگر اس خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ لوگوں نے اس قدر مارا کہ تمام چہرہ خون سے سُرخ ہو گیا۔ ناک کان وغیرہ سب زخمی ہو گئے۔ پہچاننا مشکل ہو گیا۔ جوتوں، ٹھوکروں اور لاتوں سے مارا اس کے علاوہ وہ سب کچھ کر گذرے جو ان کے بس میں تھا شدت تکلیف سے حضرت ابو بکر بے ہوش ہو گئے۔ قبیلہ کے لوگ اُٹھا کر گھر لائے شام کو ہوش آیا۔ ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے زبان سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے۔ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے!" اس جملہ کو سُنکر تیمار دار اُٹھ کر چلدیئے کہ جن کے ساتھ رہنے کی بدولت یہ مصیبت آئی ان کے لئے اب بھی یہ اتنا جذبہ رکھتے ہیں۔ اُم خیر (جو حضرت ابو بکر کی والدہ ہیں) نے کھانے پینے کے لئے اصرار کیا مگر حضرت ابو بکر صدیق نے قسم کھائی کہ جب تک حضور کی زیارت نہ کر لوں گا نہ پیوں گا۔ جب لوگوں کی آمدورفت کم ہو گئی تو رات کا بڑا حصّہ گذر جاتے پر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے خود بھی خوب روئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خوب رُلایا۔ صحابہ بھی خوب روئے۔ اسی مجلس میں حضرت ابو بکرؓ ....

نے اپنی والدہ کی ہدایت کے لیے دُعا کی درخواست کی۔ آپ نے دُعا فرمائی اور ترغیب دی۔ چنانچہ یہ اسی مجلس میں اسلام لے آئیں۔ حضرت صدیق اکبر کے حالات ان کی سوانح ان کے فضائل خواہ کتنے ہی مختصر لکھے جائیں پھر بھی اس کے لئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ لہذا ان چند صفحات میں آپ کی کسی ایک نوع کی فضیلت کا احصار کیسے ممکن ہے۔ سب سے پہلے اسلام قبول کرنا یہی آپ کے کمالات کا ایک اہم مسئلہ ہے جو کافی تفصیل چاہتا ہے۔ اس کے بعد ہجرت حبشہ کا ارادہ فرمانا اور اس کے لئے تیار ہو کر روانہ ہو جانا (جس کا قصہ یہ ہوا تھا کہ حضرت ابو بکر ہجرت حبشہ کی نیت سے چل پڑے تھے راستہ میں ابن دغنہ سے ملاقات ہوئی جو حضرت ابو بکر کو یہ کہہ کر واپس لے آئے کہ تم جیسا آدمی نہ نکالا جا سکتا ہے نہ نکل سکتا ہے، کیونکہ تم ناداروں کی کمائی کا ذریعہ بنتے ہو۔ صلہ رحمی کرتے ہو۔ لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہو مہمان نوازی کرتے ہو۔ معاملات میں اعانت کرتے ہو۔

ہجرت مدینہ اور نبوی رفاقت جس میں اللہ جل و علا کی معیت کا پروانہ نبوی زبان پاک سے ملا اور اللہ کے پاک کلام نے اس کی خبر دیکر تصدیق فرما دی۔ جس ذات کے ساتھ معیت خداوندی قطعی نص کے ساتھ ثابت ہو چکی ہو اس کی کونسی فضیلت باقی رہ گئی جس پر کوئی قلم اٹھائے اور کونسا درجۂ تقرب ہے جس کو کوئی بیان کرے۔ قرآن پاک کی آیت ثانی اثنین اذ هما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان اللہ معنا کے ہر ہر جملہ اور حرف میں حضرت ابو بکر صدیق کی علو شان، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ خصوصی تعلق مودت محبت کے سارے ہی واضح اشارات موجود ہیں۔

سورۃ واللیل میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تعریف و توصیف بیان فرمائی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بشارت بھی ملی کہ حضرت صدیق یہ سب کچھ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کرتے ہیں اور یہ بھی بشارت ملی کہ (عنقریب) جنت میں وہ خوش و خرم ہو جائیں گے۔ منتہائے سلوک تقرب الٰہی اور معیت مع اللہ ہے جس کا قطعی پروانہ ابتداء ہجرت میں آپ کو مل چکا تھا اور اس کے بعد دس برس تک سفر و حضر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت، وزارت نیابت، اور مصاحبت نے جن کمالات اور مراتب پر پہنچایا ہوگا اس کو چودھویں صدی کا ایک ناپاک لکھنے والا کیا لکھ سکتا ہے اور نہ صرف یہ بلکہ اخلاق، اوصاف، ہمت و شجاعت جس میں ارتداد کے موقعہ پر حضرت عمرؓ جیسے تمام دنیا کے مسلم شجاع کو آپ نے اجبار فی الجاہلیۃ وخوار فی الاسلام زمانہ جاہلیت میں اتنے زبردست اور اب اتنے بزدل کا طعنہ دیدیا۔

نیز علم و عمل، سخاوت و فیاضی، تقویٰ و پرہیزگاری، حلم و بردباری، تواضع و انکساری، ذکاوت بیداری، تعبیر رؤیا کی مہارت اور انساب کی کمال واقفیت، فصاحت و بلاغت جن کے متعلق حضرت فاروق اکبر کا فیصلہ کافی شہادت ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھ سے جو شخص بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نقل کرتا میں اس کو (احتیاطاً) قسم دیا کرتا تھا مگر ابوبکرؓ کو قسم نہیں دیتا تھا۔ (کہ وہ اس سے بالاتر تھے) غرض کونسا کمال کونسا جوہر کونسی خوبی ایسی تھی کہ اس رسول اللہ کے سچے جانشین حقیقی نائب اور اوّل خلیفہ میں

علی وجہ الاتم نہ تھی۔

ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اگر تمام مخلوقات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں پڑھا جا سکتا ہے تو انبیاء کے بعد آپ کے اس جانشین کی بھی صفت ہے۔

اس سب کے بعد آپ کی کثرت عبادت، جوش ایمانی جو ثمرہ چشتیہ ہے اس کا کیا رنگ تھا یہ دکھلانے کے لئے چند واقعات ذکر کرتا ہوں۔

ابن عساکر نے ابن سیرینؒ سے نقل کیا ہے کہ عبد الرحمٰن بن ابی بکر جنگ بدر میں کفار کے ساتھ ہو کر شریک جنگ ہوتے تھے کیونکہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد ایک مرتبہ اپنے باپ حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ جنگِ بدر میں آپ میرے سامنے آگئے تھے مگر میں باپ ہونے کے احترام میں رُخ بدل کر چلدیا۔ فرمایا کہ اگر تو میرے سامنے آجاتا تو میں نہ ہٹتا یعنی اللہ کے راستہ میں تیری پرواہ نہ کرتا اور تجھ پر حملہ کر دیتا۔

آپ ابتدأ تاجر تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسلام لانے کے وقت آپ کے پاس چالیس ہزار دینار تھے اور بعض روایات میں ہے کہ چالیس ہزار درہم تھے۔ لیکن اسلام اور اہل اسلام کی معاونت میں خرچ کرتے رہے حتٰی کہ ایک وقت وہ آیا جس کے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ چندہ فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ نے وہ سب کچھ لا کر خدمت میں پیش کر دیا جو گھر میں تھا اور حضور کے اس سوال پر کہ گھر میں کیا چھوڑا۔ فرمایا اللہ اور اس کے رسول کو۔ حضرت عمرؓ جن کو اکثر اس کی رغبت رہا کرتی تھی کہ میں کسی دن

ابوبکر پر سبقت لے جاؤں۔ اس دن بہت کچھ لائے اور حضور کے اس فرمانے پر کہ گھر میں کیا چھوڑا۔ فرمایا کہ جو موجود تھا نصف لے آیا اور نصف گھر چھوڑ دیا۔ پہلے سے حضرت عمر کو خیال تھا کہ اگر کسی دن سبقت لے جانا ممکن ہے تو آج ہو سکتا ہے لیکن جب حضرت ابوبکر کا جواب سُنا تو سمجھ لیا کہ ان سے سبقت لے جانا ممکن نہیں۔ یہی وہ وجوہ تھیں جن کی بناء پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا بھی مجھ پر احسان ہے میں نے اس کا بدلہ دیدیا مگر ابوبکر کہ ان کے احسان کا بدلہ باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ ہی قیامت کے دن مرحمت فرمائیں گے۔

قوتِ ایمانی

اسماعیلی نے حضرت عمر سے نقل کیا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور عرب میں ارتداد کا واقعہ پیش آیا اور ضعیف الاعتقاد لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تو میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے رسول اللہ کے خلیفہ و جانشین لوگوں کے ساتھ تالیف قلوب سے کام لیجئے اور نرمی کا برتاؤ کیجئے کہ ان پر وحشت غالب ہورہی ہے حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میں تو تیری مدد کا اُمیدوار تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں تو تو بڑا سخت اور متشدد تھا اسلام میں اتنا ضعیف۔ کس چیز سے تالیف قلوب کروں؟ شعر گھڑ کر ان کو سُناؤں یا ان پر کچھ جادو کروں۔ افسوس، افسوس۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ وحی منقطع ہوگئی (کہ احکام میں تغیر ہوسکے) واللہ ان سے جہاد کروں گا۔ اس وقت تک کہ میرے ہاتھ میں تلوار پکڑنے کی طاقت رہے اگر ایسی ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں گے

جس کو یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہوں اور اب مجھے انکار کر دیں تو اس پر بھی قتال کروں گا۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے ابو بکر کو اپنے سے زیادہ پختہ اور پکا پایا اور انھوں نے لوگوں کو ایسے امور کا عادی بنا دیا جس کی وجہ سے مجھے اپنی خلافت کے زمانہ میں بڑی سہولت ملی۔

خلیفۂ وقت کا مشاہرہ

ابن سعد نے عطاء بن السائب سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہو گئے تو صبح کو چند ایک چادریں ہاتھ پر ڈال کر بازار جا رہے تھے۔ حضرت عمر کے اس دریافت فرمانے پر کہ کہاں کا ارادہ ہے (آپ نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں کے کاموں میں مشغول کر دیا گیا ہوں اہل وعیال کے کھلانے کے لئے بازار جاتا ہوں۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ آؤ ابو عبیدہ کے پاس چلیں) جو بیت المال کے خزانچی ہیں) وہ ایک آدمی کے گزارہ کے قابل آپ کے لئے کچھ مقرر کر دیں گے دونوں حضرات ابو عبیدہ کے پاس گئے۔ انھوں نے عرض کیا کہ جو مقدار ایک مہاجر کے اوسط گذراوقات کے لئے مقرر کی جاتی ہے وہی آپ کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ مقدار مقرر کر دی گئی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جو مقدار ان کے لئے مقرر کی گئی تھی وہ کثرت عیال کی وجہ سے کافی نہ ہوئی تو درخواست پر اس میں کچھ اضافہ بھی کیا گیا۔

طبرانی نے حضرت امام حسنؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر نے مرض الموت میں حضرت عائشہ سے فرمایا کہ یہ دودھ دینے والی اونٹنی اور سالن کا پیالہ اور چادر جو امارۃ کی وجہ سے مجھے دی گئی تھی میرے مرنے کے بعد حضرت عمر کے

حوالہ کر دینا۔ چنانچہ انتقال کے بعد یہ تمام چیزیں حضرت عمر کے حوالہ کر دی گئیں اس پر حضرت عمر نے فرمایا۔ ابوبکر! اللہ تم پر رحم کرے کہ تم نے اپنے بعد کے آنے والے خلفاء کو بڑی مشقت میں ڈالدیا (کیونکہ اس قدر احتیاط ہر شخص سے ہونی مشکل ہے)

انتقال

آپ کی پیدائش، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے دو سال اور چند ماہ بعد ہوئی اس لئے کہ اتنی ہی مقدار آپ عمر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھوٹے تھے۔ بعض روایات سے آپ کا عمر میں بڑا ہونا معلوم ہوتا ہے علماء کے نزدیک یہ روایات صحیح نہیں۔ بہرحال جب عمر کی یہ کمی پوری ہوگئی اور آپ کا سن شریف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سن مبارک کے برابر پہنچ گیا تو آپ کا بھی وصال ہوگیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ مرض وفات کی نوعیت کیا تھی اور وہ کیا بیماری تھی جس میں آپ نے انتقال فرمایا۔ حاکم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سے ہی حضرت ابوبکر پر ایک سوز باطنی طاری ہوگیا جس سے بدن گھلتا رہا۔ حتیٰ کہ وصال ہوگیا۔ اور زہری سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر کو ہدیہ کے طور پر دیا گیا تھا جس کو آپ اور حارث بن کلدہ کھا رہے تھے۔ حارث نے عرض کیا کہ اس سے ہاتھ کھینچ لیجئے۔ کیونکہ اس میں ستوی زہر ملایا گیا ہے۔ میں اور آپ ایک ہی دن مریں گے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات سال بھر تک بیمار رہ کر ایک ہی دن میں وصال فرما گئے۔

شعبی کہتے ہیں کہ اس ذلیل دُنیا سے کیا توقع رکھیں کہ حضور پاک صلی اللہ

علیہ وسلم کو بھی زہر دیا گیا اور حضرت ابوبکر کو بھی۔

حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ آپ کے مرض کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ۷ جمادی الثانی دوشنبہ کے روز آپ نے غسل کیا۔ سردی سخت تھی جس سے بخار ہوگیا اور پندرہ روز مسلسل سردی کی وجہ سے شدت سے بخار رہا۔ نماز کے لئے مسجد میں بھی نہ جا سکے اور اکیس ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ھ سہ شنبہ کی شب میں وصال فرمایا۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ سے پوچھا تھا کہ آج کیا دن ہے۔ جب معلوم ہوا کہ دوشنبہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں جب مر جاؤں تو دفن میں دیر نہ لگانا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس وقت پوچھا کہ حضور کا وصال کس دن ہوا تھا۔ عرض کیا گیا کہ دوشنبہ کو۔ اس پر فرمایا کہ مجھے بھی آج رات تک مرنے کی اُمید ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی مدت دو سال تین ماہ نو دن ہے۔

چند متفرق واقعات

(۱) ایک مرتبہ اہلیہ محترمہ نے درخواست کی کہ کوئی میٹھی چیز کھانے کو دل چاہتا ہے۔ فرمایا میرے پاس تو پیسے نہیں ہیں جو خرید کر کھلاؤں اہلیہ نے عرض کیا کہ ہم اپنے روزانہ کے کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا کچھ بچا لیا کریں۔ چند روز میں اتنی مقدار ہو جائے گی۔ حضرت ابوبکر نے اجازت دیدی۔ اہلیہ محترمہ نے کئی دن تک چند پیسے جمع کئے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ تجربہ سے یہ بات

معلوم ہوئی کہ ہمیں بیت المال سے اتنی مقدار زیادہ ملتی ہے۔ یہ فرما کر جتنا اہلیہ نے چند روز میں جمع کیا تھا اس کو بیت المال میں داخل فرما دیا اور آئندہ کے لئے کہلوا دیا کہ میری تنخواہ میں سے اتنے پیسے کم کر دیئے جائیں۔

(۲) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک پرندہ درخت کے سائے میں بیٹھا تھا آپ نے اس کو دیکھ کر ایک ٹھنڈا سانس لیا اور فرمایا۔ مبارک ہو تجھ کو اے پرندے تو درختوں کے پھل کھاتا ہے سائے میں بیٹھتا ہے اور بغیر حساب وکتاب کے قیامت میں نجات پا جائے گا۔ کاش ابو بکر بھی تجھ جیسا ہوتا۔ بسا اوقات فرمایا کرتے تھے کہ اے کاش میں تو کسی مسلمان بندہ کے پہلو میں اس کا بال بن کر رہتا۔ کبھی فرماتے اے کاش میں درخت ہوتا اور مجھے کاٹا جاتا اور پھر کھا لیا جاتا۔ کبھی فرماتے کہ میں تو گھاس ہوتا جس کو جانور کھا لیتے۔

(۳) اصمعی فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر کی تعریف وتوصیف کی جاتی تو فرماتے اے اللہ تو مجھ سے زیادہ میرا حال جانتا ہے اور میں اپنا حال ان تعریف کرنے والوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ اے اللہ تو مجھ کو اُن کے گمان سے اچھا بنا دے اور میری جس بُرائی کو یہ نہیں جانتے اس کو بخش دے اور اُن کے کہنے پر میری پکڑ مت کیجیو۔

(۴) ایک مرتبہ اپنے زمانہ خلافت میں ملک شام کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا اور اُن کو رخصت کرنے کے لئے بہت دور تک گئے۔ ساتھیوں نے عرض کیا کہ اے خلیفہ رسول اللہ آپ پیادہ چل رہے ہیں اور ہم لوگ سوار ہیں۔ فرمایا میں ان

قدموں سے اپنی خطاؤں کو بخشوا رہا ہوں۔ یہ میرے قدم اللہ کے راستہ میں اُٹھ رہے ہیں۔

(۵) فرمایا کہ میں پاکی بیان کرتا ہوں اس ذات کی جس نے اپنی مخلوق کے لئے کوئی راستہ اپنی معرفت کا نہیں رکھا سوا اس کے کہ اس کی معرفت سے عاجز ہو جائیں۔

(۶) فرمایا جو شخص اللہ کی محبت کا مزہ چکھ لیتا ہے پھر اس کو طلب دنیا کی فرصت نہیں ملتی اور انسانوں سے اس کو وحشت ہوتی ہے۔

(۷) مرضِ وفات میں لوگ عیادت کو آئے اور کہنے لگے اے خلیفۂ رسول اللہ کسی طبیب کو آپ کے لئے بُلایا جائے تو فرمایا کہ طبیب تو مجھے دیکھ چکا ہے۔ لوگوں نے پوچھا پھر طبیب نے کیا کہا۔ فرمایا اس نے کہا انی فعال لما ارید۔ (میں جو چاہے کروں تو کون؟)

(۸) ایک مرتبہ ایک شکار آپ کے سامنے لایا گیا تو فرمایا کہ جب کوئی شکار مارا جاتا ہے یا کوئی درخت کاٹا جاتا ہے تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اس نے اللہ کی تسبیح ضائع کردی۔

(۹) بسا اوقات اونٹ پر سوار ہوتے اور مہار گر جاتی تو اونٹ کو بٹھلا کر اُترتے اور مہار کو خود اُٹھاتے۔ لوگ کہتے کہ حضرت آپ نے ہمیں حکم کیوں نہ دیا ہم اُٹھا دیتے تو فرماتے کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی انسان سے کچھ سوال نہ کروں۔

(۱۰) حضرت انس کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کبھی خطبے میں انسان کی

پیدائش کا حال بیان فرماتے تو کہتے کہ انسان دو مرتبہ مقام نجاست سے نکلا ہے (یعنی ایک مرتبہ صلب پدر) (باپ کی شرمگاہ سے) اور ایک مرتبہ شکم مادر (یعنی ماں کی شرمگاہ سے) اس وقت کیفیت یہ ہوتی تھی کہ ہر شخص اپنے آپ کو نجس سمجھنے لگتا تھا۔

(۱۱) فرمایا کرتے تھے اے لوگو! خدا کے خوف سے روؤ۔ اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بناؤ۔

(۱۲) ایک روز اپنے خطبہ میں فرمایا کہ وہ حسین کہاں گئے جن کے چہرے خوبصورت تھے جن کو اپنی جوانی پر ناز تھا۔ وہ بادشاہ کہاں گئے جنہوں نے شہر آباد کئے تھے۔ وہ بہادر کہاں گئے جو میدان جنگ میں ہمیشہ غالب رہتے تھے۔ موت نے ان کو ہلاک کر دیا اور وہ قبر کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

(۱۳) فرمایا کرتے خبردار کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھے کیونکہ چھوٹے درجہ کا مسلمان بھی اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔

(۱۴) فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے بزرگی کو تقویٰ میں پایا اور تونگری کو یقین میں اور عزت کو تواضع میں۔

(۱۵) ایک روز خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ پارسال گرمیوں میں میں نے تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ یہ کہہ کر رونے لگے پھر فرمایا کہ آپ فرماتے تھے کہ اللہ سے گناہوں کی بخشش اور دنیا و آخرت کی عافیت طلب کیا کرو۔

(۱۶) اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ یا اللہ مجھے حق دکھا اور حق کی پیروی کی

توفیق دے اور مجھے باطل کی پہچان دے اور اس سے بچنے کی توفیق دے اور حق و باطل کو میرے اوپر مشتبہ نہ کرنا اور نہ میں ہوائے نفسانی کا تابع ہو جاؤں۔

(۱۷) حضرت ابوبکر کے آزاد کردہ غلام کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنے نفس پر ناراض ہوا اس کو اللہ پاک اپنی ناراضگی سے امن میں رکھے گا۔

(۱۸) آخیر وقت میں حضرت عائشہ نے کوئی درد انگیز حسرت آمیز شعر پڑھا تو فرمایا یہ نہ کہو بلکہ یہ آیت پڑھو۔ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۔ یعنی آگئی غشی موت کی حق کے ساتھ۔ یہی وہ چیز ہے جس سے او انسان تو بھاگتا تھا۔[1]

(۱۹) فرمایا کرتے تھے کہ سب سے بڑی سمجھداری تقویٰ ہے اور سب سے بڑی حماقت فسق و فجور ہے اور سب سے بڑھ کر سچائی امانت ہے۔ اور سب سے بڑھ کر جھوٹ خیانت ہے۔

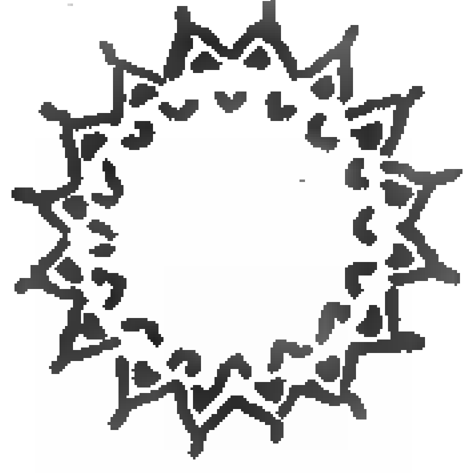
(۲۰) جب کسی کو نصیحت کرتے تو فرمایا کرتے تھے کہ اگر تو میری وصیت مانے تو کوئی چیز جو غائب ہو موت سے زیادہ محبوب نہ رکھنا کہ وہ تو ہر حال میں آنے والی ہے۔

(۲۱) فرمایا کرتے تھے کہ جب آدمی دُنیا کی زینتوں میں سے کسی زینت کی چیز پر

---

[1] از واقعہ ۵ تا واقعہ ۱۸ منقول از کتاب خلفائے راشدین، تالیف امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمۃ اللہ علیہ (شاہد غفرلہ)

اترانے لگے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس وقت تک ناراض رہتے ہیں جب تک کہ وہ اس زینت کی چیز سے بالکلیہ علیحدہ نہ ہو جائے۔



(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

صدیق اکبر کے بعد آپ کی ہی تعیین سے حضرت عمر خلیفہ و جانشین قرار پائے۔ اور اُمت کی ہر نوع کی ظاہری و باطنی ترقیات کی باگ آپ کے ہاتھ میں آئی حضرت عمر کے قبول خلافت کا واقعہ بھی عجیب ہے۔

حضرت ابوبکر کے مرض نے شدت پکڑی اور وصال کا وقت قریب ہوا تو آپ نے حضرت علی و حضرت عثمان اور چند مہاجرین و انصار کو بلایا اور فرمایا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ میری حالت کیا ہو رہی ہے۔ اور کسی آدمی کا تعین جو میرے بعد تمہارے امور انتظام کرے ضروری ہے اگر تمہاری رائے ہو تو تم آپس میں کسی کو مشورہ سے طے کر لو۔ اور اگر تمہاری رائے ہو تو میں انتخاب کر دوں، عرض کیا کہ آپ ہی انتخاب فرما دیں چنانچہ آپ نے حضرت عثمان کو حکم دیا اور اُن سے حضرت عمر کے خلیفہ بنانے کا فرمان لکھوایا حضرت عمر نے عرض کیا کہ میں اس کام کا تحمل نہیں کر سکتا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا میری تلوار لاؤ (کیونکہ اُنھوں نے خلیفہ رسول اللہ کا حکم نہیں مانا) اور اُن کو خوب ڈانٹا۔ اس پر حضرت عمر مجبوراً خلافت قبول کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس کے بعد حضرت طلحہ حاضر ہوئے اور اُنھوں نے اس تجویز منصب پر تنقید کی اس پر فرمایا کہ عمر بخدا تمہارے لئے بہترین آدمی ہیں اور تم ان کے لئے بدترین آدمی ہو۔ یہ فرما کر حضرت طلحہ کو خوب ڈانٹا اور اُن کو

نکال دیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان سے یہ پروانہ لکھوایا" یہ عہد نامہ ہے جس کو ابو بکر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت میں لکھوایا جب کہ وہ دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اور سفر آخرت شروع کر رہا ہے۔ میں نے تمہارے لئے اپنے بعد عمر بن الخطاب کو خلیفہ بنایا۔ اگر وہ نیکو کار رہے اور انصاف کرتے رہے تو ان کے بارے میں میرا یہی حسن ظن ہے اور اگر ان میں کوئی تغیر و تبدل ہو گیا تو مجھ کو غیب کا علم نہیں۔ میں نے اپنے خیال میں تمہارے لئے (اس انتخاب کے ذریعہ) بھلائی اور بہترائی کی ہے اور جو کوئی آدمی گناہ کرتا ہے اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے۔ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ٥ (صبح الاعشی ص ۳۴۹ ج ۹)

آپ کا اسم گرامی عمر ہے اور لقب فاروق ابو حفص کنیت ہے۔ یہ لقب اور کنیت دونوں دربار نبوی سے مرحمت ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح سے ہے۔ عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن غالب القرشی العدوی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعب بن لوی پر آپ کا نسب جا ملتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی ولادت واقعۂ فیل سے تیرہ[۱۳] سال بعد ہوئی۔ ستائیس[۲۷] سال کی عمر تھی کہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان سے پہلے چالیس[۴۰] مرد اور گیارہ عورتیں اسلام میں داخل ہو چکیں تھیں۔

قبول اسلام

حضرت عمر کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے۔ وہ یہ کہ ایک روز کفار کی مجلس منعقد ہوئی جس میں یہ سوال اٹھا کہ محمد کو کون قتل کر سکتا ہے؟ عمر نے کہا یہ کام میں انجام دوں گا۔ یہ کہہ کر تلوار اٹھائی

اور چل دیئے۔ راہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص ملے۔ دریافت کیا عمر کہاں جا رہے ہو۔ کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کی فکر میں ہوں۔ حضرت سعد نے فرمایا بنو ہاشم بنو زہرہ بنو عبد مناف تم کو اس کے بدلہ میں قتل کر دیں گے۔ اس جملہ کو سُنکر غصہ آگیا اور فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی بد دین یعنی مسلمان ہے آ پہلے تجھ کو ختم کروں۔ یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی۔ حضرت سعد نے یہ کہہ کر کہ ہاں میں مسلمان ہوں تلوار نکالی۔ ایک دوسرے پر حملہ ہونے ہی کو تھا کہ حضرت سعد بولے عمر پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ تیری بہن اور بہنوئی دونوں اسلام قبول کر چکے۔ یہ سُنکر طیش میں آگئے اور فوراً اپنی بہن کے گھر گئے دیکھا کواڑ بند ہیں اور حضرت خباب ان دونوں میاں بیوی کو قرآن پڑھا رہے ہیں۔ آواز سُن کر حضرت خباب تو مکان ہی میں چُھپ گئے۔ وہ صحیفہ جس پر آیات قرآنی لکھی ہوئی تھیں جلدی میں باہر رہ گیا۔ بہن نے کواڑ کھولے۔ اس وقت حضرت عمر کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جسے پوری قوت سے بہن کے سر پر دے ماری خون بہنے لگا فرمایا۔ اپنی جان کی دُشمن تو بھی بد دین ہوگئی۔ اندر گھر میں آکر دریافت کیا۔ کیا کر رہے تھے۔ یہ آواز کیسی تھی؟ کس کی تھی؟ بہنوئی نے کہا آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ فرمایا اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیا۔ بہنوئی نے کہا کہ اگر وہ دین برحق ہو تو کیا حرج ہے۔ یہ سُننا تھا کہ اُن پر بے تحاشہ ٹوٹ پڑے اور زمین پر گرا کر خوب مارا۔ بہن نے آگے بڑھ کر بچانے کی کوشش کی تو اُن کے مُنہ پر اس زور سے تھپڑ مارا کہ خون نکل آیا۔ یہ بھی آخر کار عمر کی بہن تھیں۔ کہنے لگیں عمر کیا ہم کو اس وجہ سے مارا جاتا ہے کہ ہم اسلام لے آئے۔ یقیناً ہم اسلام لے آئے جو تم سے ہو سکے وہ کر لو۔ اتنے میں

حضرت عمر کی نظر اس صحیفۂ قرآن پر پڑ گئی جو باہر ہی رکھا تھا۔ کہنے لگے کہ مجھے بھی دکھلاؤ اس میں کیا لکھا ہے۔ بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو اور ناپاک آدمی اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا حضرت عمر نے بہت اصرار کیا مگر بہن نے بغیر وضو اور غسل کے وہ صحیفہ ہاتھ میں نہیں دیا۔ حضرت عمر نے غسل کیا اور صحیفہ اُٹھایا تو اس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی ۔ اننی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی واقم الصّلوٰۃ لذکری۔ تک پڑھا تھا کہ حالت بدل گئی فرمانے لگے مجھے بھی دربار نبوی میں لے چلو۔ یہ بات سُنکر حضرت خباب اندر سے نکلے اور فرمایا۔ اے عمر کل شب پنجشنبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی تھی۔ کہ اے اللہ! عمر اور ابوجہل میں جو تجھے زیادہ پسند ہو اس کو اسلام کی توفیق عطا فرما۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا آپ کے حق میں قبول ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت عمر دربار نبوی میں پہنچے اور جمعہ کے دن صبح کو اسلام لائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے کہ عمر کا اسلام لانا مسلمانوں کی فتح تھی اور ان کی ہجرت مسلمانوں کی مدد تھی اور ان کی خلافت رحمت۔

ہجرت عمرؓ

حضرت عمرؓ کی ہجرت کا واقعہ بھی کافی عجیب ہے جس سے ان کی شجاعت اور بہادری کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اوّل اوّل ہر شخص نے خفیہ طریقہ سے ہجرت کی مگر جب حضرت عمر نے ہجرت کی تو اس شان سے کی کہ تلوار گلے میں ڈالی اور کمان ہاتھ میں لی بڑی تعداد میں تیر ساتھ لیئے۔ سب سے پہلے مسجد میں اطمینان سے طواف کر کے نماز پڑھی پھر کفار کے مجمع کی طرف گئے اور فرمایا۔ جس کا دل یہ چاہے کہ اس کی ماں اسے

روئے اس کی بیوی رانڈ ہو۔ بچے یتیم ہوں وہ مکہ سے باہر آکر عمر کا مقابلہ کرے۔ یہ فرما کر تشریف لے گئے۔ کسی کی بھی ہمت نہ ہوئی کہ آکر مقابلہ کرتا۔ لیکن اس شجاعت اور بہادری کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر حیرانگی اور پریشانی کا یہ عالم تھا کہ ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے اور اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی یہ کہے گا کہ حضور کا وصال ہو گیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اپنے رب سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔

میں لکھ چکا ہوں کہ آپ کے کمالات اجماعی ہیں۔ ایسے بہت سے امور ملیں گے جو مسلمانوں کے یہاں اجماعی ہیں۔ لیکن بہت کم ایسے واقعات ملیں گے جن پر کافر و مسلم سب ہی متفق ہوں۔ ہاں حضرت عمر کے کارناموں میں اس کی مثالیں تلاش کرنا چاہو تو ہزاروں واقعات ملنا بھی مشکل نہیں۔

آپ کی سمجھ، ذکاوت، ذہانت، بیدار مغزی، انتظام سلطنت، سیاست و رعب و عدل وانصاف آج دشمنوں کی زبان پر جاری ہیں مگر بدیں دبدبہ وہیبت آپ کے زہد و فقر کی نظیریں بھی بکثرت ہیں۔ مثالاً چند واقعات پر اکتفا کرتا ہوں کہ احصار نہ ممکن، نہ ہی پڑھنے کو فرصت۔

آپ کی زندگی باں جاہ وجلال جو شہرۂ آفاق ہے نہایت فقیرانہ تھی کرتے میں تین تین، چار، چار پیوند ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے تمام کرتے کے پیوند شمار کئے تو چودہ تھے۔ بسا اوقات پیوند لگانے کے لئے کوئی کپڑا نہ ملتا تو چمڑے کے ٹکڑے ہی کا پیوند لگا لیا جاتا۔ ایک مرتبہ قمیص میں دونوں مونڈھوں کے درمیان

چار پیوند لگ رہے تھے۔ حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے سترہ پیوند ان کے لباس میں شمار کئے۔

دسترخوان پر دو سالن کبھی جمع نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ صاحبزادی حضرت صفیہ نے سالن ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے اس پر گھی ڈال دیا تو آپ ناراض ہوئے کہ ایک ہی برتن میں دو سالن کر دیئے۔

ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لئے تشریف آوری میں دیر ہوئی تو تاخیر کی یہ معذرت فرمائی کہ کپڑا کوئی اور نہیں تھا اس لئے اسی کو دھویا جس میں دیر لگ گئی۔

ایک بار فرمایا کہ اگر حساب کا خوف نہ ہوتا تو بھنا ہوا گوشت کھاتا۔

جن لوگوں کو حج کی زیارت نصیب ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ عرب میں گرمی اور شدتِ دھوپ کی کیا حالت ہے مگر حضرت عمرؓ کے لئے مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ تک کسی منزل پر خیمہ وغیرہ نہیں لگایا جاتا تھا۔ کیکر وغیرہ کے سائے میں آپ کے لئے چمڑا بچھا دیا جاتا اسی پر آرام فرما لیتے۔

آپ کے زمانہ میں ایک مرتبہ قحط پڑا اور نو ماہ تک رہا۔ اس پر آپ نے گھی اور گوشت کھانا ترک فرما دیا کہ غرباء کو تو میسر نہ ہو اور میں کھا لوں۔ اور قسم کھائی کہ زیتون کے تیل کے سوا کسی چیز سے روٹی نہیں کھاؤں گا حتیٰ کہ زیتون کا تیل بکثرت استعمال کرنے کی وجہ سے چہرۂ انور پہ اثر آ گیا تھا اور اسی قحط میں دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ میرے ہاتھوں اُمت کو ہلاک نہ فرما۔ گھروں میں جا کر لوگوں سے انکی ضروریات دریافت فرماتے اور تاکید کرتے کہ اپنی ضرورتوں کو مجھ سے بیان کیا کرو۔

رونے کی یہ حالت تھی کہ گریہ وزاری کی وجہ سے چہرہ پر آنسوؤں کی دو سیاہ لکیریں بن گئی تھیں۔ نماز میں خوف سے اس قدر رویا کرتے تھے کہ پیچھے تین صفوں تک رونے کی آواز جایا کرتی تھی۔ قرآن پاک کی تلاوت میں بعض آیات پر رونے کا اتنا غلبہ ہوتا تھا کہ روتے روتے دم گھٹنے لگتا تھا۔ بعض مرتبہ گرجایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ کاش میں بجائے آدمی ہونے کے ایک بکرا ہوتا کہ مجھے ذبح کر کے کھا لیا جاتا۔ بسا اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لے کر فرماتے کاش میں یہ تنکا ہوتا کبھی فرماتے کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا۔

لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ تمہاری دُنیا کو نقصان پہونچ جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ تمہاری آخرت کو نقصان پہنچے۔ یتیموں اور بیواؤں کے لئے چمڑے کے تھیلہ میں آٹا بھر کر اپنی کمر پر لاد کر لیجاتے اگر کوئی درخواست کرتا کہ میں اُٹھا لوں تو فرماتے کہ قیامت کے دن میرے گناہوں کو کون اُٹھائے گا۔

آپ کا مقولہ تھا کہ کاش میں دُنیا سے ایسی حالت میں جاؤں کہ وہاں نہ مجھے کوئی اجر ملے نہ مجھ سے کوئی مطالبہ ہو۔

ابتداء مزاج میں بہت سختی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ابتداء خلافت فاروقی میں لوگوں نے گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے ایک طویل خطبہ دیا۔ اس میں فرمایا لوگو! میں اس وقت تک نرم تھا جب تک تم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر جیسے نرم اور مہربان تھے، میری سختی اور اُن کی نرمی دونوں مل کر اعتدال پیدا کر دیا کرتی تھیں مگر اب میں تم پر تشدد نہ کروں گا۔ بلکہ میری سختی صرف ظالموں کے لئے ہے۔ اے لوگو! اگر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضرت ابوبکر

کی سیرت کی مخالفت کرکے کوئی حکم دوں تو تم کیا کرو گے۔ جب کئی مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا تو ایک آدمی تلوار لے کر کھڑا ہوا اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا فعلنا ھکذا یعنی ہم تلوار سے سر اڑا دیں گے۔ اس جملہ سے آپ پر ذرہ بھر اثر نہ ہوا بلکہ خوش ہوئے۔ جب ملک شام گئے تو بوسیدہ لباس زیب تن فرما رکھا تھا جس میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ عرض کیا گیا کہ آج یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے علماء زیارت کرنے آئیں گے ان کو کیا خیال گذرے گا؟ فرمایا ہمیں اللہ نے اسلام کے ذریعہ عزت دے رکھی ہے۔ لباس سے ہماری عزت نہیں ہوتی۔

یہ واقعات ہیں آپ کے زہد کے اللہ کے ساتھ خوف کے اور اس کی قدرت کاملہ پر ایمان کے۔ ورود جنت کی بشارت حضور کی زبان مبارک سے بہت پہلے سُن چکے تھے اور اس مبشر بالجنۃ ہونے کے باوجود خوف حق کا اس قدر غلبہ تھا کہ حضرت حذیفہ سے یہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو میرا نام منافقین میں نہیں فرمایا۔ کیونکہ حضرت حذیفہ کو حضور نے منافقین کے نام بتلا رکھے تھے۔

انتقال

فجر کی نماز میں ابولولو مجوسی نے آپ پر حملہ کیا۔ زخم کاری لگا جس سے ہر وقت خون بہتا تھا اور کبھی غفلت بھی ہو جاتی تھی لیکن اس کے باوجود جب نماز کے لئے کہا جاتا تو اسی حالت میں نماز ادا کرتے اور فرماتے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جو نماز چھوڑ دے۔ یکم محرم ۲۴ھ کو انتقال فرمایا۔ انتقال کے وقت آپ کا سر صاحبزادے حضرت عبداللہ کی ران پر رکھا ہوا تھا۔ فرمایا کہ میرا سر زمین پر رکھ دو۔ عرض کیا کہ اگر ران پر ہی رہے تو کیا مضائقہ ہے مگر اصرار کے بعد اپنا سر زمین پر رکھوا لیا۔ اور فرمایا کہ اگر میرا رب مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میرے لئے

ہلاکت ہے" حضرت صہیب نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت ابوبکر صدیق کے پہلو میں دفن ہوئے۔

خلافت کی کل مدت دس سال چھ ماہ پانچ دن ہوئی، رضی اللہ عنہ وارضاہ"۔

متفرق واقعات

(۱) تواضع کی صفت آپ میں اس قدر تھی کہ اس کا اندازہ کرنے سے عقل انسانی عاجز ہے۔ عرب و عجم کا بادشاہ بلکہ بادشاہوں کا فرمانروا اور اس میں اسقدر تواضع۔

خلیفہ ہونے کے بعد منبر پر جو گئے تو منبر کے اس زینے پر بیٹھے جس پر حضرت صدیق پاؤں رکھتے تھے۔ لوگوں نے کہا اوپر بیٹھ جائیے تو فرمایا میرے لئے یہی کافی ہے کہ مجھے اس مقام پر جگہ مل جائے جہاں صدیق کے پاؤں رہتے ہوں۔

(۲) ایک روز خطبے میں فرمایا۔ اے لوگو! عورتوں کا مہر زیادہ نہ باندھا کرو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں سے زیادہ اگر ہوگا تو میں اس سے زائد مقدار کو ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دوں گا۔ ایک بڑھیا بول اٹھی کہ آپ کو ایسا کرنے کا کیا حق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔ وآتیتم احدٰھن قنطاراً فلا تاخذوا منہ شیئاً۔ (اے شوہرو اگر تم اپنی بیویوں کو بہت سارا مال دیدو تو پھر اس میں سے کچھ واپس نہ لو) بس اس کو سن کر منبر سے یہ کہتے ہوئے اُتر آئے کہ کل الناس اعلم من عمر حتی العجائز۔ یعنی سب لوگ عمر سے زیادہ علم رکھتے ہیں حتیٰ کہ بڑھیا بھی۔

(۳) کھانے کا یہ حال تھا کہ اس وقت کوئی ادنیٰ شخص بھی اس کھانے کو بہ رغبت نہ کھا سکتا تھا حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ تین روٹیاں آپ کے لئے آتی تھیں جن میں کبھی روغن زیتون لگا ہوا ہوتا تھا کبھی گھی اور کبھی روٹیوں کے ساتھ دودھ ہوتا تھا اور کبھی سکھایا ہوا گوشت جو کوٹ کر اُبال لیا جاتا تھا اور کبھی تازہ گوشت بھی ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ عراق سے کچھ مہمان آپ کے پاس آئے جن میں حضرت جریر بن عبداللہ بھی تھے ان لوگوں سے آپ کا کھانا نہیں کھایا گیا۔

لباس کا یہ حال تھا کہ سال بھر میں دو ہی جوڑے بیت المال سے لیتے تھے وہ بھی کسی موٹے اور کُھرے کپڑے کے اور وہ بھی جب پھٹ جائے تو ان میں پیوند لگاتے تھے اور پیوند بھی کبھی چمڑے کے اور کبھی ٹاٹ کے۔

(۴) قیام بیت المقدس کے زمانے میں آپ کا کرتہ پشت کی جانب سے پھٹ گیا تو آپ نے کسی کو دیا کہ دھو دے اور پیوند لگا دے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مگر اس کے ساتھ ہی ایک اور اچھے کپڑے کا نیا کرتہ بھی آپ کے لئے بنا دیا گیا اور دونوں آپ کے سامنے پیش کئے گئے۔ آپ نے نئے کرتہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ یہ بہت نرم کپڑا ہے۔ اور واپس کر دیا اور فرمایا کہ میرا وہی کرتا اچھا ہے اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔

ایک روز خلاف معمول گھر میں زیادہ دیر تک رہے جب باہر نکلے تو فرمایا کہ دیر اس وجہ سے ہوئی کہ میرے کپڑے میلے ہو گئے تھے ان کو میں نے دھویا۔ جب وہ خشک ہو گئے تو پہن کر تمہارے پاس آیا

ہوں (کوئی دوسرا کپڑا نہ تھا کہ اس کو پہن لیتے)

(۵) ایک مرتبہ تقریباً پچاس صحابہ کرام جو مہاجرین میں سے تھے مسجد نبوی میں جمع ہوئے ان میں باہم حضرت عمر فاروق کے زہد کا تذکرہ تھا۔ کہنے لگے دیکھو تو کسریٰ وقیصر کی سلطنت جس کے قبضہ میں ہے مشرق ومغرب میں جن کا حکم چل رہا ہے۔ عرب وعجم کے وفود جس کے پاس آتے ہیں اور اس کو اس حالت میں دیکھتے ہیں کہ اس کے لباس میں بارہ بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں ان سے کہنا چاہیئے کہ وہ اس لباس کو بدلدیں۔ اچھا کپڑا پہنا کریں کہ عمدہ لباس سے بھی ایک ہیبت ہوتی ہے اور کھانے کا بھی کوئی عمدہ انتظام کیا جائے۔ دونوں وقت وسیع خوان بچھا کرے اور مہاجرین وانصار جو ان سے ملنے آتے ہیں وہ ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا کریں۔ لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ حضرت فاروق سے کچھ کہتا۔ آخر سب کی رائے ہوئی کہ حضرت علی سے کہنا چاہیئے۔ وہ ان کے خُسر ہیں وہ ان سے کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ سب لوگ حضرت علی کے پاس گئے حضرت علی نے فرمایا میں ایسی بات ان سے نہ کہوں گا۔ امہات المومنین سے کہلوانا چاہیئے

احنف بن قیس کہتے ہیں کہ پھر وہ لوگ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے پاس گئے۔ دونوں ایک ہی جگہ مل گئیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا اچھا میں کہوں گی حضرت حفصہ نے کہا کہ وہ مانیں گے نہیں۔ مگر لوگوں کے اصرار سے دونوں ام المومنین تشریف لے گئیں اور بڑی اچھی تمہید کے ساتھ حضرت فاروق سے اس بارے میں گفتگو کی۔ آپ سُنکر رونے لگے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تنگی معیشت ذکر کر کے ان دونوں کو بھی رُلایا اور فرمایا کہ سُنو! میرے دو صاحب تھے میں نے ان کو جس حالت میں دیکھا ہے اگر میں اس حالت کے خلاف اختیار کروں تو پھر مجھ کو ان کا ساتھ نصیب

نہیں ہو سکتا۔ یہی حالت حضرت فاروق کی آخیر۔۔۔۔ وقت تک رہی ذرا تغیر نہ ہونے دیا۔

(۶) حضرت ابوموسیٰ اشعری نے ایک روز بیت المال میں جھاڑو دی تو ایک درہم ملا۔ اُنھوں نے حضرت عمر کے کسی پوتے کو جو بالکل بچے تھے دیدیا۔ آپ نے بچے کے ہاتھ میں درہم دیکھ کر پوچھا تو اُنھوں نے کہا کہ مجھے ابوموسیٰ نے دیا ہے۔ اس پر بہت ناخوش ہوئے اور وہ درہم واپس کر کے حضرت ابوموسیٰ سے فرمایا کہ اے ابوموسیٰ ہمارے گھر سے زیادہ کوئی گھر تم کو ذلیل معلوم نہیں ہوا۔

ایسا ہی ایک واقعہ آپ کی پوتی کا بھی ہے کہ وہ درہم کو منہ میں رکھ کر روتی ہوئی بھاگیں۔ مگر آپ نے منہ میں اُنگلی ڈال کر درہم نکال لیا۔

(۷) اخیر میں پے درپے روزے رکھا کرتے تھے۔ سوا ان پانچ دنوں کے جن میں روزہ حرام ہے کسی دن ناغہ نہ کرتے تھے۔ حج کے لئے اپنی خلافت کے پہلے سال یعنی ۱۳ھ میں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا اور اُس کے بعد پھر ہر سال خود تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اپنی خلافت میں دس حج کئے اور ۲۳ھ میں جو ان کی خلافت کا آخری سال تھا ازواج مطہرات کو بھی حج کرانے لے گئے تھے (طبقات جلد ۳) عمر نے اپنی خلافت میں تین حج ادا کئے۔ ایک رجب ۱۷ھ میں، دوسرا رجب ۲۱ھ میں، تیسرا رجب ۲۲ھ میں (طبقات)

(۸) خشیت الٰہی اور خوف آخرت کی یہ حالت تھی کہ شاید اس صفت میں کوئی ان کا مساوی نہ نکلے۔ ایک روز سورۂ اذا الشمس کورت تلاوت کر رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے واذا الصحف نشرت، تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اور کئی دن تک

ایسی حالت رہی کہ لوگ عیادت کو آتے تھے۔ ایک دن کسی گھر کی طرف گذر ہوا وہ شخص نماز میں سورۂ والطور پڑھ رہا تھا جب وہ اس آیت پر پہنچا۔ ان عذاب ربک لواقع۔ تو سواری سے اُترے اور دیوار سے ٹیک لگا کر دیر تک بیٹھے رہے اس کے بعد اپنے گھر آئے تو ایک مہینے تک بیمار رہے۔ لوگ دیکھنے کو آتے تھے اور بیماری کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی لہ

(۹) حضرت عمرؓ نے ایک مقام پر لشکر بھیجا اس لشکر کے سردار ساریہ نامی ایک شخص تھے جب وہ لشکر وہاں پہنچا اور مقابلہ ہوا تو دُشمن نے دھوکہ دینے کی یہ تدبیر نکالی کہ ایک پہاڑ کی کھوہ میں کچھ لوگ متعین کر دیئے تاکہ عین موقعہ پر کام دیں۔ جب لڑائی شروع ہو گئی تو قریب تھا کہ حضرت ساریہ دھوکہ کھا جائیں اور مغلوب ہو جائیں اتنے میں آواز آئی یاساریۃ الجبل یاساریۃ الجبل یعنی اے ساریہ پہاڑ کی طرف سے ہوشیار رہو۔ یہ آواز سُن کر وہ ہوشیار ہو گئے۔ یہ آواز حضرت عمرؓ نے جمعہ کا خطبہ پڑھتے ہوئے دی تھی جس کو اُنھوں نے سینکڑوں میل سے سُنا۔

(۱۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ، مدینہ منورہ میں رات کو گشت فرمایا کرتے تھے اور پہرہ دیا کرتے تھے ایک مرتبہ شب میں چلتے چلتے تھک گئے تو ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اس وقت سُنا کوئی عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی کہ دودھ میں پانی ملا دے۔ لڑکی نے جواب دیا اماں جان آپ کو معلوم نہیں کہ امیرالمؤمنین کا کیا حکم ہے؟ ماں نے کہا کیا حکم ہے۔ کہا امیرالمؤمنین نے اعلان کرایا ہے کہ کوئی شخص

لہ از واقعہ ۱ تا واقعہ ۸ منقول از کتاب خلفائے راشدین۔

دودھ میں پانی نہ ملائے۔ ماں نے کہا کہ پانی ملا دے یہاں پر تجھے نہ عمر دیکھ رہے ہیں اور نہ ہی ان کا منادی۔ لڑکی نے کہا۔ خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہ کروں گی۔ کہ سامنے تو امیر المؤمنین کی اطاعت کروں اور اُن کے پیچھے ان کی نافرمانی۔

(۱۱) ایک مرتبہ حضرت عتبہ ابن فرقد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی غذا کی نسبت کچھ کہا۔ آپ نے فرمایا تجھے افسوس ہے کیا میں اپنے حصہ کی نعمت دُنیا میں کھالوں اور اس سے فائدہ بھی حاصل کرلوں۔

(۱۲) حضرت عبید اللہ بن عمران بن حفص فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پانی کی مشک بھر کر اپنے کندھے پر اُٹھائی اس کے متعلق لوگوں نے کچھ کہا تو فرمایا مجھے اپنا نفس اچھا نظر آنے لگا اس لئے میں نے اس کو ذلیل کرنا چاہا۔

(۱۳) ایک مرتبہ حضرت عمر کا کوئی لڑکا کنگھی کر کے اور عمدہ کپڑے پہن کر آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اسے یہاں تک دُرّے سے مارا کہ وہ رونے لگا۔ حضرت حفصہ نے دریافت کیا کہ آپ نے اسے کیوں مارا فرمایا میں نے دیکھا کہ وہ اپنے نفس پر اُترا رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس کے نزدیک اس کا نفس ذلیل و خوار ہو جائے۔

(۱۴) حضرت عباس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے انتقال سے ایک سال بعد اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اُنھیں مجھے خواب میں دکھلا دے۔ چنانچہ ایک سال بعد میں نے اُنھیں دیکھا تو وہ اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کر رہے تھے۔ میں نے کہا۔ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ اے امیر المؤمنین تمہاری کیا حالت ہے۔ فرمایا ابھی ابھی فارغ ہوا ہوں۔ قریب تھا کہ عمر کا تختہ ٹوٹ جاتا اور ویران ہو جاتا۔

مگر میں نے اللہ کو بڑا رحیم پایا۔

(۱۵) ایک مرتبہ ایک مست آدمی کو دیکھ کر چاہا کہ اس کو سزا دیں اس نے آپ کو بُرا بھلا کہا۔ آپ لوٹ آئے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے بُرا کہنے پر اس کو کیوں چھوڑ دیا۔ فرمایا اس کے بُرا بھلا کہنے کی وجہ سے مجھے اس پر غصہ آیا۔ اگر میں اس کو مارتا تو اپنے نفس کے غصہ کا بھی لگاؤ رہتا اور مجھ کو یہ اچھا نہیں لگتا کہ کسی مسلمان کو اپنے نفس کی حمیت وغیرت کی وجہ سے ماروں۔

(۱۶) جب کسی آدمی کے بدن پر باریک کپڑے دیکھتے تو اپنا دُرّہ لے کر اس کی پٹائی شروع کر دیتے اور فرماتے کہ یہ باریک کپڑے عورتوں کے لئے رہنے دو۔

(۱۷) حضرت عمر کی مشہور دُعا ہے کہ اے اللہ اپنے پاک رسول کے شہر میں مجھے موت عطا فرما اور اپنے راستہ کی شہادت عطا فرما۔

یہ چیز موجب حیرت تھی کہ مدینہ منورہ جو اسلام کا دار الخلافہ ہے اس میں شہادت کس طرح مل سکتی ہے مگر دل سے نکلی ہوئی دُعا کو مسبب الاسباب کے لئے پورا کرنا کیا مشکل تھا کہ عین نماز کے وقت مصلے پر جاں نثاروں کے درمیان میں شہادت عطا فرمائی۔

(۱۸) ایک مرتبہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت چاہی۔ تو آپ نے اجازت دیکر ارشاد فرمایا۔ اے میرے بھائی مجھے بھی دُعاؤں میں یاد رکھنا۔

(۱۹) حضرت عمر کی عادت شریفہ تھی کہ درہ لے کر مذبح میں تشریف لے جاتے اور جس کو دیکھتے کہ متواتر دو روز تک گوشت خریدنے آ رہا ہے تو اس کی درہ سے خبر لیتے اور فرماتے کہ اپنے پیٹ کو اپنے پڑوسی اور رشتہ داروں کے لئے خالی نہیں رکھا

جاتا مطلب یہ ہے کہ پڑوسیوں کی بھی ضرورت پوری کرتے رہا کرو ہر وقت اپنے ہی پیٹ کے دھندے میں نہ لگے رہا کرو۔

(۲۰) فرمایا کرتے تھے کہ اگر حساب کا خوف نہ ہوتا تو بھنا ہوا بکرا کھاتا۔ بسا اوقات کسی چیز کے کھانے کو دل چاہتا تو اس کو ایک ایک سال تک ٹالے رکھا کرتے تھے۔

(۲۱) جب کسی کوڑی پر گذر ہوتا تو فرماتے یہ ہے تمہاری وہ دُنیا جس کی حرص میں تم مرے جاتے ہو اور اس پر ریجھتے ہو۔[۱]

(۴) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

یہ خلیفۂ ثانی کے بعد تیسرے خلیفہ ہیں جو اہل مشورہ کی قرار داد کے مطابق غرہ محرم ۲۴ھ شنبہ کے روز مسند خلافت پر مستقر و متمکن ہوئے۔

حافظ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ واقعۂ فیل سے چھٹے سال بعد آپ کی پیدائش ہوئی یہی قول صحیح ہے۔ حضرت ابوبکر کی تحریک سے مشرف باسلام ہوئے، اسلام قبول کرتے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ کا نکاح آپ سے کیا۔

آپ کا اسم مبارک عثمان تھا اور لقب ذوالنورین اور یہ لقب اس لئے تھا کہ دو نور آپ کے نکاح میں جمع ہوئے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں رُقیہ اور حضرت ام کلثوم سے یکے بعد دیگرے آپ کا نکاح ہوا۔ حضرت عثمان کے علاوہ

---

[۱] از نمبر ۱۷ تا نمبر ۲۱۔ منقول از طبقات شعرانیؒ (ش)

کوئی شخص ایسا نہیں جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔ جب حضرت رقیہ کی وفات ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ اُم کلثوم کا نکاح عثمان سے کر دوں۔ جب حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی ۹ھ میں انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میری اگر کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا۔

سلسلۂ نسب

آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح سے ہے۔ عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ ابن عبد شمس۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبد مناف پر آپ کا نسب جا ملتا ہے۔ اس طرح پر کہ عبد مناف کے دو لڑکے تھے۔ ایک کی اولاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے لڑکے کی اولاد میں حضرت عثمان۔

حیاء و شرم کا مصدر و مخزن آپ کی ذات تھی۔ بند مکان میں غسل کرتے وقت بھی حیاء کی وجہ سے آپ کا کپڑا نہیں اُترتا تھا۔ حضرات شیخین کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلف تشریف فرما رہتے تھے۔ لیکن حضرت عثمان کی تشریف آوری پر ان کی حیاء کی وجہ سے حضور کو اپنے کپڑوں کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔

کثرت تلاوت، کثرت عبادت آپ کا خاص حصہ تھا۔ ہمیشہ روزہ رکھتے۔ جس روز شہید ہوئے اس دن بھی روزہ تھا۔ تمام رات تلاوت فرماتے تھے۔ شب کے اول حصہ میں تھوڑی سی دیر سوتے۔ ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم فرما لیا کرتے تھے، باوجود نہایت مالدار ہونے کے آپ کا لباس اکثر نہایت معمولی ہوتا تھا۔ لنگی چار، پانچ درہم کی ہوتی تھی۔ ایک درہم تقریباً ساڑھے تین آنہ کا ہوتا ہے۔ لیکن صدقہ و

خیرات کرنے میں بڑا کشادہ دل رکھتے تھے۔ معمول تھا کہ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد فرماتے۔ اگر کسی جمعہ کو اس معمول میں فرق آجاتا تو اگلے جمعہ کو اس کی قضا فرماتے۔

مالی امداد غزوۂ تبوک میں صحابہ کرام اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی مشکلات پیش آئیں وہ قریب قریب سب کو معلوم ہیں۔ حتیٰ کہ اس غزوہ کا نام جیش العسرہ مشہور ہوگیا۔ اس موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس لشکر کے لئے اسباب مہیا کرے گا اس کو جنت ملے گی۔ آپ نے ایک ہزار اشرفیاں لاکر پیش فرمادیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر تشریف فرما تھے ان اشرفیوں کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں ڈالتے جاتے تھے۔ اور فرماتے جاتے تھے "عثمان آج کے بعد کوئی عمل نہ کریں تو کوئی حرج نہیں۔

آپ کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے کہ ہر نبی کے لئے کوئی ساتھی ہوتا ہے میرے ساتھی جنت میں عثمان ہوں گے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ عثمان وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد مع اپنے اہل وعیال کے ہجرت کی۔

ایک غزوہ میں مسلمانوں کی امداد کے لئے بہت کچھ سامان دیا جس میں خورد و نوش کی بہت سی چیزیں تھیں جو کئی اونٹوں پر لدی ہوئی تھیں۔ اس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی جانب ہاتھ اٹھاکر تین مرتبہ یہ فرمایا۔ اے خدا میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی رہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر صحابہ نے بھی یہی دعا مانگی۔

وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کی خلافت کی مدت بارہ دن کم بارہ سال

ہوئی اور اٹھارہ ذی الحجہ ۳۵ھ کو انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید کئے گئے۔ جس وقت شہید ہوئے تلاوت قرآن پاک میں مشغول تھے۔ خون بہہ کر قرآن شریف کی اس آیت پر گرا فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مظلومانہ شہادت کی اطلاع بہت پہلے سے دے چکے تھے۔ ترمذی شریف کی ایک روایۃ میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کے متعلق صحابہ کرام سے ذکر تذکرہ کیا۔ اور حضرت عثمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس فتنہ میں ظلماً قتل ہوگا۔

ترمذی شریف ہی کی ایک دوسری روایۃ ہے اس میں حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ تم اپنے امام کو قتل کروگے اور آپس میں ایک دوسرے کا خون بہاؤ گے۔

متفرق واقعات

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کا ایک غلام تھا آپ نے اس سے فرمایا میں نے تیرا کان مروڑا تھا اس لئے تو مجھ سے بدلہ لیلے۔ اس نے آپ کا کان پکڑا حضرت عثمان نے فرمایا سختی کر کس قدر اچھا دنیا میں بدلہ ہے کہ اس کے بعد آخرت میں کوئی مواخذہ نہیں۔

(۲) حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کے پاس کسی کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ غزوہ تبوک میں جانے والوں

کی امداد کریں۔ حضرت عثمان نے آپ کی خدمت میں دس ہزار اشرفیاں بھیجدیں۔ قاصد نے لاکر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیں۔ آپ اپنے دست مبارک سے انھیں اوپر نیچے کرتے رہے اور حضرت عثمان کے حق میں یہ دُعا فرماتے رہے۔ اے عثمان اللہ تیری مغفرت فرمائیں ۔ اللہ تیرے ان گناہوں کو جو تو نے چھپ کر کئے یا کھُلم کھلا کئے یا جن کو تو نے مخفی رکھا اور وہ گناہ جو آئندہ تجھ سے قیامت تک سرزد ہوں سب کو معاف فرمائے۔

(۳) ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ شخص کون ہے، جو مسلمانوں کے لئے بیررومہ خرید کر عام مسلمانوں کو اس سے نفع حاصل کرنے کی اجازت دیدے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ قیامت میں اس کو سیراب فرمائیں گے۔ یہ سُن کر حضرت عثمان بن عفان نے اس کو پینتیس[۳۵] ہزار درہم میں خرید لیا اور عام مسلمانوں پر وقف فرمادیا۔

(۴) عبداللہ بن شدّاد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان کو ان کے زمانہ خلافت میں جمعہ کے دن منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا اس وقت جو لباس وہ پہنے ہوئے تھے اس کی قیمت چار، پانچ درہم سے زیادہ نہ ہوگی۔

(۵) حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ میں نے زمانہ خلافت میں حضرت عثمان کو دیکھا کہ مسجد میں لیٹے ہوئے تھے اور سنگریزوں کے نشانات ان کے پہلو میں بن گئے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ امیر المؤمنین اور اس حالت میں رہتے ہیں؟

(۶) ایک روز ایک شخص حضرت عثمان کے پاس گیا، راستہ میں کسی اجنبی عورت پر اس کی نظر پڑ گئی۔ آپ نے فرمایا بعض لوگ میرے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان

کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نازل ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ فراست ایمانی سے یہ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔

(۷) فرمایا کرتے تھے کہ بندگی اس کو کہتے ہیں کہ احکام الٰہی کی حفاظت کرے اور جو عہد کسی سے کرے اس کو پورا کرے اور جو کچھ مل جائے اس پر راضی رہے اور جو نہ ملے اس پر صبر کرے۔

(۸) فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا کی فکر کرنے سے تاریکی پیدا ہوتی ہے اور آخرت کی فکر سے روشنی پیدا ہوتی ہے۔

(۹) فرماتے تھے کہ متقی کی علامت یہ ہے کہ اور سب لوگوں کو تو سمجھے کہ وہ نجات پا جائیں گے اور اپنے آپ کو سمجھے کہ ہلاک ہو گیا۔

(۱۰) فرمایا کرتے تھے کہ سب سے زیادہ بربادی یہ ہے کہ کسی کو بڑی عمر ملے اور وہ سفر آخرت کی کچھ تیاری نہ کرے۔

(۱۱) فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا جس کے لئے قید خانہ ہو قبر اس کے لئے باعث ہو گی۔

(۱۲) فرماتے تھے کہ اگر تمہارے دل پاک ہو جائیں تو کبھی قرآن شریف کی تلاوت یا سماعت سے سیری نہ ہو۔

(۱۳) امام مالک سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت عثمان کا گذر مقام حش کوکب میں ہوا تو آپ وہاں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ عنقریب کوئی نیک شخص یہاں دفن ہوگا۔ چنانچہ سب سے پہلے اس مقام پر حضرت عثمان دفن کئے گئے۔

(۱۴) مہمانوں کو بیت المال سے کھانا کھلاتے اور خود اس میں شرکت نہ فرماتے بلکہ مکان پر پہونچکر سرکہ سے کھانا کھاتے۔

(۱۵) جب قبرستان پر گذر ہوتا تو خوب روتے، یہاں تک کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ کسی نے دریافت کیا کہ آپ جنت و دوزخ کے ذکر سے اتنا نہیں روتے جتنا قبر کے ذکر تذکرہ سے روتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے جو اس سے نجات پا گیا تو اس کے لئے آگے کی ساری منزلیں آسان ہیں اور اگر اس میں نجات نہ ملی تو اگلی منزلیں اس سے بھی سخت ہیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل فرمایا کہ میں نے قبر سے زیادہ ہولناک منظر اور کسی چیز کا نہیں دیکھا۔

---

(۵) حضرت علی کرم اللہ وجہہ

۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دوسرے دن حضرت علی مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ ہی کا ذکر خیر اس جگہ مقصود ہے کہ سلاسل چشتیہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کا ظاہری سلسلہ آپ ہی سے ہے

آپ کا نام علی کنیت ابوتراب اور ابوالحسن ہے لقب اسداللہ ہے۔ آپ کا نسب یہ ہے علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف اور تیسری پشت میں یعنی عبدالمطلب پر جا کر آپ کا نسب حضور کے نسب سے مل جاتا ہے۔ عجیب اتفاق بلکہ عجیب معجزہ ہے کہ نسب کے اعتبار سے جو شخص جتنا دور ہے وہ اتنا ہی

خلافت کے اعتبار سے قریب ہے اور نسب کے لحاظ سے جو شخص جتنا قریب ہے۔
خلافت میں اتنا ہی دور ہے۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ صحیح قول کے موافق آپ کی ولادت نبوت سے دس سال قبل ہوئی۔ اور حضورؐ ہی کی گود میں پرورش پائی۔ اس لحاظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاق اور عادات، طاعات و عبادات میں جتنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تلبس اور اتصال رہا ہے دوسری جگہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت علی ان چند خوش نصیبوں میں سے ہیں جنہیں بچپن میں ہی اسلام لانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ قبول اسلام کے وقت کیا عمر تھی۔ مورخین نے آٹھ، نو، دس سال کی عمر کا ہونا بیان کیا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تمام لوگوں سے سات سال قبل نماز پڑھنا شروع کر دی تھی۔

آپ کے مناقب بہت ہی کثرت سے منقول ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل کا مقولہ ہے کہ حضرت علی کے مناقب جتنے منقول ہیں کسی دوسرے صحابی کے اتنے مناقب منقول نہیں۔ بعض مشائخ نے اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ بنو امیۃ کے زمانے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں کو بغض تھا اس لئے اس کی تردید کی وجہ سے علمائے حقہ آپ کے مناقب کی روایات بکثرۃ نقل فرماتے تھے اور اسی وجہ سے امام نسائی وغیرہ کو آپ کے فضائل میں مستقل رسائل تصنیف فرمانے کی ضرورت ہوئی۔ شجاعت بہادری، معرکوں میں گھس جانا آپ کی مخصوص صفات ہیں۔ علوم ظاہریہ و باطنیہ کی نشر و اشاعت آپ کا خصوصی مشغلہ تھا۔

غزوہ خیبر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حب اللہ اور

حب الرسول کا پروانہ ملا۔ جس کی تقریب یہ ہوئی کہ اس غزوہ میں ایک روز حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ کل کو جھنڈا ایسے شخص کو ملے گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور رسول بھی اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس ارشاد کے بعد باوجودیکہ حضرت علی کی آنکھیں آشوب کرتی تھیں پھر بھی حضورؐ نے جھنڈا آپ ہی کو مرحمت فرمایا اور آشوب کے لئے اپنا لعاب مبارک لگا دیا جس سے وہ اچھی ہوگئیں،

خوف وخشیۃ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ عبادت وطاعت میں خوف وخشیۃ الٰہی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ان کے اس سلسلے کے بہت سے واقعات کتب تواریخ میں موجود ہیں۔ عادت شریفہ تھی کہ جب نماز کا وقت آتا تو بدن میں کپکپی دوڑ جاتی، چہرہ کا رنگ زرد ہو جاتا، دریافت کرنے پر فرمایا کہ یہ اس امانت کی ادائیگی کا وقت ہے جس کو حق تعالیٰ شانہ نے آسمانوں اور زمین وپہاڑ پر اتارا مگر وہ اس کے تحمل سے عاجز ہو گئے۔ اور میں نے اس کا تحمل کیا ہے۔

کمیل کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے ساتھ چلا وہ ایک قبرستان میں پہنچے اور ایک مقبرہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے مقبرہ والو۔ بوسیدگی والو۔ اے وحشت اور تنہائی والو۔ کیا حال ہے۔ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد اموال آپس میں تقسیم کر لئے گئے، اولادیں یتیم ہو گئیں۔ بیویوں نے دوسرے شوہر کر لئے۔ یہ تو ہماری خبر ہے کچھ اپنی بھی کہو۔ اس کے بعد حضرت کمیل کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، اگر ان کو بات چیت کی اجازت ہوتی تو یوں کہتے کہ بہترین توشہ تقویٰ ہے یہ فرما کر خوب روئے اور فرمایا اے کمیل قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے وقت اپنی زندگی کے کئے ہوئے اچھے اور برے اعمال معلوم ہو جاتے ہیں۔

حادثہ انتقال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۳۵ھ میں خلیفہ بنائے گئے اور تین دن کم پانچ سال خلیفہ رہے۔ ۱۸ رمضان ۴۰ھ کو عبدالرحمٰن ابن ملجم کے ہاتھ سے کوفہ میں شہید ہوئے، واقعہ کی اجمالی تاریخ یہ ہے کہ جنگ نہروان کے بعد مکہ معظمہ میں تین خارجیوں کا اجتماع ہوا، عبدالرحمٰن بن ملجم، عمرو ابن بکیر، برک بن عبداللہ، ان بدبختوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت معاویہ بن سفیان اور حضرت عمرو بن عاص کو قتل کر دیا جائے۔ ابن ملجم نے حضرت علیؓ کے قتل کی ذمہ داری لی۔ اور عمرو بن بکیر نے حضرت عمرو بن عاص کی اور برک نے حضرت معاویہ کے قتل کی ذمہ داری اٹھائی، ابن ملجم تو اپنی شقاوت آمیز ذمہ داری میں کامیاب ہوکر خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بنا اور وہ دونوں اپنے مقصد میں ناکام ہوئے۔ حضرت علی بہت سویرے مسجد میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور راہ میں سوتے والوں کو الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر اٹھاتے جاتے تھے۔ ایک رات میں ابن ملجم مسجد کے راستہ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب آپ اس کے قریب کو گذرے تو اس نے پیشانی مبارک پر تلوار ماری جو دماغ کے اندر تک جا پہنچی، داڑھی خون سے تر ہوگئی۔ لوگ اس حادثہ کو دیکھ کر دوڑ پڑے۔ ابن ملجم کو پکڑ لیا گیا۔ حضرت علی نے فرمایا اس کو ابھی قتل نہ کرنا۔ اگر میں اچھا ہوگیا تو میں جو چاہے معاملہ اپنے اختیار سے کروں گا۔ اور اگر انتقال کر گیا تو جس طرح اس نے ایک ضرب میرے لگائی ہے تم بھی لگا دینا۔ آپ کے انتقال کے بعد ابن ملجم کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بدنما واقعہ کی اطلاع بہت پہلے دے چکے تھے

ایک مرتبہ خود حضرت علی سے فرمایا تھا۔ اے علی پہلی اُمتوں میں سب سے زیادہ شقی وہ تھا جس نے حضرت صالح کی اونٹنی کے پاؤں کاٹے تھے اور پچھلوں میں سب سے زیادہ شقی وہ ہے جو تمہاری اس داڑھی کو تمہارے سر کے خون سے رنگین بنا دے گا۔

متفرق واقعات

(۱) حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہم پر کئی دن ایسے گذرے کہ نہ تو ہمارے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز تھی اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔ میں چلا جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک دینار پڑا ہوا ملا۔ تھوڑی دیر تو میں نے سوچا کہ اسے اُٹھاؤں یا نہ اُٹھاؤں۔ آخر کار میں نے اُسے اُٹھا لیا۔ کیونکہ میں اس وقت بڑی تنگی میں تھا اس کو لے کر بازار گیا اور آٹا خرید کر حضرت فاطمہ کے پاس لے گیا اور ان سے روٹی پکانے کو کہا۔ اُنھوں نے آٹا گوندھنا شروع کر دیا۔ مگر بھوک کی وجہ سے ان کی کمزوری کا یہ حال تھا کہ ان کی پیشانی کے بال آٹا گوندھنے کے برتن تک پہونچ رہے تھے۔ بہر حال اُنھوں نے روٹی پکائی۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا اس کو کھا لو کہ یہ اللہ پاک نے تم کو رزق دیا ہے۔

(۲) حضرت قیس بن ابی حازم فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ عمل کی بہ نسبت عمل کے مقبول ہونے کی طرف تقوی کے ذریعہ سے زیادہ کوشش کیا کرو کہ تقویٰ کے ہوتے ہوئے کوئی عمل بھی تھوڑا نہیں کہا جا سکتا۔ اور وہ عمل تھوڑا کس طرح ہو سکتا ہے جو قبول کر لیا جاوے۔

(۳) فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اللہ کی تقدیر پر راضی ہوگیا تو تقدیر تو اس پر جاری ہو ہی جائے گی اور اس رضامندی کا اس کو اجر ملے گا اور جو تقدیر الٰہی پر راضی نہ ہو تو تقدیر تو اس پر جاری ہو کر رہے گی۔ لیکن ایسے شخص کا عمل ضائع ہو جائیگا۔

(۴) فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں لہٰذا جو اس دُنیا میں سے کچھ لینا چاہے وہ کتوں کے ساتھ ملا جلا کرے۔

علامہ شعرانیؒ نے حضرت علی کے اس مقولہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس دُنیا سے مُراد وہ چیزیں ہیں جو حاجات ضروریہ سے زائد ہوں۔ اور جو چیزیں حاجت اور ضرورت کی ہیں وہ اس میں داخل نہیں (طبقات)

(۵) فرمایا ایک مرتبہ میرے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اہتمام سے یہ فرمایا تھا کہ اے علی تمہارے بارے میں دو فریق ہلاک ہوں گے۔ ایک وہ فریق جو محبت میں افراط اور زیادتی کرے گا اور ان باتوں پر میری تعریف کرے گا۔ جو مجھ میں نہیں۔ اور دوسرا فریق وہ ہلاک ہوگا جو مجھ سے بغض رکھے گا۔ اور میرے سے عداوت رکھنے کی بنا پر مجھ پر بہتان رکھے گا (مشکوٰۃ شریف)

---

(٦) حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ

نام مُبارک حسن اور کنیت ابوسعید تھی۔ اس کے علاوہ آپ کی دو کنیتیں اور بھی بتلائی جاتی ہیں ابومحمد اور ابوالنصر۔ آپ کے والد کا نام یسار تھا جو حضرت زید بن ثابت کے مولی تھے اور والدہ کا نام بی بی خیرہ تھا جو حضرت ام سلمہ کی باندی تھیں۔

آپ کے والد ۱۲ ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔

ولادت آپ کی ولادت حضرت عمر کے دور خلافت میں وصال فاروقی سے دو سال قبل مدینہ منورہ میں ہوئی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت حسن بصری جب پیدا ہوئے تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں لائے گئے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے ان کے منہ میں کھجور کا لعاب ٹپکایا اور فرمایا سموہ حسنا فانہ حسن الوجہ یعنی اس (بچہ) کا نام حسن رکھو کیونکہ خوبصورت چہرہ والا ہے۔

آپ کی تربیت و نگہداشت میں ام المومنین حضرت ام سلمہ کا بڑا حصہ ہے۔ حضرت ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ حسن بصری علی کے ہاتھ پر چودہ سال کی عمر میں بیعت ہوئے۔ اس کے بعد حسن بصری کوفہ اور بصرہ کی طرف چلے گئے۔

آپ کے تین فرزند، علی، محمد اور سعید تھے۔ اسی بنا پر آپ کی تین کنیتیں مشہور ہیں۔ حسن بصری ان تمام صفات سے متصف تھے جو ایک ولی کامل میں ہوتی ہیں۔ علم و عمل میں ان کا کوئی ہمسر نہیں تھا۔ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا دینی طبقہ ان کی تعریف اور مدح و ستائش میں رطب اللسان رہا ہے۔ حجاج بن ارطاۃ کہتے ہیں کہ میں نے عطاء بن ابی رباح سے حسن بصری کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ تم اس شخص کو مضبوطی سے پکڑلو۔ وہ بڑے امام ہیں ان کی پیروی کیجاتی ہے حماد بن سلمہ، یونس بن عبید اور حمید طویل سے نقل کرتے ہیں کہ ہم نے فقہاء بہت دیکھے ہیں۔ لیکن حسن بصری جیسا مروت والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔ حضرت اعمش

فرمایا کرتے تھے کہ حسن بصری ہمیشہ حکمت جمع کرتے رہے پھر اس کو کہنا شروع کیا۔ امام باقر فرمایا کرتے تھے کہ حسن بصری کا کلام انبیاً کے مشابہ ہوتا ہے۔ آپ ہمیشہ باوضو رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رات کو ستّر مرتبہ سے زائد بیدار ہوئے اور ہر مرتبہ وضو فرما کر دو رکعت نماز پڑھی۔

اوصاف حمیدہ

حضرت حسن ورع و پرہیزگاری اور زہد و تقویٰ میں بے مثال تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری دین کی بنیاد ہے۔ لالچ اور حرص اس بنیاد کو ختم کر دیتے ہیں۔

سنّتِ نبوی کے ساتھ والہانہ اور عاشقانہ تعلق رکھتے تھے۔ زائد سے زائد اتباعِ سنت کا لحاظ فرماتے۔ دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔ خوف و خشیت حد درجہ آپ میں موجود تھا۔ بسا اوقات فرمایا کرتے تھے کہ اس خوف سے روتا ہوں کہ کہیں کوئی ایسا قصور نہ مجھ سے سرزد ہو گیا ہو جس کی وجہ سے حق تعالیٰ یہ فرما دیں کہ اے حسن ہماری درگاہ میں تمہارا کچھ مرتبہ نہیں رہا۔ اور اب ہم تمہاری کوئی عبادت قبول نہیں کرتے۔

ایک مرتبہ کسی جنازہ کے ہمراہ قبرستان تشریف لے گئے تدفین کے بعد آپ قبر کے سرہانے پر بیٹھ کر خوب روئے۔ پھر فرمایا اے لوگو! خبردار ہو جاؤ۔ دُنیا کی انتہا اور آخرت کی ابتدا یہی قبر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے۔ لہٰذا ایسی دُنیا سے کیوں محبت رکھتے ہو جس کا انجام یہ قبر ہے اور اس قیامت سے کیوں نہیں ڈرتے جس کی ابتداء یہ قبر ہے آپ کی یہ نصیحت کچھ ایسے درد بھرے الفاظ میں تھی کہ سارا ہی مجمع رونے لگا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی

شخص مرجاتا ہے اور اس کے گھر والے رونا شروع کرتے ہیں تو ملک الموت اس مکان کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ میں نے اس کی روزی نہیں کھالی یہ اپنی روزی ختم کر چکا تھا میں نے اس کی عمر کم نہیں کی۔ مجھے تو اس گھر میں پھر آنا ہے اور بار بار آنا ہے اتنے سب ختم نہ ہو جائیں پھر فرمایا خدا کی قسم اگر گھر والے اس وقت اس فرشتہ کو دیکھ لیں اور اس کی بات سُن لیں تو مُردہ کو بھول کر اپنی فکر میں پڑ جائیں۔

تواضع و انکساری آپ میں بہت تھی۔ ہمیشہ اپنے آپ کو ایک معمولی آدمی بلکہ اس سے بھی کمتر سمجھا۔ ایک دفعہ کسی شخص نے دریافت کیا کہ حسن تم بہتر ہو یا تمہارے مقابلہ میں ایک کتا بہتر ہے۔ بسا اوقات کسی اوقات کسی کتے کو دیکھ کر فرماتے کہ اے اللہ مجھے اس کتے کے صدقے میں قبول فرمالے۔

اُن کا ارشاد ہے کہ آدمی سے جب تہجد چھوٹتا ہے تو کسی گناہ کی وجہ سے چھوٹتا ہے۔ شروع رات میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرو۔ اور دن میں اگر کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کر لیا کرو تاکہ تہجد نصیب ہو۔ ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ تہجد اس شخص پر گراں ہوتا ہے جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں لہ

حضرت حسن بصری کو حق تعالیٰ شانہ نے تقریر کرنے کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا ہفتہ میں ایک بار وعظ ہوتا تھا۔ عوام کی بہت بڑی تعداد آپ کا وعظ سُننے کے لئے جمع ہوا کرتی تھی جس میں اپنے اپنے زمانے کے صلحا و اتقیا تک شریک ہوا کرتے تھے۔

لہ تنبیہ المغترین۔

لیکن ایک خاص دستور آپ کا یہ تھا کہ جس وعظ میں حضرت رابعہ بصریہ شریک ہوتیں آپ بھی وعظ نہ فرماتے۔ لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا جو شربت ہاتھیوں کے برتن میں آتا ہو اس کو چیونٹی کے برتن میں کیسے بھرا جا سکتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب بصرہ میں تشریف لائے تو حسن بصری کی محفل میں تشریف لیجا کر دریافت کیا کہ حسن تم عالم ہو یا طالب علم۔ فرمایا کچھ بھی نہیں ہاں جتنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے اس کو بتلا دیتا ہوں۔ حضرت علی نے فرمایا یہ جوان وعظ کہنے کے لائق ہے۔ یہ فرما کر وہاں سے روانہ ہو گئے اور تمام واعظوں کو وعظ کہنے کی ممانعت کر دی

واقعات اور ارشادات

کتب تواریخ میں آپ کے بہت سے واقعات اور ارشادات موجود ہیں۔ جن میں سے چند جو اس کتاب کے موضوع کے مناسب ہیں یہاں تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ حضرت حسن بصری سے کسی نے کہا کہ یہاں ایک شخص ہے جو ہمیشہ تنہا رہتا ہے۔ ایک دن حسن بصری اس سے ملنے گئے۔ اور فرمایا تم خلوت پسند آدمی معلوم ہوتے ہو؟ لوگوں سے کیوں ملاقات نہیں کرتے۔ کہا کہ ایک کام میں مشغول رہتا ہوں اس وجہ سے لوگوں سے ملنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ فرمایا۔ یہاں حسن بصری رہتے ہیں ان سے ضرور ملاقات کیا کرو۔ ان کے پاس جاتے رہا کرو۔ کہنے لگا جس کام کی وجہ سے اور لوگوں سے نہیں ملتا حسن بصری سے بھی نہیں مل سکتا۔ دریافت کیا کہ وہ کونسا کام ہے۔ کہنے لگا جب صبح کرتا ہوں تو اللہ کی نعمتیں اور اپنے گناہوں کو دیکھتا ہوں۔ پس نعمتوں کا شکر اور گناہوں سے توبہ کرتا رہتا ہوں۔ فرمایا تو تو حسن بصری

سے بھی زیادہ سمجھدار ہے۔ بس اپنے ہی کام میں مشغول رہنا۔

(۲) حضرت حسن بصری نے ایک نوجوان آدمی کو دیکھا کہ ہنسنے میں مشغول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو پل صراط پر کو گذرا ہے اس نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے پوچھا کہ تجھے معلوم ہے کہ تو جنت میں جائیگا یا دوزخ میں۔ اس نے عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا کہ پھر یہ ہنسی کیسی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اس قصہ کے بعد اس کو کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

(۳) فرمایا کرتے تھے کہ دوزخ میں سے ایک شخص ایک ہزار سال بعد نکلے گا کیا ہی اچھا ہو کہ وہ آدمی میں ہی ہوں۔

(۴) فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جل شانہ کسی بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو اہل و عیال میں مشغول نہیں ہونے دیتے۔ (یہاں یہ بات خاص طور سے یاد رکھنے کی ہے کہ اہل و عیال کے حقوق کی ادائیگی اور چیز ہے اور ان میں مشغول ہونا دوسری چیز ہے۔

(۵) فرمایا کرتے تھے کہ تواضع کی شرط یہ ہے کہ جب آدمی گھر سے نکلے تو جس کو بھی دیکھے اپنے سے افضل سمجھے۔

(۶) فرمایا کرتے تھے کہ جب آدمی سے گناہ ہو جائے اور پھر وہ سچی توبہ کرے تو پھر اس توبہ سے اللہ تعالیٰ شانہ کے یہاں تقرب میں زیادتی ہوتی ہے۔

(۷) ایک شخص نے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی۔ تو فرمایا کہ ذکر کی مجلسوں میں شریک ہوا کرو۔

(۸) فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے ان اکابر کو پایا ہے کہ جو حلال چیزوں میں

بھی اتنی بے رغبتی فرمایا کرتے تھے جتنی تم حرام چیزوں میں بھی بے رغبتی نہیں کرتے۔

(۹) فرمایا کرتے تھے کہ لالچ عالم کو عیب دار بنا دیتا ہے۔ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ جو آدمی بھی روپیہ پیسہ کو عزیز سمجھتا ہے اس کو اللہ ذلیل کر دیتا ہے۔

(۱۰) فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا تیرے لئے ایک سواری ہے اگر تو اس پر سوار ہوگا۔ جب تو وہ تجھ کو منزل تک پہنچا دے گی۔ لیکن اگر وہ تجھ پر سوار ہوگئی تو تجھ کو ہلاک و برباد کر دے گی۔

(۱۱) فرمایا کرتے تھے کہ اگر تیری کسی سے دشمنی ہو جائے اور وہ اللہ کا مطیع اور اس کا فرمانبردار ہو تو اس کے ساتھ دشمنی کرنے سے بچنا۔ کیونکہ اس کو اللہ تیرے حوالہ نہیں کرے گا۔ اور اگر وہ گنہگار ہے تو وہ اپنے کئے ہوئے کو خود دیکھ لے گا لہٰذا تو اس کی عداوت سے پریشان مت ہو۔ لہ

(۱۲) ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ یہ حدیث پڑھ رہا تھا۔ المرء مع من احبّ (یعنی آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ وہ محبت رکھے) تو فرمایا اس حدیث سے دھوکہ میں مت آجانا یہ معیت اسی وقت ہوگی جب کہ تو ان جیسے اعمال بھی کریگا۔

(۱۳) معمول تھا کہ جب کوئی شخص ان کی غیبت کرتا تو اس کو تحفہ بھیجا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو ہدیہ (غیبت کا) تم نے مجھے بھیجا ہے وہ میرے ہدیہ سے بہت بڑھ کر ہے۔

(۱۴) فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اللہ کے لئے محبت کا دعویٰ کرے اور پھر وہ

لہ از نمبر ۴ تا نمبر ۱۱ منقول از طبقات شعرانی

اس سے اس کے گناہوں کی وجہ سے نفرت نہ کرے تو وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے کہ مجھکو اللہ واسطے کی محبت ہے[1]

انتقال ہشام بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں باختلاف روایات چار محرم یا یکم رجب ۱۱۰ھ میں نواسی ۸۹ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور بصرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ انتقال کے وقت ایک عجیب قصہ پیش آیا کہ آپ نے ہنسکر فرمایا کون کون گناہ؟ اس کے بعد انتقال فرما گئے۔ ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا اور انتقال کے وقت ہنسنے کی وجہ دریافت کی اور اس جملہ کا مطلب پوچھا۔ فرمایا نزع کے وقت میں نے سُنا تھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ اے ملک الموت۔ ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کرو۔ کیونکہ اس کا ایک گناہ باقی ہے۔ اس پر مجھے خوشی ہوئی تھی اور میں نے ہنسکر دریافت کیا تھا کہ کون کون گناہ۔

صاحب سیر الاقطاب نے آپ کے پانچ خلیفہ شمار کرائے ہیں۔ ان میں ہمارے سلسلہ مذکورہ میں شیخ عبدالواحد بن زیدؒ ہیں اس لئے اب اُنھیں کے حالات سُپردِ قلم کئے جاتے ہیں۔

---

(۷) خواجہ عبدالواحد بن زید ابوالفضل قدس سرہٗ

آپ خواجہ حسن بصریؒ کے اجل خلفاء میں ہیں۔ صائم الدہر قائم اللیل اکابر میں

---

[1] از نمبر ۱۲ تا نمبر ۱۴ منقول از تنبیہ المغترین

تھے۔ تین روز بعد افطار فرماتے اور پھر بھی تین چار لقموں سے زیادہ تناول نہیں فرماتے۔ زہد کا غلبہ اس قدر تھا کہ جو کچھ پاس ہوتا تھا سب خدا کے راستہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ دینار و درہم اگر کسی کے دینے کے واسطے بھی ہاتھ میں لیتے تھے تو ہاتھ دھویا کرتے۔ ماویٰ و ملجاء فقہاء امام اعظمؒ کے شاگرد بھی ہیں۔ بیعت سے قبل چالیسؒ سال تک مجاہدات میں مشغول رہے۔ علوم ظاہریہ میں بھی حضرت حسنؓ کے شاگرد ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔ سلوک میں آپ کی ابتدا اس طرح پر ہوئی کہ آپ کا ایک غلام تھا جس نے اس معاہدہ پر کہ رات کے وقت مجھے رخصت دی جائے رات کے عوض ایک دینار دوں گا۔ اپنے آپ کو رات کی حاضری سے مستثنیٰ کر لیا تھا۔ کسی شخص نے آپ سے شکایت کی کہ وہ رات کو زرگری کا کام کرتا ہے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ شکایت اس امر کی تھی کہ رات کو مردوں کا کفن چُراتا ہے۔ آپ نے امتحان کے لئے ایک شب اس کا تعاقب کیا وہ غلام تھوڑی دور جا کر ایک قبرستان میں پہنچا اور وہاں نماز میں مشغول ہو گیا، صبح تک نماز پڑھتا رہا۔ اور صبح کے وقت دُعا مانگی اور پھر یہ عرض کیا کہ اے میرے بڑے سردار میرے چھوٹے سردار کی اجرۃ بھی دے۔ اس پر ایک دینار اس کے ہاتھ میں آ گیا وہ لے کر چلا آیا مگر یہ وہیں چھپ رہے۔ اور وضوء کر کے اپنے خیال کی استغفار میں دو رکعت صلوٰۃ التوبہ پڑھی۔ اور نیت کر لی کہ اس کو آزاد کر دوں گا۔ صبح کو وہاں کے لوگوں سے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا مکان دو سال کے راستہ پر ہے۔ سخت متحیر ہوئے۔ ایک سوار سامنے سے آیا اور پوچھا کہ عبدالواحد کیسے بیٹھے ہو۔ آپ نے قصّہ سُنایا اس نے کہا کہ جاؤ مت۔ تمہارا مکان تیز گھوڑے کی چال سے دو سال

کے راستہ پر ہے۔ رات کو وہی غلام آوے گا اس کے ساتھ جاتا اور واقعی بجز اس کے چارہ ہی نہ تھا کہ انتظار کریں۔ دوسری شب پھر وہ غلام آیا اور مختلف اقسام کے کھانے اپنے ہمراہ لایا۔ اور شیخ سے عرض کیا کہ کھا لیجئے اور پھر ایسا کبھی نہ کیجئے۔ آپ نے نوش فرمایا۔ اور وہ بدستور عبادت میں مشغول ہوا۔ صبح کے وقت حسب دستور دینار آ گیا۔ یہ دونوں دینار لے کر خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیش کر دیئے خواجہ ان کے ساتھ چند قدم چلے کہ مکان آ گیا اس نے عرض کیا کہ آپ نے آزاد کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ آپ نے تسلیم فرما لیا اور آزاد کر دیا۔ اس نے بہت شکریہ ادا کیا۔ اور ایک پتھر یا چند کنکریاں بحق آزادی نذر کیں۔ اور غائب ہو گیا۔ صبح کو اُٹھ کر دیکھا تو وہ بڑے قیمتی جواہر تھے ان کو فروخت کیا اور فقراء کو تقسیم کر دئے۔ اور اسی وقت سے ترکِ دنیا شروع کر دی۔

شیخ عبدالواحد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میری پنڈلی میں درد ہوا۔ اس کی وجہ سے نماز پڑھنے میں بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ ایک رات جو میں نماز کے لئے اُٹھا تو اس میں سخت درد ہوا اور بمشکل نماز پوری کی اور چادر سرہانے رکھ کر سو گیا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی چند دوسری لڑکیوں کے ہمراہ میرے پاس آ کر بیٹھی۔ بقیہ لڑکیاں اس کے پیچھے بیٹھیں۔ ان میں سے ایک کو اس نے کہا کہ اس شخص کو اٹھاؤ مگر دیکھو بیدار نہ ہونے پائے۔ چنانچہ وہ سب کی سب میری طرف متوجہ ہوئیں اور سب نے ملکر مجھے اُٹھایا۔ پھر اس نے کہا کہ ان کے لئے نرم نرم بستر بچھاؤ اور تکیے رکھو انھوں نے سات بستر اوپر تلے بچھائے اور اس پر بہت خوبصورت سبز رنگ کے تکیے رکھے۔ ایسے بستر اور تکیے میں نے عمر بھر نہیں دیکھے تھے۔ پھر حکم دیا کہ اس کو فرش پر لٹا دو۔ مگر دیکھو اس کی آنکھ

نہ کھلے۔ اس کے کہنے کے مطابق اُنھوں نے مجھے بستر پر لٹا دیا۔ میں ان کو دیکھتا رہا اور اُن کی باتیں سُنتا رہا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ ان کے لئے چاروں طرف پھول رکھو۔ ان سب نے میرے چاروں طرف پھول رکھدیئے۔ پھر وہ لڑکی میرے پاس آئی اور اپنا ہاتھ اس درد کی جگہ رکھا اور ہاتھ سے سہلایا پھر کہنے لگی کھڑا ہو نماز پڑھ۔ حق تعالیٰ نے تجھے صحت دی۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اپنے آپ کو تندرست پایا اور وہ دن سے آج کا دن ہے میں کبھی بیمار نہیں ہوا۔ اور میرے دل میں اب تک اس کے اس جملہ کی حلاوت موجود ہے کہ "کھڑا ہو، نماز پڑھ" اللہ تعالیٰ نے تجھے شفا بخشی۔

فرماتے ہیں کہ ایک رات مجھے ایسی نیند آئی کہ میرے اوراد، وظائف سب چھوٹ گئے۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی آئی جس سے زائد حسین میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ ریشمی لباس پہن رہی تھی اور اس کے پاؤں کے جوتے تسبیح کر رہے تھے اور اس کے قسمے تقدیس۔ مجھ سے کہنے لگی اے ابن زید! میری طلب میں کوشش کر۔ کیونکہ میں تیری طلب میں ہوں۔ پھر اس نے ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ جو مجھے خریدے اور میرے دل کی چین و آرام بنے وہ اپنی تجارت کے نفع میں خسارہ سے محفوظ رہے گا۔ میں نے پوچھا تیری قیمت کیا ہے؟ کہنے لگی۔ میری قیمت اللہ کے ساتھ محبت اور محبت کے ساتھ اس کی اطاعت ہے اور میری قیمت ایسا طویل فکر ہے جو غم کے ساتھ ہو۔ میں نے پوچھا۔ اے لڑکی تیرا مالک کون ہے اس نے جواب دیا کہ میرا مالک وہ ہے کہ اگر کوئی خواہش کرنے والا اس کے پاس میری قیمت لائے تو وہ اس قیمت کو واپس نہیں کرتا بلکہ قبول کر لیتا ہے۔

کہتے ہیں کہ شیخ عبدالواحد یہ خواب دیکھ کر جاگ گئے اور اس کے بعد قسم کھالی کہ رات کو کبھی نہیں سوؤں گا۔ چنانچہ پھر یہ حال ہوا کہ صبح کی نماز چالیس سال تک عشار کی وضو سے پڑھی۔

فرماتے ہیں کہ میں ملک چین میں ایک راہب کی عبادت گاہ پر پہنچا۔ اور پکار کر آواز دی اے راہب اے راہب! اس نے جواب نہ دیا۔ میں نے دوسری مرتبہ آواز دی پھر بھی اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ تیسری مرتبہ آواز دینے پر اُس نے مجھے جھانک کر دیکھا اور کہا کہ میں راہب نہیں ہوں۔ راہب وہ ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو جو آسمانوں پر ہے اور اس کی بڑائی کی تعظیم کرتا ہو۔ اور اس کی بلاؤں پر صبر کرتا ہو اور اس کی قضاء پر راضی ہو اور اس کی بخششوں پر تعریف کرتا ہو اس کی نعمتوں پر شکر اور اُس کی عظمت کے سامنے ذلت اختیار کرے۔ اس کی قدرت تسلیم کرے۔ اس کی ہیبت کے آگے سر جھکائے۔ اس کے حساب و عذاب کی فکر کرتا رہے۔ دن میں روزے رکھے اور رات کو نماز پڑھے۔ اس کو دوزخ کے ذکر نے بیدار کر رکھا ہو وہ شخص راہب کہلاتا ہے اور میں تو ایک پھاڑ کھانیوالا کتا ہوں۔ اپنے آپ کو اس جگہ پر قید کر رکھا ہے تاکہ کسی کو اپنی زبان سے نہ پھاڑ کھاؤں۔ میں نے دریافت کیا اے راہب کس چیز نے مخلوق کو اللہ کی کی طرف سے بہکا دیا؟ کہنے لگا اے بھائی اللہ کی معرفت کے بعد جس نے اس سے لوگوں کو بہکا دیا ہے وہ دُنیا کی محبت ہے اور دُنیا کی زیب و زینت ہے کیونکہ یہی چیز نافرمانی کی جڑ ہے۔ عقلمند وہ ہے جو اس چیز کو دل سے نکال دے اور اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کرے۔ اور جو چیزیں اللہ سے قریب کرنے والی ہوں

ان کی طرف متوجہ رہے

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور ایوب سختیانی ملک شام کے راستہ میں سفر کر رہے تھے۔ ہم کو ایک حبشی آدمی ملا جو لکڑیوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھا۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ اے حبشی تیرا رب کون ہے؟ کہنے لگا میرے جیسے آدمی سے تو یہ سوال کرتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ بوجھ زمین پر رکھ دیا۔ اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہنے لگا اے اللہ اس کو سونا بنا دے۔ چنانچہ وہ بوجھ سونا بن گیا پھر ہم سے کہنے لگا اس کو دیکھو۔ اس کے بعد کہنے لگا اے خدا اس کو لکڑیاں بنا دے۔ چنانچہ وہ لکڑیاں بن گئیں۔ پھر کہنے لگا عارفین سے سوال کرتے رہو۔ ان کے عجائب ختم نہیں ہوتے۔ حضرت ایوب فرماتے ہیں کہ میں اس حبشی کی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گیا اور بڑا شرمندہ ہوا۔ پھر ہم نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے اس پر اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو ایک پیالہ ہمارے سامنے آگیا جس میں شہد تھا اور ایسا تھا کہ برف سے بھی زیادہ سفید اور مشک سے زیادہ خوشبودار۔ کہنے لگا اس کو کھا لو یہ شہد مکھیوں کا شہد نہیں ہے۔ ہم نے کھایا تو اس سے میٹھی چیز کوئی نہیں دیکھی تھی ہم لوگوں کو اس پر تعجب ہو رہا تھا۔ کہنے لگا ایسی کرامتوں پر تعجب کرنے والا عارف نہیں ہوتا اور جو تعجب کرے سمجھ لو کہ وہ اللہ سے دور ہے۔ اور جو کرامتوں کو دیکھ کر عبادت کرتا ہے وہ شخص اللہ تعالیٰ سے جاہل اور ناواقف ہے۔

خوارق و کرامات

آپ بڑے صاحب کرامت و خوارق تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی دریا پر گذر ہوا۔ ملاح اہل ثروت کو دام

لے کر کشتی پر بٹھا رہا تھا اور جن کے پاس دام نہ تھے ان کو چھوڑتا جاتا تھا آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ دریا سے عبدالواحد کی طرف سے کہدو کہ خشک ہو جاوئے۔ ان فقراء نے آپ کا پیام پہونچا دیا۔ دریا اس قدر کم ہوگیا کہ یہ لوگ بے تکلف گذر گئے۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی کرامات ہیں۔ ایک مرتبہ غلبۂ نیند میں رات کا وظیفہ فوت ہوگیا تو آپ نے ایک حور کو یا دصا قہا خواب میں دیکھا جو آپ سے کہہ رہی تھی کہ اے ابوزید میرے ملنے کی طلب کر کہ میں تیری طلب میں ہوں اس پر آپ نے رات کو نہ سونے کا عزم کرلیا اور چالیس سال تک صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس کچھ جماعت فقراء کی بیٹھی تھی۔ پاس کچھ تھا نہیں۔ بھوک نے غلبہ کیا حضرت سے درخواست کی۔ حضرت کی دُعاء سے دینار برسے۔ ان کا حلوا خریدا گیا اور سب نے کھایا مگر حضرت شیخ نے اس میں سے تناول نہیں فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ کشتی میں سوار تھے کہ ہوا کے زور سے ایک جزیرہ میں پہونچے، وہاں ایک بُت پرست تھا آپ نے اس سے پوچھا کہ کس کی پرستش کرتا ہے اس نے اپنے بُت کو پیش کیا آپ نے اس کو اسلام کی طرف دعوت دی اور فرمایا کہ حقیقت میں عبادت کے قابل وہی ذات ہے جو ہر چیز کی خالق ہے۔ اس نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ کا وجود کس چیز سے معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا رسولؐ سے اس نے عرض کیا کہ رسولؐ نے کیا کہا۔ آپ نے فرمایا تبلیغ اور تعلیم اس کی تکمیل کے بعد تشریف لے گئے۔ اس لئے عرض کیا کہ کوئی علامت اپنی حقانیت کی آپ کو دے گئے۔ آپ نے فرمایا کلام اللہ! اُس نے سُنا اور سُن کر کہہ اُٹھا کہ واقعی اس کلام کا قائل ایسی ذات نہیں کہ جس کی نافرمانی کیجائے اور صدق دل سے مسلمان ہوا۔ اور واپسی پر حضرت شیخ کے ہمراہ اس جزیرہ سے

آگیا۔ ایک جگہ پہونچکر حضرت نے اپنے رفقاء سے اس کے لئے کچھ چندہ کیا جب اس کو دیا گیا اس نے قبول نہیں کیا۔ اور کہا کہ میں جب کہ ایک بُت کی پرستش کرتا تھا اور اللہ کو جانتا بھی نہیں تھا تو اُس نے مجھ کو ضائع نہیں کیا اور اب جب کہ میں اس کی پرستش کرتا ہوں وہ مجھ کو ضائع نہیں کرے گا۔ اس لئے پیسوں کی ضرورت نہیں۔ رات کے وقت جب سب لوگ نماز کے بعد سونے لگے تو اُس نے دریافت کیا کہ کیا حق سبحانہٗ بھی رات کو سوتے ہیں۔ سب نے کہا کہ ہوالحی القیوم لا تاخذہٗ سنۃٌ ولا نوم۔ تو اُنھوں نے فرمایا کہ تم کیسے غلام ہو کہ تمہارا مولیٰ جاگتا رہے اور تم سوتے رہو۔ سب کو اس کی پختگی اور ذکاوت پر تعجب ہوا۔ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا تھا اور چند روز بعد انتقال کیا۔ خواجہ نے خواب میں اس کے مراتب عالیہ کو جنت میں دیکھا۔ آپ اخیر عمر میں سخت بیمار ہو گئے تھے کہا جاتا ہے کہ فالج پڑا تھا۔ طاقت وضو وغیرہ کی بھی نہیں تھی اتفاقاً ایک دن نماز کے وقت کوئی خادم موجود نہیں تھا۔ آپ کو اضطراب ہوا۔ دُعا کی فوراً اچھے ہو گئے کہ نماز نہایت اطمینان سے ادا کر لی اور پھر مرض فوراً عود کر آیا۔ یہ ہی حضرت عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ میں تین رات تک مسلسل یہ دُعا کرتا رہا کہ یا اللہ جنت میں جو میرا رفیق ہو اس کی مجھے دنیا میں ملاقات کرا دے۔ تین دن کے بعد مجھے بتایا گیا کہ تیری ساتھی میمونہ سوداء ہیں (جو ایک حبشی عورت تھیں اتنی کالی کہ ان کا لقب ہی سوداء ہو گیا تھا) میں نے پوچھا کہ وہ کہاں ملیں گی؟ مجھے بتایا گیا کہ کوفہ کے فلاں قبیلہ میں ہیں۔ میں ان سے ملنے چلدیا۔ کوفہ پہونچکر میں نے ان کا حال دریافت کیا مجھے بتایا گیا کہ وہ بکریاں چرایا کرتی ہیں۔ فلاں جنگل میں ہیں۔ میں اس جنگل میں پہنچا وہ ایک

گدڑی اوڑھے نماز پڑھ رہی تھیں۔ اُن کے قریب ہی بکریاں اور بھیڑیئے اکٹھے چر رہے تھے۔ جب میں پہنچا۔ تو اُنھوں نے اپنی نماز کو مختصر کر کے سلام پھیرا اور سلام پھیرنے کے بعد کہنے لگیں عبدالواحد آج نہیں آج تو چلے جاؤ ملاقات کا وعدہ کل کو (قیامت میں) ہے۔ میں نے اُن سے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ میں عبدالواحد ہوں ؟ کہنے لگیں تمہیں معلوم نہیں کہ روحیں (ازل میں) سب ایک لشکر کی طرح مجتمع تھیں۔ جن کا وہاں آپس میں تعارف ہوگیا ان کا یہاں بھی تعارف ہو جاتا ہے (یہ ایک حدیث پاک کا مضمون ہے جو مشہور حدیث ہے) میں نے ان سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کر دیجئے کہنے لگیں بڑے تعجب کی بات ہے جو خود واعظ ہو دوسرے سے نصیحت کی درخواست کرے (تم تو خود ہی بڑے واعظ ہو)۔ اس کے بعد اُنھوں نے کہا۔ مجھے بزرگوں سے یہ بات پہنچی ہے کہ جس بندہ کو حق تعالیٰ شانہٗ دُنیا کی کوئی نعمت (مال دولت وغیرہ) عطا فرمائے اور وہ شخص پھر بھی اس کی طلب میں لگا رہے تو حق شانہٗ اس شخص سے اپنی ساتھ تنہائی کی محبت زائل کر دیتے ہیں اور اپنے سے بُعد اس پر مسلط کر دیتے ہیں اور اپنے ساتھ اُنس کے بجائے اپنے سے وحشت اس پر سوار کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد اُنھوں نے پانچ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اے واعظ تو لوگوں کو وعظ نصیحت اور تنبیہ کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو لوگوں کو گناہ سے روکتا ہے حالانکہ تو خود ان گناہوں کا بیمار ہے ان میں مبتلا ہے۔ اگر تو دوسروں کو نصیحت سے پہلے اپنی اصلاح کر لیتا اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا تو تیرے کہنے کا ان کے دلوں پر اثر پڑتا لیکن جب تو ایسی حالت میں دوسروں کو منع کرتا ہے کہ تو خود ان میں مبتلا ہے تو تو اپنے اس منع کرنے

میں خود شک میں ہے (اور جس کو خود کسی بات میں تردد ہو وہ دوسرے کو زور سے کیا کہہ سکتا ہے) میں نے پوچھا کہ تمہاری بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ ہی چر رہی ہیں بھیڑیئے اُن کو کچھ کہتے نہیں ؟ کہنے لگیں کہ جا اپنا کام کر میں نے اپنے سردار سے صلح کر لی اس نے میری بکریوں اور بھیڑیوں میں صُلح کر دی ؎۱

یہ عجیب بات میں نے اپنے چچا جان مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے یہاں ہمیشہ دیکھی کہ ان کے مکان میں کئی کئی بلیاں اور مُرغیاں تمام دن اکٹھی پھرتی رہتی تھیں پڑی گری چیز کھاتی رہتیں نہ وہ مُرغیاں بلیوں سے بھاگتیں نہ وہ بلیاں مُرغیوں کو کچھ کہتیں۔

وفات

آپ کی وفات میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ۲۷ صفر سنہ ۱۷۰ھ ہے اور بعض کے نزدیک سنہ ۱۷۷ھ یا ۱۷۸ھ نیز سنہ ۱۷۶ھ اور سنہ ۱۸۶ھ بھی کہا گیا ہے اور بصرہ میں آپ کا مزار ہے۔ آپ کے اجل خلفاء تین شخص ہیں، خواجہ فضیل بن عیاض، خواجہ ابوالفضل بن رزین، خواجہ ابویعقوب سوسی۔ ان حضرات میں چونکہ ہمارے شجرہ مذکور میں اول الذکر ہیں اس لئے آئندہ ان کا تذکرہ کرتے ہیں ؎۲

(۸) خواجہ فضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر التمیمی رحمہما اللہ

ابوعلی اور ابوالفضل آپ کی کنیت ہے۔ بعض نے ابوالفیض بھی لکھی ہے

؎۱ روض

؎۲ خزینۃ الاولیاء، سیر الاولیاء تعلیم الدین، روضۃ الریاحین ۱۲

اصل وطن آپ کا کوفہ تھا۔ سمرقند یا بخارا میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ آپ کو خلافت خواجہ عبدالواحدؒ کے علاوہ ابو عیاض بن منصور بن معتمر سلمی عن محمد بن مسلم عن حماد بن حبیب عن ابی بکرا لصدیقؓ سے بھی حاصل ہے اور اس طرح سے یہ سلسلہ حضرت صدیق اکبرؓ کے واسطہ سے حضورؐ تک پہنچتا ہے۔ خواجہ فضیل بھی صائم الدہر تھے پانچ پانچ دن کے مسلسل روزہ رکھتے تھے اور پانسو رکعت نوافل روزانہ ادا کرتے تھے۔ صاحب انوار العارفین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وضو میں سہو سے کسی عضو کو بجائے تین بار کے دو بار دھو لیا تھا۔ شب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فضیل تم سے سے بعید ہے کہ وضو میں میری سنت چھوڑ دو۔ خواجہ اس کی ہیبت سے بیدار ہوگئے اور اپنے اوپر پانسو نوافل روزانہ کا ایک سال کے لئے کفارہ مقرر فرمایا۔

ابتدائی زندگی آپ اول ڈاکوؤں کے سردار تھے۔ سب ڈاکو آپ ہی کے پاس جمع رہتے تھے۔ لیکن جماعت کی نماز روزہ اور نوافل کا اہتمام رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ لوٹ کے ارادہ سے جا رہے تھے کہ یہ آیۃ کان میں پڑی الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبہم لذکر اللہ۔ اس آیۃ کا کان میں پڑنا تھا کہ نہ معلوم کیا اثر کر گئی کہ زار زار رونے لگے۔ وآن وحان وانا ب کہتے تھے۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ کو جب کوئی کام مقصود ہوتا ہے اس کے مناسب اسباب مہیا فرما دیتے ہیں۔ آپکی عادت اول ہی سے یہ تھی کہ جب کسی سے مال چھینتے تو اس کی مقدار کیفیت وغیرہ لکھ لیا کرتے تھے جب آپ نے توبہ کی تو اپنی لکھی ہوئی رقمیں واپس کیں۔ ایک یہودی شخص نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ میری تھیلی میں

سونا بھرا ہوا تھا۔ اُنھوں نے ہر چند قسمیں کھائیں۔ عاجزی کی مگر اُس نے ایک نہیں مانی۔ بالآخر اس نے خود ہی یہ فیصلہ کیا کہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ بدون سونے کی تھیلی کے تیرا قصور معاف نہیں کروں گا۔ اس لئے اندر وہ کیسہ جو رکھا ہے وہ لاکر مجھے دیدے تاکہ میں تیرا قصور معاف کروں۔ اُنھوں نے وہ کیسہ لاکر دیدیا یہودی نے اس کو کھولا تو وہ سونا تھا۔ دیکھ کر اُس نے کہا کہ مجھے یقین کامل ہوگیا کہ تو نے سچی توبہ کرلی ہے اس لئے کہ یہ تھیلی ریت کی تھی اور میں نے توریت میں دیکھا ہے کہ جس کی توبہ سچی ہوتی ہے اس کے ہاتھ میں اگر ریت بھی ہو تو سونا ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ بھی مسلمان ہوگیا۔

ایک مرتبہ آپ چلے جا رہے تھے کہ ایک قافلہ پر گذر ہوا۔ وہ قافلہ والے آپس میں ذکر کر رہے تھے کہ ان اطراف میں فضیل نام کا ایک رہزن ہے اس کا خوف ہے آپ کے کانوں میں اس کا ذکر پڑا۔ آپ نے فرمایا کہ تجھ کو مبارکباد ہو اس نے توبہ کرلی ہے اور وہ اب تم لوگوں سے ایسا ہی ڈرتا ہے جیسے تم اس سے ڈرتے ہو۔ اس کے بعد خواجہ فضیل کوفہ گئے اور امام صاحبؒ کی خدمت میں چندے مقیم رہے۔ وہاں سے خواجہ حسن بصری سے بیعت کے خیال سے بصرہ آئے مگر خواجہ صاحب کا وصال ہو چکا تھا اس لئے خواجہ عبدالواحد سے بیعت ہوئے آپ ہمیشہ لوگوں کے لئے پانی بھرا کرتے تھے اور اس کی اُجرت سے اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ خواجہ ابو علی فرماتے ہیں کہ تیس۳۰ برس حضرت کی خدمت میں رہا ہوں حضرت کو ایک دفعہ کے سوا کبھی ہنستے نہیں دیکھا حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت فضیل سے سُنا ہے کہ جو شخص یا ست

کا طالب ہوتا ہے وہ ذلیل ہوتا ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ مجھ کو کوئی وصیت کیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ چھوٹا بن کر رہ بڑا بن کر مت رہنا۔ آپ کو بھی حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ کا مقولہ ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ شانہ کی معرفت، محبت بغیر خوف کے حاصل کرے گا وہ فرحت اور ناز میں ہلاک ہو جائیگا۔ اور جو خوف بلا محبت حاصل کرے گا وہ بعد و توحش میں منقطع ہو جائے گا۔ اور جو شخص خوف مع محبت کے حاصل کریگا حق تعالیٰ شانہ اس کو قرب واکرام کے ساتھ نوازیں گے۔ آپ کا مقولہ ہے کہ ایمان کی تکمیل جب ہوتی ہے کہ آدمی جملہ مامورات کو ادا کرے۔ اور منہیات سے بچے اور تقدیر پر راضی رہے اور پھر بھی عدم قبول سے ڈرتا رہے نیز آپ کا مقولہ ہے کہ کسی شخص کی وجہ سے کوئی کام نہ کرنا یہ شرک ہے۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تو ایسی جگہ مقیم ہو کہ جہاں تجھے کوئی نہ دیکھے اور تو بھی کسی کو نہ دیکھے تو یہ بڑی مبارک بات ہے۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس شخص کا بڑا مشکور ہوں کہ میرے پاس نہ آوے اور میں بیمار پڑوں تو مزاج پرسی بھی نہ کرے۔ نیز آپ کا مقولہ ہے کہ جیسے جنت میں کسی کا رونا تعجب کی بات ہے اس سے زیادہ تعجب کی بات دُنیا میں کسی کا ہنسنا ہے۔ آپ کا مقولہ ہے کہ تین چیز کی طلب ہرگز مت کرو کبھی نہیں پاؤ گے۔ اوّل وہ عالم جو علم کی بقدر عمل کرتا ہو، کبھی نہیں ملے گا۔ دوسرے وہ عامل جو عمل کی برابر اخلاص رکھتا ہو، کبھی نہیں پاؤ گے۔ تیسرے وہ بھائی جس میں کوئی عیب نہ ہو۔ کبھی نہیں مل سکتا۔ لہٰذا اگر ایسے ڈھونڈو گے کبھی نہیں ملے گا۔ تینوں سے محروم رہو گے۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ دو چیز دل کو خراب کر دیتی ہیں ۔

بہت سونا، اور بہت کھانا۔"

عرفات کی رات میں لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ اہلِ عرفات کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ فرمایا اگر فضیل ان لوگوں میں نہ ہوتا تو بخش دیئے جاتے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ انسان کو خدا کی دوستی میں کب کمال حاصل ہوتا ہے؟ فرمایا جب منع کرنا اور عطا کرنا۔ اس کے نزدیک برابر ہو جائے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جس بندے کو خدا دوست رکھتا ہے اس کو دنیاوی غم دیتا ہے اور جس کو دشمن رکھتا ہے اس کو دنیا کی عیش دیا دیتا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے بھائی کا بظاہر دوست ہو اور باطن میں اس کا دشمن ہو ایسے شخص پر اللہ لعنت کرتا ہے اور اس کے اندھے اور بہرے ہو جانے کا خوف ہے۔

ایک مرتبہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے ایک شخص آیا اور سلام کر کے آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ دریافت فرمایا کہ کیوں آئے ہو۔ عرض کیا آپ کی دل بستگی اور انسیت کے لئے فرمایا یہ تو وحشت ہوئی نہ کہ انسیت۔ یا تو تو یہاں سے چلا جا ورنہ میں جاتا ہوں۔ مجبوراً وہ شخص گیا۔

ایک مرتبہ عرفہ کے روز پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ جب آفتاب غروب ہونے کے قریب ہوا تو اپنی داڑھی مٹھی میں پکڑ کر آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ اگر تو بخش بھی دے گا جب بھی مجھ کو تیرے سے بڑی شرم آئے گی۔ اس کے بعد چلے آئے۔

فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ضرور کرتے رہا کرو۔

ایسا بہت کم ہوا ہے کہ خدا نے کسی کی نعمت چھین کر اس کو دوبارہ واپس فرمادی ہو۔

فرمایا کرتے تھے کہ اگر دُنیا ساری کی ساری مجھے مل جائے اور مجھ سے اس کا حساب نہ بھی ہو تب بھی میں اس سے ایسی نفرت کروں گا جیسی نفرت تم لوگ مُردار جانور سے کرتے ہو۔

فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا میں داخل ہونا تو بہت آسان ہے لیکن اس سے نکلنا بہت مشکل ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کی خواہش یہ ہو کہ لوگ میری بات توجہ سے سُنا کریں وہ زاہد نہیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب تیرا کوئی دُشمن تیری غیبت کرے تو اس کو دوست سے زیادہ نافع سمجھ۔ اس لئے کہ وہ (دُشمن) تجھ کو اپنی نیکیاں دے رہا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سفیان بن عیینہ خدمت میں آئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم علماء کی جماعت شہروں کے چراغ تھے جن سے روشنی حاصل کی جاتی تھی۔ لیکن اب تم شہروں کے لئے تاریکی بن گئے۔ اور تم شہروں کے لئے آسمان کے ستارے تھے جن کے ذریعہ سے راستہ معلوم کیا جاتا تھا۔ اب تم دُنیا کے لئے حیرت (سرگردانی) بن گئے۔ تم لوگ اللہ سے نہیں شرماتے۔ تم مالدار لوگوں کے پاس جاتے ہو اور ان کے عطایا قبول کرتے ہو اور یہ تحقیق نہیں کرتے کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ اور پھر اپنی محراب میں پہنچکر احادیث بیان کرتے ہو۔ حضرت سفیان یہ نصیحت سُنتے رہے اور سر جھکا کر استغفار کرتے رہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ایسا دوست تلاش کرے جس میں کوئی عیب نہ

ہو اس کو کبھی دوست نہیں مل سکتا۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت لقمان ایک حبشی غلام تھے اور باوجود اس کے بنی اسرائیل کے قاضی تھے اور ان کو یہ مرتبہ لغو اور فضول باتوں سے بچنے اور زبان کی سچائی کی وجہ سے ملا۔

فرمایا کرتے تھے کہ علماء اگر زہد اختیار کریں تو بڑے بڑے جابر لوگوں کی گردنیں ان کے آگے جھک جائیں۔ لیکن یہ لوگ اپنے علم کو دنیاداروں پر اس نیت سے خرچ کرتے ہیں تاکہ ان کو کچھ (پیسہ) ملجائے۔ اسی وجہ سے لوگوں کی نظر سے گر گئے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جو آدمی مخلوق کے ساتھ میل جول اور تعلق رکھے گا وہ ریا میں ضرور پھنس جائے گا۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں اس عالم پر روتا ہوں جس کے ساتھ دنیا کھیل رہی ہو۔ اگر قرآن و حدیث والوں کو دنیا سے بے رغبتی ہوتی تو لوگوں کو اپنا روما ل نہ بنانے۔ پھر فرمایا بہت ہی قلق اور رنج ہوتا ہے جب یہ سنتا ہوں کہ فلاں عالم اور فلاں عابد کسی تاجر کے روپے سے حج کرنے گیا۔

فرمایا کرتے تھے کہ اگر علم حاصل کرنے کے لئے نیت اچھی ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔ لیکن لوگ عمل کی نیت سے نہیں پڑھتے۔

وفات حضرت شیخ کی وفات ۳ ربیع الاول ۱۸۰ھ کو حرم شریف میں ہوئی۔ اور مکہ مکرمہ میں جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے ہیں۔ آپ کا مزار ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے قریب بتایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے آپ کی وفات کا مہینہ محرم بتایا ہے۔ کسی قاری کی زبانی القارعہ سنی اور ایک نعرہ مار کر جان نذر

کردی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ حضرت فضیل بن عیاض کے انتقال پر آسمان وزمین روتے تھے اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔

حضرت کے پانچ خلفاء تھے۔ سلطان ابراہیم بن ادہم، شیخ محمد شیرازی، خواجہ بشر حافی، شیخ ابو رجاء عطاردی، خواجہ عبداللہ سیاری، ان سب حضرات میں سے ہمارے شجرہ مذکورہ میں مقدم الذکر سلطان ابراہیم بن ادہم کا واسطہ ہے اس لیے ہم ان کو ذکر کرتے ہیں [1]

---

(۹) سلطان ابراہیم بن ادہم بن منصور قدس سرہٗ

آپ کا سلسلہ نسب پانچ واسطوں سے حضرت عمرؓ تک پہونچتا ہے۔ بعض لوگ آپ کو سید حسینی بھی بتاتے ہیں۔ آپ کی ولادت شہر بلخ میں ہوئی۔ ابو اسحٰق آپ کی کنیت تھی۔ آپ کو خرقہ اجازت خواجہ فضیل بن عیاض سے ملا ہے۔ ان کے علاوہ خواجہ عمران ابن موسیٰ، خواجہ امام باقرؓ، شیخ منصور سلمی، خواجہ اویس قرنی سے بھی اجازت حاصل ہے۔ چار، پانچ روز کا روزہ ان کا بھی معمول تھا۔ گھاس وغیرہ سے افطار کرتے تھے۔ بہت کم سوتے تھے۔ پیوند کے کپڑے اکثر پہنتے تھے۔

بادشاہت سے فقر و فاقہ تک

ابتداءً آپ شاہ بلخ کی طرف سے متبنّیٰ ہونے کی وجہ سے ولیعہد اور پھر بادشاہ ہو گئے

---

[1] خزینۃ الاصفیاء، تعلیم الدین، روضۃ الریاحین، طبقات شعرانی، تنبیہ المغترین۔

تھے جس کے قصے عام طور سے مشہور ہیں۔ حق تعالیٰ کا لطف شامل حال تھا۔ اسی کے اسباب پیدا ہوتے چلے گئے۔ ایک مرتبہ آپ دربار کر رہے تھے کہ ایک شخص نہایت بارعب دربار میں پہنچے۔ ان کے رعب کی وجہ سے کوئی شخص ان سے یہ دریافت نہ کر سکا کہ آپ کون ہیں۔ جب قریب پہنچے تو بادشاہ نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ انھوں نے کہا مسافر ہوں۔ سرائے تلاش کرتا ہوں۔ امیر نے جواب دیا یہ سرائے نہیں میرا محل ہے۔ مسافر نے پوچھا کہ آپ سے پہلے کون تھا امیر نے کہا کہ مجھ سے پہلے بادشاہ۔ مسافر نے پوچھا ان سے پہلے اسی طرح سوال وجواب پر مسافر نے کہا کہ پھر آخر مسافر خانہ ہوا یا نہیں۔ اس گفتگو کا آپ پر بہت اثر ہوا اور خدا طلبی شروع ہوئی۔ ایسے ہی اتفاقاً ایک مرتبہ اپنے بستر شاہی پر آرام فرما رہے تھے کہ کوٹھے پر سے کسی چلنے والے کے قدموں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ آپ نے پوچھا کون ہے اس نے جواب دیا کہ کوئی غیر آدمی نہیں میں اونٹ کی تلاش کے لئے بالا خانہ پر چلا آیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تجھ سے زیادہ بیوقوف کون ہے کہ اونٹ کو چھت پر تلاش کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ وہ شخص مجھ سے بھی زیادہ بیوقوف ہے کہ تخت شاہی پر خدا طلبی کرتا ہو۔ اس کے بعد جذب حقیقی کی ابتدا ہوئی اور آپ نے دفعتہ تخت شاہی کو چھوڑ کر صحرا نوردی اختیار فرمائی۔ اور ایک پہاڑ میں جا کر سکونت اختیار فرمائی۔ جمعرات کے روز اس پہاڑ سے باہر آتے تھے اور لکڑیاں چن کر فروخت کرتے تھے۔ جس قدر دام ملتے نصف راہ خدا میں خرچ کر دیتے اور نصف سے آٹھ دن تک خود گذر کرتے۔ ایک زمانہ تک اسی طرح مجاہدات میں مشغول رہے۔ اس کے بعد باشارۂ غیبی مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور حضرت فضیل

سے بیعت ہو کر کمالات و فیوض حاصل کئے۔ حضرت جُنید فرماتے ہیں کہ جو علوم اولیا کو دیئے جاتے ہیں ان سب کی کنجی حضرت ابراہیم ہیں۔

ترک سلطنت پر امراء و وزرائے بلخ بار بار اصرار و التجا کرتے تھے کہ دوبارہ اس کو قبول فرمادیں۔ مگر حضرت نے کبھی اس کو قبول نہیں فرمایا۔

بحر و بر پر حکومت

ایک مرتبہ آپ دریا کے کنارہ اپنی گدڑی سی رہے تھے کہ وزرار حاضر ہوئے اور وہی اپنی درخواست عرض کی۔ حضرت نے اپنی سوئی دریا میں پھینکدی اور ارشاد فرمایا کہ تم اُمرار و حکام کہلاتے ہو، میری سُوئی دریا سے نکال دو۔ سب عاجز ہو گئے تو آپ نے مچھلیوں کو خطاب فرمایا کہ میری سُوئی لادو۔ سیکڑوں مچھلیاں سُونے کی سوئیں مُنہ میں لئے ہوئے حاضر ہوئیں۔ ایک مچھلی کے پاس خود حضرت کی سوئی بھی تھی۔ آپ نے اپنی سُوئی لے لی۔ اور ارشاد فرمایا کہ میری سلطنت اب سارے جہان پر ہے۔ تمہاری اس عارضی سلطنت کو لے کر کیا کروں گا۔

ایک مرتبہ جبل ابوقبیس پر تشریف فرما تھے۔ تذکرۃً یہ فرمایا کہ بعض اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں کہ پہاڑ کو اگر یہ کہیں کہ چل تو وہ چلنے لگتا ہے۔ یہ فرماتے ہی اس پہاڑ کو جنبش ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھہر جائیں تو قصد بیان کرتا تھا وہ ٹھہر گیا۔

ایک مرتبہ کسی بزرگ صاحب کرامات سے فرمایا کہ معاش کی کیا صورت اختیار کر رکھی ہے اُنھوں نے کہا کہ مل جاتا ہے تو کھالیتا ہوں ورنہ صبر کرتا ہوں۔ کہا یہ تو شہر کے کتے بھی کر لیتے ہیں کہ ملا کھالیا۔ ورنہ نہیں۔ کام یہ ہے کہ ملے تو ایثار کرے نہ ملے تو صبر کرے۔

ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا کہ تم کس کے بندے ہو یہ سُنکر لرز گئے اور

بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو یہ آیۃ پڑھی۔ وکل من فی السموات والارض الا اٰتی الرحمٰن عبدا۔ اس نے دریافت کیا کہ اوّل اس کا جواب کیوں نہیں دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ کا بندہ کہوں تو اس سے ڈرتا ہوں کہ حق بندگی ادا نہیں کیا کس منہ سے بندہ کہوں۔ اور اگر نہ کہوں تو کفر کا ڈر ہے۔ سالہا سال آپ جنگل میں رہے اور نو برس غار نیشاپور میں مجاہدہ کیا۔ آپ ہمیشہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے۔ کبھی لکڑیاں بیچتے اور کبھی کسی باغ کی باغبانی کر لیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ باغبانی کر رہے تھے کہ ایک سپاہی آیا اور اس نے ایک پھل طلب کیا۔ آپ نے انکار فرما دیا۔ اس نے ایک کوڑا مارا۔ آپ نے اپنا سر جھکا دیا اور فرمایا کہ جس سر نے اللہ عزوجل کی نافرمانی کی وہ مار ہی کھانے کے قابل ہے۔ اس پر وہ سپاہی کچھ چونکا اور معذرت کرنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ جس سر کی معذرت کی جاتی تھی وہ میں بلخ ہی میں چھوڑ آیا۔

آپ نے ایک مرتبہ طواف کے موقعہ پر ایک شخص کو نصیحت فرمائی کہ صالحین کا درجہ حاصل نہیں ہوتا تاوقتیکہ چھ گھاٹیاں طے نہ کر لے۔ اوّل یہ کہ باب نعمت کو بند کر کے باب شدت کو کھول، دوسرے یہ کہ باب عزت کو بند کر اور باب ذلت کو کھول، ایسے ہی باب راحت، باب نوم غنی کو بند کر اور مشقت جاگنا اور فقر کے ابواب کو کھول۔

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے آ کر عرض کیا کہ ایک شیر نے ہمارا راستہ روک لیا آپ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے ابوالحارث اگر تجھ کو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کسی چیز کا حکم ہے تب تو اس کے موافق کر ورنہ چلا جا، شیر فوراً چلا تا ہوا

چلا گیا۔

آپ ایک مرتبہ کسی مسجد میں تشریف لے گئے، عشاء کے بعد مسجد کے امام آئے اور آپ سے کہا کہ باہر چلے جاؤ میں کواڑ بند کرتا ہوں۔ آپ نے درخواست کی کہ سخت سردی کا موسم ہے اگر اجازت ہو تو میں رات کو یہیں سو رہوں۔ اس نے کہا کہ یہاں سونے کی اجازت نہیں، مسافر چیزیں چُرا لیتے ہیں۔ آپ نے اصرار کیا۔ اس نے کہا کہ اگر ابراہیم بن ادہم بھی آویں۔ تو ان کو بھی سونے کی اجازت نہیں، آپ نے فرمایا کہ میں ابراہیم بن ادہم ہی ہوں۔ اس نے اسکو جھوٹ سمجھا، اور جھوٹ پر اور بھی خفا ہوا، اور پاؤں سے سر کے بل کھینچ کر مسجد سے باہر کر دیا۔ آپ وہاں سے اُٹھ کر ایک حمام کے قریب تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شخص چراغ جلا رہا تھا۔ آپ نے سلام کیا اُس نے جواب نہیں دیا۔ اور اپنے کام میں مشغول رہا۔ لیکن بار بار خوف زدہ ہو کر دیکھتا رہتا تھا۔ اس سے فارغ ہو کر سلام کا جواب دیا۔ آپ نے تاخیر کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میں ایک شخص کا ملازم ہوں مجھے یہ خیال ہوا کہ کہیں اس میں مشغول کر اس کے کام میں دیر نہ ہو۔ اور یہ خیانت ہو جاوے آپ نے پوچھا کہ اِدھر اُدھر کیا دیکھتے تھے۔ کہا کہ یہ خوف ہے کہ موت کا فرشتہ نہ آ رہا ہو۔ اس کے بعد اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں کہ تذکرۃً یہ ذکر آیا میں نے بیس سال سے یہ دُعا کی ہے کہ اے اللہ! ابراہیم بن ادہم کی ملاقات سے قبل میری وفات نہ ہو۔ وہ ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ مژدہ ہو تم کو کہ میں ابراہیم ہوں۔ کہ سر بل تمہارے پاس بھیجا گیا ہوں۔ اُس نے عرض کیا الحمد للہ میری یہ تمنا بھی پوری ہو گئی۔ اور آپ سے معانقہ وغیرہ کیا اور پھر کہا یا اللہ میری یہ تمنا

بھی پوری ہوگئی اب کوئی تمنا باقی نہیں رہی اب اپنا وصل عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے
نے یہ دُعا بھی قبول فرمالی اور فوراً مرگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک مرتبہ آپ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ جب ہم اللہ سے
دُعا مانگتے ہیں تو وہ قبول نہیں ہوتی۔ فرمایا۔ تم اللہ کو جانتے ہو مگر اس کی بندگی
نہیں کرتے۔ اس کے رسول اور قرآن کو پہچانتے ہو مگر اطاعت نہیں کرتے۔
اور اس کی نعمتیں کھاتے ہو مگر شکر نہیں کرتے، اور جنت ملنے کا اور دوزخ سے
بچنے کا سامان نہیں کرتے۔ اور شیطان کو دشمن جانتے ہو مگر اس سے عداوت
نہیں کرتے۔ اور جانتے ہو کہ موت آنے والی ہے مگر اس کا فکر نہیں کرتے اور
ماں باپ کو قبر میں دفن کرتے ہو مگر عبرت حاصل نہیں کرتے ہو۔ اور جانتے ہو
کہ ہمارے عیب موجود ہیں پھر بھی دوسروں کے عیب تلاش کرتے ہو۔ بھلا ایسی صورت
میں دُعا کہاں قبول ہوسکتی ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا والوں نے دُنیا میں راحت ڈھونڈی مگر انہیں
راحت نہیں ملی۔ اگر انھیں اس سلطنت و حکومت کی خبر ہوجائے جو ہمارے
قبضہ میں ہے تو اس کے حاصل کرنے کے لئے تلواروں سے لڑیں۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کی خدمت میں دس ہزار درہم بھیجے۔ آپ
نے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں یہ دراہم
لے کر فقیروں کے دفتر سے اپنا نام کٹوا دوں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔

ایک مرتبہ ایک شرابی پر گذر ہوا جو راستہ میں بیہوش پڑا ہوا تھا اور جھاگ
اس کے منہ سے نکل رہے تھے۔ آپ نے اس کی زبان دھوئی۔ اور فرمایا کہ یہ

زبان اللہ کا ذکر کرتی ہے اور اس کو یہ آفت پہنچی۔ اس شخص کو جب ہوش آیا تو لوگوں نے یہ واقعہ اس کو بتلایا اس پر وہ شخص بڑا شرمندہ ہوا اور توبہ کی کہ آئندہ شراب نہیں پیونگا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ تم نے ہماری وجہ سے اس کی زبان پاک کی ہم نے تمہاری وجہ سے اس کا دل پاک صاف کر دیا۔

ایک شخص نے درخواست کی کہ آپ کسی وقت تشریف رکھا کریں تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کریں تاکہ کچھ ارشادات سُن لیں۔ فرمایا مجھے یہ چار کام اس وقت درپیش ہیں ان میں مشغول ہوں جب ان سے فراغت ہو جائے گی جب ایسا ہو جائے گا۔

اول یہ کہ جب ازل میں عہد لیا گیا تھا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے ایک فریق کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ جنتی ہے اور دوسرے فریق کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ دوزخی ہے مجھے ہر وقت یہ فکر رہتا ہے کہ نہ معلوم میں کس فریق میں سے ہوں۔

(۲) جب بچہ ماں کے پیٹ میں بننا شروع ہوتا ہے تو اس وقت ایک فرشتہ حق تعالیٰ سے پوچھتا ہے کہ اس کو سعید لکھوں یا بدبخت۔ مجھے ہر وقت یہ فکر رہتا ہے کہ نہ معلوم مجھے کیا لکھا گیا ہوگا۔

(۳) جب فرشتہ آدمی کی روح قبض کرتا ہے تو یہ پوچھتا ہے کہ اس روح کو مسلمانوں کی روح میں رکھوں یا کافروں کی، نہ معلوم میرے متعلق اس فرشتے کو کیا جواب ملے گا۔

(۴) قیامت میں حکم ہوگا، وامتازوا الیوم ایہا المجرمون، یعنی آج مجرم لوگ

فرمانبرداروں سے الگ ہو جائیں۔ مجھے یہ فکر رہتا ہے کہ نہ معلوم میرا شمار کس فریق میں ہوگا۔

فرمایا کرتے تھے کہ ترازو میں سب سے زیادہ وزنی عمل قیامت کے دن وہ ہوگا جس کا کرنا دنیا میں سب سے زیادہ مشکل ہوگا۔

ایک مرتبہ کوئی صاحب آپ کے پاس ایک مدت تک رہے۔ جب جدا ہونے لگے تو ان صاحب نے عرض کیا کہ مجھ میں کوئی عیب ہو تو وہ بتلادیں۔ فرمایا کہ میں نے تیرے اندر کوئی عیب نہیں دیکھا اس لئے کہ میں نے تجھ کو ہمیشہ محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ لہذا یہ سوال کسی اور سے کرنا۔ گویا اس قصہ سے حضرت ابراہیم نے ایک عربی شعر کی طرف اشارہ کیا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ محبت کی آنکھ ہر عیب سے اندھی ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ غصہ کی آنکھ ہر عیب کو ظاہر کر دیتی ہے۔

ایک عالم نے نصیحت کی درخواست کی۔ فرمایا کہ دُم بن کر رہنا سر بن کر مت رہنا۔ کیونکہ سر کاٹ دیا جاتا ہے اور دُم چھوڑ دی جاتی ہے۔

ایک شخص نے درخواست کی کہ مجھ سے تہجد کی نماز کے لئے نہیں اٹھا جاتا فرمایا دن میں حق تعالیٰ کی نافرمانی نہ کیا کرو۔ اس لئے کہ رات کو تہجد میں حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا بڑی شرف کی بات ہے۔ اور نافرمان آدمی اس شرف کا اہل نہیں ہوتا۔ (صوفیہ کا مشہور ارشاد ہے کہ گناہوں کی وجہ سے آدمی تہجد کی نماز سے محروم رہ جاتا ہے)۔

ایک صاحب نے آپ کی خدمت میں رہنے کی درخواست کی۔ فرمایا کہ تو اپنے آپ کو اپنے مال کے ساتھ مجھ سے زیادہ مستحق نہ سمجھنا۔ اس نے کہا کہ میرے اندر اس

کی طاقت نہیں یہ کہہ کر چلا گیا۔

وفات حضرت کی وفات میں مختلف اقوال ہیں، حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق ان کی وفات ۱۹۲ھ میں ہے اور سمعانی نے ۱۶۱ھ کا قول بھی لکھا ہے۔ اور محدثین کا قول تاریخی حیثیت سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ اور اس قول کی بنا پر ان کی وفات اپنے شیخ فضیل بن عیاض سے تقریباً پچیس ۲۵ یا چھبیس ۲۶ سال قبل ملک شام میں ہوئی۔ آپ کی عمر ایک سو دو ۱۰۲ برس کی تھی کہتے ہیں کہ آپ کے انتقال کے بعد الآن امام الارض قدمات، یہ آواز غیب سے آئی تھی۔ بعض کتابوں میں امان الارض قدمات لکھا ہے۔ آپ کا مزار شام میں بتایا جاتا ہے۔ اور بعض لوگوں نے مدینہ منورہ بتلایا ہے۔ حضرت شیخ کے دو خلیفہ تھے۔ ایک خواجہ شقیق بلخی، دوسرے حذیفۃ المرعشی۔ جن کا اس وقت ذکر کیا جاتا ہے"۔ [۱]

(۱۰) خواجہ حذیفۃ المرعشی

آپ کا لقب سدید الدین تھا۔ سات ۷ برس کی عمر میں ہفت قراۃ کے حافظ ہو چکے تھے۔ سولہ ۱۶ سال کی عمر میں علوم ظاہریہ کی تکمیل فرما کر اس کے بعد حضرت خضر کی رہنمائی سے سُلطان ابراہیم بن ادہم تک رسائی ہوئی اور چھ ۶ ماہ میں تکمیل ہو گئی تھی علم سلوک میں آپ صاحب تصانیف ہیں۔ آپ کی عادت چھ روز بعد افطار کرنے کی تھی اور فرماتے تھے کہ اہل دل لوگوں کی غذا لا الٰہ الا اللہ ہے۔ گریہ وزاری کا

---

[۱] تعلیم الدین، انوار العاشقین، نفحات، انوار الاخیار، فضائل صدقات، طبقات شعرانی، تنبیہ المغترین"

آپ پر غلبہ تھا۔ کسی نے دریافت کیا کہ آپ اتنا کیوں روتے ہیں۔ آپ کو حق تعالےٰ شانہٗ کے کریم و رحیم ہونے کا یقین نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر رُلاتا ہے۔ نہ معلوم میں کون سے فریق میں ہوں۔ اس نے کہا جب ایسی حالت ہے تو آپ دوسروں سے بیعت کیوں کر لیتے ہیں۔ آپ نے یہ سُن کر ایک آہ کھینچی اور بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو غیب سے بشارت جنت کی ندا آئی جو سب نے سُنی کہتے ہیں کہ اس آواز پر تین سو کافر ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ہاتف کی ندا سے بشارت برگزیدگی اور روضۂ اطہر سے مژدۂ ہمراہیت در جنت حاصل فرما چکے تھے۔

مسئلے فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص میری نسبت قسم کھا کر یہ کہے کہ تیرا عمل اس شخص جیسا نہیں جس کو قیامت پر ایمان ہے تو میں اس قسم کھانے والے سے کہوں گا کہ تو سچا ہے اپنی قسم کا کفارہ نہ دے۔

فرمایا کرتے تھے تمام نیکیوں میں سب سے افضل میرے نزدیک یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور اگر فرض نماز کے واسطے بھی کوئی حیلہ ایسا ہوتا کہ باہر نکلنا پڑتا تو میں ایسا ہی کرتا اور ہمیشہ گھر میں رہتا۔

آپ کے چند خلفاء ہوئے ہیں۔ مشہور ترین خواجہ ہبیرہ بصری ہیں۔ امام شافعی صاحبؒ کو بھی آپ کے خلفاء میں کہا گیا ہے

وفات خواجہ صاحبؒ کی وفات مشہور قول کے موافق ۱۴ ریا ۱۸ ر شوال ۲۰۲ھ میں ہوئی۔ اس کے علاوہ ان کے سنہ وفات میں اور بھی اقوال ہیں۔ چنانچہ شعرانی نے آپ کی وفات ۲۰۷ھ میں لکھی

ہے۔" [1]

(۱۱) خواجہ ابوہبیرہ بصری

اکثر مشائخ نے آپ کا نام نامی صرف ہبیرہ لکھا ہے اور بعض نے ابوہبیرہ لکھا ہے۔ اور لقب امین الدین تھا بصرہ میں ۱۶۷ھ میں ولادت ہوئی۔ ۱۷ سال کی عمر میں عالم فاضل، حافظ قرآن غرض علوم ظاہر سے علی وجہ الاتم فراغت پاچکے تھے۔ مجاہدہ کے شروع ہی سے خوگر تھے۔ روزانہ دو کلام مجید ختم فرمایا کرتے تھے۔ تیس ۳۰ سال کے مجاہدہ کے بعد ناکامی سے بہت روئے تو مغفرت کی بشارت کے ساتھ ساتھ آواز آئی کہ فقیری سیکھنے کے لئے خواجہ مرعشی کے پاس جاؤ۔ وہاں حاضر ہوئے۔ چونکہ تیس ۳۰ سال تک پہلے مجاہدہ کر چکے تھے اس لئے ایک ہی ہفتے میں کمال حاصل ہوگیا اور ایک سال میں اجازت وخلافت حاصل ہوگئی۔ یکسوئی کے نہایت دلدادہ تھے ہمیشہ ایک حجرہ میں عمر گزار دی رونے کے اتنے عادی تھے کہ لوگوں کو ہلاکت کا خوف ہوتا تھا۔ دُنیا کی لذیذ چیزیں کھانی بھی ترک کر دی تھیں۔ آپ کا جو شخص منظور نظر ہوجاتا تھا ایک توجہ سے فوراً اس پر علوم منکشف ہوجاتے تھے حضرت ہبیرہ فرماتے ہیں کہ جب مجھے خرقہ خلافت عطا ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک مع جملہ اکابر کی ارواح کے منکشف تھیں اور مجھے دُعا دے رہی تھیں۔ ۷ شوال ۲۸۷ھ میں وصال فرمایا۔ بعض نے ۲۷۹ھ بھی تحریر

---

[1] سفینۃ الاولیاء، ملفوظات خواجگان چشت، تعلیم الدین"

فرمایا ہے بصرہ میں آپ کا مزار ہے۔ ایک سو بتیس سال کی عمر آپ کی ہوئی، آپ کا مزار سے جس قدر سلاسل چلے وہ سب ہبیریاں کہلاتے ہیں۔ آپ کے خلفاء ممکن ہے کہ اور بھی ہوں مگر مجھے خواجہ ممشاد ہی کا علم ہے اور وہی ہمارے سلسلہ میں ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر تا ہوں [1]

(۱۲) خواجہ علو ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا لقب کریم الدین منعم تھا۔ دینور ہمدان اور بغداد کے درمیان ایک شہر ہے اس کے رہنے والے تھے۔ آپ کا لقب کریم الدین منعم اس وجہ سے مشہور تھا کہ آپ بہت مالدار تھے اور ضرورت مند لوگوں کی حاجتیں بڑی کثرت سے پوری فرمایا کرتے تھے۔ پھر بعد میں فقر و فاقہ اختیار کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔ ریاضت ومجاہدہ میں کمال تھا۔ حافظ قرآن، علوم ظاہری و باطنی کے امام تھے۔ ابن جلاء اور ان کے اکابر کی صحبت سے مشرف ہوئے۔ خواجہ ہبیرہ کے علاوہ اور بھی چند سلسلوں میں آپ کو اجازت حاصل ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ خواجہ ممشاد دینوری اور خواجہ دینوری ایک ہی شخص ہیں یا دو شخص۔ چونکہ زمانہ وفات وغیرہ حالات ہر دو حضرات کے ایک ہی ہیں۔ اس لئے بظاہر ایک ہی معلوم ہوتے ہیں اور چونکہ سلسلہ خاندان ہر دو کا علیحدہ علیحدہ ہے۔ اس لئے بعض لوگوں نے دو شخص بتلائے ہیں۔ خواجہ علو دینوری کو سلسلہ چشتیہ میں شمار کیا ہے اور ممشاد دینوری

---

[1] خزینۃ الاولیاء۔ انوار العاشقین، تعلیم الدین۔

کو سلسلہ سہروردیہ میں گنا ہے مگر ظاہر پہلا ہی قول ہے۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ شیخ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ لڑکپن میں بھی کبھی دن میں ماں کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ اسی وجہ سے مادرزاد ولی کہلاتے ہیں۔ بیعت سے قبل حضرت خضر علیہ السلام کے فیض صحبت میں تھے اور ان ہی کے اشارہ سے بیعت ہوئی تھی بیعت کے بعد فوراً ہی اجازت حاصل ہو گئی۔ حضرت شیخ نے توجہ کی اور دعا کے ساتھ ہی ساتھ بیہوش ہو گئے اور پھر ہوش میں آئے۔ اس طرح چالیس۴۰ مرتبہ ہوا۔ اس کے بعد شیخ نے اپنا لعاب دہن اُن کے منہ میں ڈالا۔ جس سے بالکل ہوش میں آ گئے۔ اس پر شیخ نے دریافت کیا کہ علو کیا دیکھا عرض کیا کہ تیس۳۰ برس کے مجاہدہ میں وہ بات حاصل نہیں ہوئی تھی جو شیخ کی تھوڑی سی توجہ میں ہو گئی۔ صاحب تاثیر تھے ایک مرتبہ چند بُت پرستوں سے فرمایا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ غیر خدا کو پوجتے ہو صرف اس کہنے کا کچھ ایسا اثر ان پر ہوا کہ سب مسلمان ہو گئے۔

ارشادات فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص کسی بزرگ کی خدمت میں جائے اور وہاں پہونچکر بھی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا رہے تو اس کو ان بزرگ کی باتوں سے اور اُن کی صحبت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

فرمایا کرتے تھے کہ اہل صلاح کی صحبت میں بیٹھنے سے دل میں صلاح پیدا ہوتی ہے اور اہل فساد کی صحبت میں رہ کر دل میں فساد ہوتا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ بیکار چیزوں کے چھوڑ دینے کا نام تصوف ہے اور جس چیز کی طرف نفس متوجہ ہو اس کے ترک کر دینے کا نام توکل ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں اس وقت تک کسی بزرگ کی خدمت میں نہیں گیا جب

تک کہ اپنے تمام علوم و حالات کو میں نے چھوڑ نہیں دیا اور جب اپنے علوم وحالات کو ترک کر کے میں کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا تو منتظر رہتا ان برکات کا جو اس کی زیارت اور کلام سے حاصل ہوتیں اور یہ اس لیئے کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ کی خدمت میں اپنے احوال و معارف کو لے کر جاتا ہے تو اپنے علوم کی مشغولی کی وجہ سے ان کے فیوض سے محروم رہتا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ اگر تو اولین و آخرین کی حکمت جمع کرے اور اولیاء و مقربین کے احوال کا دعویٰ کرے تو عارفین کے درجہ کو اس وقت تک نہیں پہنچیگا جب تک کہ تیرا باطن اللہ کے ساتھ سکون نہ حاصل کرنے لگے۔ اور اللہ کے وعدوں پر اور جو تیرے لیئے مقدر کر دیا گیا ہے اس پر اعتماد نہ کرنے لگے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جس کا منتہائے مقصد اللہ کی ذات بن جائے اس کو حوادث نہیں گھیر سکتے۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے ایک سفر میں ایک شیخ کو دیکھا جن پر خیر کے آثار تھے۔ میں نے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجیے۔ فرمایا اپنی ہمت کو بلند رکھو اور اس کی نگہداشت کرو۔ کیونکہ آدمی کی ہمت ہی تمام اعمال کا پیش خیمہ ہے جس کی ہمت بلند ہوگی اس کے لیئے آگے کے سب اعمال اور احوال آسان ہو جائیں گے۔ (طبقات شعرانی)

وصال خواجہ ممشاد کا وصال امام شعرانی نے طبقات میں ۲۹۷ھ میں ہونا لکھا ہے۔ اور صاحب خزینۃ نے باتفاق اہل تاریخ ۲۹۸ھ میں اور صاحب انوار نے ۱۴ محرم ۲۹۹ھ بھی لکھا ہے۔ جو مقتدر باللہ کا زمانہ خلافت ہے۔ مزار دینور ہی میں ہے۔ اہل شجرات نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ انتقال

کے وقت ایک بزرگ پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ جنت کے ملنے کی دعا کرنے لگے تو حضرت ممشاد نے ہنسکر فرمایا کہ تیس۳۰ سال سے جنت اپنی ساری زینتوں سمیت میرے سامنے آتی رہی۔ مگر میں نے ایک مرتبہ بھی اس کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا۔ میں تو جنت کے مالک کا مشتاق ہوں۔ آپ کے خلفاء خواجہ ابو محمد خواجہ ابو احمد بغدادی، خواجہ ابو اسحٰق، خواجہ اسعد احمد دینوری بتلائے جاتے ہیں۔ ان میں سے اس شجرہ میں خواجہ ابو اسحٰق ہی کا واسطہ ہے۔ لہ

(۱۳) خواجہ ابو اسحٰق رحمتہ اللہ علیہ

شرف الدین یا شریف الدین آپ کا لقب تھا۔ علوم ظاہریہ و باطنیہ کے جامع تھے۔ قصبہ چشت میں آپ کی ولادت ہوئی بڑے زاہد تھے۔ سات۷ روز میں روزہ افطار کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ بھوک میں وہ نعمت اور لذت ملتی ہے جو اور کسی چیز میں میسر نہیں ہوتی۔ اور فرماتے تھے کہ معراج الفقراء الجوع بیعت ہونے کا جب ارادہ کیا تو چالیس۴۰ دن پے درپے استخارہ کئے۔ غیب سے آواز آئی کہ اگر مقصد برآری چاہتے ہو تو ممشاد دینوری کے پاس جاؤ۔ سات۷ سال شیخ کی خدمت میں رہے اس کے بعد اجازت حاصل ہوئی۔ اس سلسلہ کا لقب سلسلہ چشتیہ کی ابتدائی شہرت آپ ہی سے ہے۔ آپ کے بعد چار مشائخ اور بھی چشت ہی کے رہنے والے تھے۔ اس لئے چشتیہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ خواجہ ممشاد

لہ انوار العاشقین، خزینۃ الاولیاء، تذکرۃ الفقراء، تعلیم الدین

یعنی آپ کے شیخ نے آپ سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے آپ نے کہا ابواسحٰق شامی شیخ نے فرمایا کہ آج سے تمہیں ابواسحٰق چشتی کہیں گے۔ اس لئے کہ اہل چشت کو تم سے ہدایت ہوگی اور تمہارا سلسلہ قیامت تک چشتیہ کہلائے گا۔ اسی دن سے ابواسحٰق چشتی کہلانے لگے۔ آپ کی کرامات خاص خاص تھیں۔ جو شخص ایک مرتبہ مجلس والا میں چلا جاتا تھا پھر کسی معصیت کا مرتکب نہیں ہوتا تھا۔ ایسے ہی جو بیمار آپ کی مجلس میں جاتا شفا پاتا۔ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو سو سو دو دو سو آدمیوں کے ساتھ آنکھ بند کر کے فوراً منزل مقصود پر پہونچ جاتے۔ ایک مرتبہ امساک باران میں بادشاہ وقت دعا کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت نے توجہ فرمائی اور بارش ہوگئی دوسرے دن پھر کسی ضرورت سے بادشاہ آیا تو آپ رونے لگے۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت کے ملال کا کیا باعث ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ بادشاہ کے بار بار آنے سے یہ ڈر ہے کہ مجھ سے کوئی گناہ تو ایسا صادر نہیں ہوا جس کی وجہ سے اُمراء کی مصاحبت اتنی شروع ہوگئی اور غرباء کی مصاحبت سے اتنا وقت کم ہوگیا مبادا میرا حشر بجائے مساکین کے اُمراء کے ساتھ نہ ہو جاوئے۔

آپ کی وفات ۱۴ ربیع الثانی ۳۲۹ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار بمقام عکہ ہے کہ جو نواح شام میں ہے۔ آپ کے خلفاء خواجہ ابواحمد ابدال۔ خواجہ ابو محمد خواجہ تاج الدین وغیرہ بتلائے جاتے ہیں۔ ان میں سے مقدم الذکر یہاں مقصود بالذکر ہیں "

(خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، ملفوظات، تعلیم الدین)

(۱۴) خواجہ ابو احمد ابدال چشتی قدس سرہٗ

قدوۃ الدین آپ کا لقب تھا نسباً سید حسنی تھے۔ آپ کے والد کا نام سلطان فرسنافہ تھا چھ رمضان ۲۶۰ھ میں قصبہ چشت میں پیدائش ہوئی۔ ظاہری حسن وجمال میں بھی بے نظیر تھے۔ چہرہ منور اس قدر چمکدار تھا کہ اگر یہ کہا جاوے کہ اندھیرے میں روشنی پیدا کر دیتا تھا تو مبالغہ نہیں۔ خواجہ ابو اسحٰقؒ سلطان فرسنافہ کے یہاں اکثر جایا کرتے تھے۔ ایکدن ان کی ہمشیرہ سے کہہ کر آئے کہ تمہارے ایک بھتیجا ہونے والا ہے، اپنی بھابی کی نہایت احتیاط کیا کرو، کوئی مشتبہ لقمہ اُس کے مُنہ میں نہ جانے پاوے۔ امتثالاً للامر وہ بجد حفاظت فرماتی تھیں۔ بالآخر چھٹے رمضان ۲۶۰ھ کو آپ تولد ہوئے۔ یہ دور خلیفہ معتصم باللہ کا دور تھا۔ سات سال کی عمر سے آپ نے خواجہ ابو اسحٰقؒ کی خدمت میں حاضری شروع کر دی تھی۔ اور علوم ظاہریہ و باطنیہ دونوں حضرت خواجہ سے حاصل کرنے شروع کر دیئے تھے۔ ۱۶ سال کی عمر میں علوم ظاہریہ سے فارغ ہو کر حضرت شیخ ہی سے بیعت بھی ہو گئے تھے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ۱۳ سال ہی کی عمر میں بیعت ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ شکار کو جا رہے تھے کہ اتفاقاً راستہ میں ایک پہاڑ میں جا کر راستہ گم ہو گیا اور یہ تنہا رہ گئے۔ ہر چند کہ راستہ وغیرہ تلاش کیا مگر نہ مل سکا۔ چلتے چلتے آپ ایک جگہ دیکھتے ہیں کہ ایک جگہ شاہ ابو اسحٰق تشریف فرما ہیں اور چالیس بزرگ ان کے حضور میں کھڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت شیخ کے قدموں میں گر گئے اور اُن کے ہمراہ چلے گئے۔

بالآخر چند روز بعد معلوم ہوا کہ خواجہ ابو اسحٰق کے ساتھ فلاں پہاڑ پر موجود ہیں۔ بادشاہ نے آدمی بھیجے اور ہر چند سمجھایا کہ چلے آویں مگر وہاں پہنچ کر ہی دوسرا پڑ گیا تھا اس لئے اس گدائی کو ترجیح دیکر وہیں رہے، آٹھ سال سخت مجاہدہ کر کے خرقۂ اجازت حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ آپ تیس برس تک بستر پر نہیں سوئے جس شخص پر نظر ڈالتے تھے صاحب کرامت ہو جاتا تھا۔ آپ کے والد کے یہاں شراب خانہ تھا جس میں پرانی پرانی شرابیں رکھی تھیں۔ لڑکپن کے زمانہ میں ایک مرتبہ آپ اس میں گئے اور اندر کی زنجیر لگا کر سب مٹکوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ باپ کو اطلاع ہوئی۔ اندر آنے کا راستہ نہیں تھا اس لئے مکان کی چھت پر گیا اور نہایت غضبناک ہو کر منع کرنا شروع کیا مگر وہ نہ مانے تو آخر ایک بڑا پتھر اُٹھا کر مارا مگر وہ بھی درمیان میں معلق ہو گیا گرا نہیں۔ یہ قصہ دیکھ کر باپ کو سخت حیرت ہوئی اور بیٹے کے ہاتھ پر شراب سے توبہ کر لی۔

ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے کہ اتفاقاً کسی ایسی جگہ گزر ہوا جہاں محض کفار کی آبادی تھی۔ اور مسلمان کوئی قرب وجوار میں بھی نہ تھا۔ ان کی عادت تھی کہ جب کوئی مسلمان ادھر کو جاتا اس کو نہایت مار پیٹ کر آگ میں جلا دیا کرتے اسی طرح حضرت شیخ کے ساتھ بھی معاملہ کیا مگر رعب کی وجہ سے آگ میں ڈالنے کی ہمت نہ ہوئی۔ شیخ نے کہا کہ تم فکر نہ کرو میں خود ہی آگ میں گر جاؤں گا یہ کہکر حضرت شیخ اپنا مصلےٰ آگ پر ڈال کر خود چلے گئے۔ حضرت کا وہاں پہنچنا تھا کہ آگ دفعتہً ٹھنڈی ہو گئی یہ قصہ دیکھ کر سب متحیر ہو گئے اور اس قدر عظمت و وقعت شیخ کی ہوئی کہ دل و جان سے قربان ہونے لگے۔ اور سیکڑوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔

آپ کی عادت ایک قرآن دن میں اور دو قرآن شب میں ختم کرنے کی تھی، آپ صاحب الاسرار تھے۔ لیکن سر ظاہر نہیں فرماتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ باتفاق اہل زمانہ قطب ابدال تھے۔ نذرانہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ اچھے لباس یا اچھے کھانے سے بھی احتراز فرماتے تھے۔ آپ کی وفات تین جمادی الآخری ۳۵۵ھ میں ہوئی اور چشت میں مزار ہے۔ قطب العالمین آپ کی تاریخ وفات بتائی جاتی ہے۔ آپ کے خلفاء میں خواجہ ابو محمد اور خواجہ خدا بندہ ہیں۔" لہ

(۱۵) خواجہ محمد یا ابو محمد بن ابی احمد قدس سرہٗ

آپ کا لقب ولی الدین یا ناصح الدین تھا۔ مادرزاد ولی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حمل کے زمانہ میں والدہ کے پیٹ سے ذکر اللہ کی آواز آتی تھی۔ نسباً سید حسنی تھے۔ آپ کی ولادت محرم ۳۳۱ھ میں ہوئی۔ پیدا ہونے کے وقت سات مرتبہ کلمہ پڑھا ایام رضاعت میں مشغول بذکر رہتے تھے۔ اور پانچوں وقت آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا کر ان گنت کلمہ پڑھتے تھے۔ جو شخص آزمانے آتا وہ ہی مسلمان ہو جاتا۔ اپنے والد خواجہ ابو احمد سے خرقہ خلافت پایا۔ سات سال کی عمر میں بیعت ہوئے اور بارہ سال کی عمر تک ایک حجرہ میں تنہا رہے اور روزانہ روزہ دار رہتے تھے۔ مجاہدہ بہت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دریا کے کنارے پر اپنی گدڑی میں پیوند وغیرہ لگا رہے تھے کہ بادشاہ آیا اور اس نے ایک تھیلی دیناروں کی دی۔ انھوں نے انکار فرما دیا۔

لہ تذکرۃ الفقراء خزینۃ الاولیاء، تعلیم الدین، نور العاشقین۔

اس نے اصرار کیا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ ہمارے بڑوں کا یہ طریقہ نہیں اس لئے میں نہیں لیتا۔ اس نے بحد اصرار کیا۔ جب اس نے بہت مجبور کیا تو شیخ نے دریا کی طرف منہ پھیرا۔ دریا سے سیکڑوں مچھلیاں مُنہ میں دینار لئے ہوئے کنارہ پر آئیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس اس قدر خزانہ غیبیہ موجود ہو وہ تمہاری تھیلی کی کیا قدر کرے۔

خواجہ ابو محمد کی ہمشیرہ بھی نہایت بزرگ متقیہ تھیں ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتی تھیں۔ جس کی وجہ سے نکاح کی بھی رغبت نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ خواجہ ابو محمد ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ ہمشیرہ تمہارے پیٹ سے ایک لڑکے کا وجود جو ایک وقت میں قطب الاقطاب ہونے والا ہے مقدر ہو چکا ہے اور وہ بلا نکاح ممکن نہیں اس لئے تم نکاح کر لو۔

اُنھوں نے اس وجہ سے کہ باعثِ مشغولی ہوگا۔ قبول نہ فرمایا۔ حتیٰ کہ چند روز بعد اپنے والد کو خواب میں دیکھا کہ اسی قسم کا مضمون ارشاد فرمایا اور محمد سمعان جن سے نکاح کرنا تجویز تھا ان کو بھی بتایا۔ یہ ہی مضمون خواجہ ابو محمد نے بھی دیکھا بالآخر صبح کو سید محمد سمعان کو بُلا کر نکاح پڑھوا دیا۔ ان سے خواجہ ابو یوسف جو شیخ کے خلیفہ ہیں اور آئندہ ان کا ذکر آنے والا ہے وہ پیدا ہوئے۔

ستّر سال کی عمر میں باشارۂ غیبی محمود غزنوی کے ساتھ سومنات کے جہاد میں شریک ہوئے اور اپنے چند خدام کو ساتھ لے کر خود میدان کارزار میں پہنچے۔

حضرت شیخ کی وفات چار ربیع الاول یا شروع رجب ۴۱۱ھ کو ہوئی۔ آپ کی پوری عمر اسّی سال کی ہوئی، امام برحق آپ کی تاریخ وفات ہے اور چشت میں

مزار ہے۔ آپ کے تین خلیفہ تھے خواجہ ابویوسف جن کا ذکر آئندہ آنے والا ہے خواجہ محمد کاکو۔ خواجہ استاد مردان۔

(۱۶) خواجہ سید ابویوسف بن سمعان الحسینی الچشتی

آپ کا نسب تیرہ واسطوں سے حضرت امام حسین تک پہونچتا ہے۔ چشت ہی میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ناصر الدین آپ کا لقب تھا۔ خرقۂ اجازت اپنے ماموں خواجہ ابو محمد چشتی سے پہنا۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ گرمی کے موسم میں تشریف لے جارہے تھے کہ سخت گرمی کے وقت رفقار کو پیاس لگی۔ پانی کہیں نہیں تھا۔ حضرت شیخ نے اپنی لاٹھی ایک پتھر پر ماری۔ اس سے فوراً چشمہ اُبلنے لگا۔ جس سے حضرت شیخ نے اول خود نوش فرمایا بعدہٗ اور رفقار نے حضرت حافظِ قرآن نہ تھے اس وجہ سے آپ کی طبیعت بے چین ہوتی تھی اور اس کا قلق ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ بہت رنج ہوا تو عالم واقعہ میں اپنے شیخ کو یہ فرماتے دیکھا کہ سو مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھو۔ اس قلق سے خلاصی پاؤگے۔ سو مرتبہ پڑھنا تھا کہ تمام قرآن شریف حفظ ہوگیا اس کے بعد سے پانچ ختم روزآنہ کیا کرتے تھے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ کی خدمت میں جو شخص تین دن رہتا تھا صاحب کرامت ہوجاتا تھا۔ حضرت شیخ ایک مرتبہ سفر میں تشریف لے جارہے تھے کہ راستہ میں ایک جگہ کنگ نام پہنچے وہاں ایک درویش رہتے تھے۔ اُن کے مہمان رہے۔ شب کو ان کی لڑکی نے خواب دیکھا کہ چودہویں رات کا چاند آسمان سے آیا اور آکر میری گود میں اُترا۔ صبح کو والد سے خواب کہا۔ وہ حضرت شیخ سے تعبیر پوچھنے کے لئے حاضر ہوئے۔ قبل

اس کے کہ وہ کچھ عرض کریں حضرت شیخ نے خود ہی خواب کا قصہ ذکر فرمایا اور تعبیر بھی فرمائی درویش نے اپنی صالحہ لڑکی کا نکاح حضرت شیخ سے کر دیا۔ ان سے مودود چشتی جن کا آئندہ ذکر آنے والا ہے وہ پیدا ہوئے۔ ایک مرتبہ عبادت میں کچھ کاہل ہو گئے تھے تو بیس برس تک پانی نہ پیا۔ مجاہدات میں آپ بھی اپنے بڑوں کے قدم بقدم تھے۔ مکان میں ایک چلہ خانہ بنا کر بارہ سال تک اس میں چلہ کھینچا ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے تو ایک مسجد پر گذر ہوا جو زیر تعمیر تھی۔ وہاں سب لوگ اس اشکال میں تھے کہ مسجد کی چھت کے لیے جو شہتیر لیا تھا وہ چھوٹا ہو گیا تھا۔ اس کی اصلاح کی کوئی صورت نہ تھی۔ حضرت سے بھی کسی نے عرض کیا آپ گھوڑے سے اترے اور مسجد کی چھت پر تشریف لے جا کر ایک جانب سے اس کو خود اٹھایا اس جانب سے وہ مسجد سے ایک گز زیادہ ہو گیا۔ سب لوگ سخت حیرت میں رہ گئے

وفات

حضرت کا وصال اکثر کے نزدیک تین رجب ۴۵۹ھ میں ہوا۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اس پر اہل تاریخ کا اتفاق لکھا ہے۔ لیکن بعض مورخین نے بجائے رجب کے اوائل جمادی الاخریٰ اور بعض نے یکم جمادی الاولیٰ اور چار ربیع الآخر بھی بتائی ہے اور چشت ہی میں مزار ہے۔ عارف کامل آپ کی تاریخ وفات ہے جو ر اسی سال آپ کی عمر بتلائی جاتی ہے۔ جب آپ کی وفات قریب ہوئی تو آپ نے اپنے صاحبزادہ خواجہ مودود چشتی کو جن کا آئندہ ذکر آنے والا ہے اپنا قائم مقام فرما دیا۔ ان کے علاوہ خواجہ عبداللہ انصاری کا شمار بھی آپ کے خلفاء میں کیا گیا ہے

---

(۱۷) خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ

قطب الاقطاب اور قطب الدین آپ کا لقب تھا۔ شمع صوفیان و چراغ چشتیاں وغیرہ خطابات سے مخاطب کئے جاتے تھے۔ ولادت حضرت شیخ کی ۴۳۰ھ میں ہوئی۔ نسباً سید حسنی تھے۔ اپنے والد خواجہ ابویوسف صاحبؒ سے خرقہ اجازت حاصل کیا۔ سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر چکے تھے۔ اور سولہ ۱۶ سال کی عمر میں تحصیل علوم ظاہریہ فرما چکے تھے۔ بعض اہل تاریخ کی رائے ہے کہ تکمیل علوم ظاہری مشیخت کے بعد بمشورہ شیخ احمد فرمائی ہے۔ اسی زمانہ میں منہاج العارفین اور خلاصۃ الشریعت تصنیف فرمائی۔

انتیس ۲۹ سال کی عمر میں والد نے انتقال فرمایا۔ اور آپ کو اپنی جگہ بٹھایا آپ اپنے والد کے سچے جانشین تھے اور ہدایت خلق میں والد کی نیابت کا حق ادا کیا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ دس ۱۰ ہزار خلفاء آپ کے تھے اور مریدین کی تو کوئی انتہا ہی نہیں آپ کو طی الارض بھی حاصل تھا۔ چنانچہ جب طواف کو دل چاہتا تھا ہوا کے ذریعہ سے مکہ مکرمہ پہنچ جاتے تھے۔ خواجہ صاحب فقراء کے ساتھ زیادہ محبت رکھتے تھے۔ لباس بھی عمدہ نہیں پہنتے تھے۔ بکمال تواضع اور مسکنت کے سبب ہر شخص کو خود سلام کرتے تھے۔ اور ہر شخص کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ کشف قلوب و کشف قبور آپ کو حاصل تھا۔ ایک مرتبہ کوئی شہزادہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تبرک کی درخواست کی۔ آپ نے انکار فرمادیا وہ چند مخلصوں کو سفارشی لایا۔ ان کی سفارش پر آپ نے ایک ٹوپی مرحمت فرمائی۔ لیکن یہ

فرمایا کہ اس کی رعایت رکھنا ورنہ پشیمان ہوگے۔ وہ وہاں جا کر اپنے لہو ولعب میں مشغول ہو گیا۔ شیخ کو معلوم ہوا۔ فرمایا کہ گیا ٹوپی نے اپنا کام نہیں کیا۔ کچھ ہی دن گزرے کہ اس کو کسی جرم میں گرفتار کیا گیا اور آنکھیں نکلوادی گئیں۔ خواجہ موصوف کے خلفاء دس ہزار تک بتائے جاتے ہیں ان کا احاطہ ناممکن ہے۔ البتہ تبرکاً مشاہیر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

خواجہ ابو احمد، خواجہ شریف زندنی، شاہ سنجان، شیخ ابو نصیر شکیبان، شیخ حسن تبتی، شیخ احمد بدرون، خواجہ سبز پوش، شیخ عثمان اول خواجہ ابو الحسن وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے اس شجرہ کے متوسل خواجہ شریف زندنی ہیں۔ جن کا آئندہ ذکر آنے والا ہے۔

وفات حضرت شیخ کی شروع رجب ۵۲۷ھ میں ہوئی اور ستانوے ۹۷ سال حضرت کی عمر ہوئی۔ آپ کی نماز جنازہ اول رجال غیب نے پڑھی اس کے بعد عام آدمیوں نے، اور نماز کے بعد جنازہ خود بخود اڑنے لگا۔ خواجہ صاحب کی اس کرامت سے بیشمار لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کا مزار بھی چشت میں ہے۔

(۱۸) خواجہ شریف زندنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا لقب نیر الدین تھا ۴۹۲ھ میں آپ کی ولادت مقام زندنہ میں ہوئی خرقہ اجازت حضرت شیخ خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ ریاضات و مجاہدات میں کمال تھا۔ چالیس سال تک آبادی سے متوحش ایک جنگل میں قیام فرمایا اور درختوں کے پتوں وغیرہ پر گذر فرماتے رہے۔ فقر و فاقہ زیادہ پسند تھا۔ اکثر

پُرانا کپڑا پہنا کرتے تھے۔ تین دن میں افطار فرماتے۔ لیکن محض بے نمک کی سبزی پر قناعت کرتے۔ ایک مرتبہ ایک فقیر حاضر خدمت ہوا۔ اور آکر نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ سات لڑکیاں ہیں اور خرچ بالکل نہیں۔ کوئی ایسی صورت بتایئے کہ میں ان کے نکاح وغیرہ سے سبکدوش ہو جاؤں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ کل تمہارے لئے کوئی صورت تجویز کی جائیگی۔ یہ سُنکر وہ فقیر واپس ہوا۔ راستہ میں ایک شخص کافر ملا۔ اس نے حال پوچھا فقیر نے حضرت کے یہاں کی حاضری کا قصہ سُنایا۔ اُس نے کہا کہ حضرت شیخ خود فقیر ہیں۔ کیا نظم کر سکتے ہیں ان سے جاکر کہو کہ اگر سات سال میری خدمت قبول کریں تو سات ہزار دینار میں حق الخدمت دے سکتا ہوں۔ حضرت شیخ نے اس کو قبول فرما لیا اور اس فقیر کے ساتھ اس کافر کے یہاں تشریف لے گئے وہ دینار اس کو دلاکر خود بندگی قبول فرما لی۔ بادشاہ وقت کو اطلاع ہوئی۔ اس نے فوراً سات ہزار دینار حضرت شیخ کی خدمت میں روانہ کر دیئے۔ شیخ نے یہ فرما کر کہ میرا اقرار وعہد بندگی کا ہوا ہے۔ معاوضہ کا نہیں وہ رقم بھی فقرار کو تقسیم کر دی۔ وہ کافر حضرت کا یہ استقلال دیکھ کر متحیر رہ گیا اور حضرت شیخ کو اپنی بندگی سے آزاد کر دیا۔ حضرت نے اس کے لئے دُعا فرمائی کہ تُو نے مجھے اپنی قید سے آزاد کر دیا حق جل شانہٗ تجھ کو دوزخ سے آزاد کرے۔ یہ کلمہ اس پر کچھ ایسا مؤثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہوگیا اور حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر علم سلوک حاصل کیا۔

ایک مرتبہ کوئی معتقد کچھ نذرانہ لے کر حاضر ہوا۔ حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ یہ سب جنگل اسی سے بھرا پڑا ہے۔ اس نے حضرت کے اشارہ کی طرف دیکھا تو سونے کی ایک نہر بہہ رہی تھی اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ

حضرت کا پس خوردہ جو شخص کھالیتا تھا مجذوب ہوجاتا تھا۔

رونے کا آپ پر غلبہ تھا۔ اکثر نعرہ مار کر روتے اور بیہوش ہوجایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا کہ آپ اس قدر کیوں روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب آیۃ دما خلقت الجن والانس الالیعبدون کا خیال آتا ہے تو تاب نہیں رہتی۔ اس خیال سے کہ پیدائش تو عبادت کے لئے ہے۔ اور میں زید عمرو میں مشغول رہتا ہوں۔

آپ کی وفات تیسری یادسویں رجب ۶۱۲ھ میں ہوئی اور پوری عمر آپ کی اکیسو بیس سال کی تھی اور بعض قول کے موافق آپ کی وفات ۵۸۴ھ اور ۵۸۰ھ میں ہے۔ آپ کے مزار میں اختلاف ہے بعض لوگوں کے نزدیک قنوج میں ہے اور بعض لوگ زندنہ میں بتاتے ہیں اور بعض شام میں۔ آپ کے مشہور خلفاء میں عثمان ہارونی ہیں جن کا ذکر یہ ہے۔

---

(۱۹) خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ

ابوالنور یا ابوالمنصور آپ کی کنیت ہے۔ علوم شریعت وطریقت دونوں میں کمال حاصل تھا۔ کلام اللہ شریف بھی حفظ تھا۔ روزانہ کلام مجید ختم فرمایا کرتے تھے مقام ہارون میں ۵۲۶ھ کو آپ کی ولادت ہوئی۔ خرقہ فقر وخلافت حضرت شیخ حاجی شریف رح سے حاصل کیا۔ لیکن اپنے دادا حضرت پیر خواجہ قطب الدین سے بھی دعائیں اور برکات حاصل کیں۔ موضع ہارون جو نیشاپور کے نواح میں ہے سکونت اختیار

فرمائی۔ تنتر سال تک مجاہدہ فرمایا ہے اس دوران میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا تناول نہیں فرمایا۔ کہتے ہیں کہ مجاہدہ میں آپ اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ساتویں دن منہ بھر پانی پیتے تھے۔ حضرت کو خلافت کے وقت شیخ نے کلاہ چارترکی یعنی چار کلیوں کی ٹوپی پہنائی تھیں۔ اور ارشاد فرمایا تھا کہ اس سے چار ترکون کی طرف اشارہ ہے ترک دنیا۔ ترک آخرت بجز۔ ذات حق سبحانہ تعالیٰ۔ ترک خواب و نوم ترک ہوا نفس۔

حضرت کا معمول اکثر سفر کا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ آتش پرستوں کے شہر میں پہنچے۔ وہاں ان لوگوں نے بہت سی آگ جلا رکھی تھی۔ حضرت نے اپنے خادم کو بھیجا کہ آگ لے آوے اور کھانا وغیرہ پکاوے۔ ان لوگوں نے آگ دینے سے انکار کر دیا۔ اور یہ کہا کہ یہ آگ پرستش کے لئے ہے۔ اس میں سے دینا ہمارے یہاں مذہباً جائز نہیں۔ حضرت خود تشریف لے گئے اور ان کو بہت سی نصیحت فرمائی کہ آگ ہرگز پرستش کے قابل چیز نہیں۔ پرستش کے قابل صرف وہی ایک ذات لاشریک لہٗ ہے۔ آگ خود مخلوق ہے۔ اگر اس کی پرستش کروگے تو یہ تم کو خود جلائیگی۔ ورنہ یہ تمہیں قیامت کے دن نہیں جلائیگی۔ یہ سُن کر وہ سب کہنے لگے کہ اچھا آپ آگ کو نہیں پوجتے۔ اس لئے اس میں جاکر دکھلائیے کہ وہ اثر کرتی ہے یا نہیں۔ حضرت نے یہ سُن کر وضو فرمائی اور دوگانہ ادا کیا۔ اس کے بعد ان کے پاس سے سردار کے ایک کم سن بچے کو گود میں لے کر اس آگ میں چلے گئے اور دو گھنٹہ اس آگ میں رہے۔ آگ نے اس بچہ تک میں کوئی اثر نہیں کیا۔ یہ ولایۃ ابراہیمی تھی یعنی حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزہ کا پرتو تھا۔ اس پر وہ سب

مع اس سردار کے مسلمان ہو گئے۔ اس سردار کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا اور اور اس کے لڑکے کا نام ابراہیم۔ پھر حضرت شیخ کے خدام میں داخل ہو گئے۔ خواجہ معین الدین ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت شیخ کے ساتھ جا رہا تھا دریا پر گذر ہوا۔ اتفاقاً کوئی کشتی موجود نہیں تھی۔ حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا کہ آنکھیں بند کر لو۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر میں ارشاد فرمایا کہ کھول دو میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ دریا کے پار کھڑے ہیں۔ میں نہیں سمجھا کہ کس طرح گئے اور کیسے پہنچے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ میرا لڑکا ایک عرصہ سے گم ہے کہیں پتہ نہیں چلتا۔ حضرت اس طرف توجہ فرمائیں اور دُعا کریں۔ حضرت نے تھوڑی دیر مراقبہ کیا۔ اور مراقبہ کے بعد فرمایا کہ تمہارا لڑکا تمہارے گھر آ گیا۔ اس کو سخت حیرت ہوئی جا کر دیکھا تو وہ موجود تھا۔ فوراً شکریہ کے لئے اس کو حضرت شیخ کی خدمت میں لایا۔ لوگوں نے اس سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عرصہ سے ایک جزیرہ میں محبوس تھا۔ اسی وقت دفعۃً ایک بزرگ جو حضرت کی صورت کے تھے تشریف لے گئے اور فرمایا کہ چل اور میرے دونوں پاؤں اپنے پاؤں پر رکھوا کر آنکھیں بند کرا دیں۔ تھوڑی دیر میں ارشاد فرمایا کہ کھول دے میں نے آنکھیں کھولیں تو اپنے گھر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ کو ایک شب و روز میں واصل الی اللہ کر دیا تھا۔ حضرت شیخ کا مقولہ ہے کہ جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ اپنے آپ کو حق تعالیٰ شانہٗ کا دوست سمجھے۔ اول سخاوت دریا جیسی۔ دوسرے شفقت آفتاب جیسی، تیسرے انکساری زمین جیسی۔ حضرت خواجہ معین الدین صاحبؒ سے

منقول ہے کہ آپ اپنے ایک پیر بھائی کے دفن میں شریک ہوئے۔ دفن کے بعد سب لوگ متفرق ہوگئے۔ اور آپ کچھ دیر وہاں رہے۔ قبر کا حال منکشف ہوا۔ کسی جرم میں صاحب قبر کے پاس عذاب کے فرشتے آئے۔ تو حضرت شیخ خواجہ عثمان ہارونی بھی تشریف لائے اور عرض کیا کہ میرے سے تعلق رکھنے والوں میں ہے۔ حضرت کی سفارش سے اس کا عذاب ملتوی ہوگیا۔

حضرت شیخ کا وصال پانچ شوال ۶۱۷ھ میں ہوا۔ بعض لوگوں نے ۶۰۳ھ میں ہونا بھی بتلایا ہے۔ مکہ معظمہ میں آپ کا مزار ہے۔ سنہ وفات ۵۶۱ھ، ۵۹۶ھ اور ۶۳۳ھ بھی بتلایا گیا ہے حضرت کے چار خلیفہ مشہور تھے۔ خواجہ معین الدین اجمیری، خواجہ نجم الدین صغری، شیخ سوری منگوہی، خواجہ محمد ترک۔ ان میں سے ہندوستان کا منتہائے سلاسل حضرت خواجہ معین الدینؒ ہیں وہی اس شجرہ میں بھی مذکور ہیں۔ ان کا ذکر یہ ہے۔ [1]

---

(۲۰) خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ

آپ کے والد کا اسم شریف غیاث الدین سنجری تھا۔ آپ کی پیدائش باتفاق اہل تواریخ ۵۳۷ھ ایران کے علاقہ سیستان قصبہ سنجر میں ہوئی۔ آپ ہندوستان کے امام الطریق تھے۔ آپ ہی سے ہندوستان میں علوم معرفت کا افتتاح ہوا۔ اور

---

[1] خزینۃ الاولیاء، ملفوظات انوار العاشقین، سفینۃ الاولیاء، تعلیم الدین

سلسلہ چشتیہ ہندوستان میں آپ ہی سے پھیلا اور ہندوستان میں نوے لاکھ آدمی آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے، آپ کا نسب گیارہ پشت پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے کمالات بحر لا متناہی ہیں، حتیٰ کہ کہتے ہیں کہ جس پر نظر ڈالتے تھے۔ صاحب معرفت ہوجاتا تھا۔ علوم ظاہریہ و باطنیہ دونوں میں کمال حاصل تھا۔ آپ کی عمر پندرہ سال کی تھی جبکہ آپ کے والد نے انتقال فرمایا۔

سلوک کی ابتدا،

تقسیم وراثت میں آپ کے حصہ میں ایک باغ آیا۔ اس کی نگرانی آبپاشی وغیرہ خاص طور سے فرماتے تھے ایک مرتبہ اس میں مشغول تھے کہ ایک مجذوب ابراہیم قہندزری باغ میں تشریف لائے۔ حضرت شیخ نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور اُن کے لئے کچھ انگور اور کچھ پھل لے کر آئے۔ ابراہیم مجذوب نے اپنے دانتوں سے چبا کر حضرت خواجہ کو دیا۔ جس کے کھاتے ہی باغ میں ایک نور ظاہر ہوا۔ اور حضرت خواجہ کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ دنیا سے بالکل منقطع حق تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہ کی طرف خاص کشش پیدا ہوگئی۔ باغ وغیرہ فروخت کر کے فقراء کو تقسیم کر دیا اور سفر کے لئے چل دیئے اوّل سمرقند پہنچے۔ وہاں حفظ قرآن اور تعلیم علوم ظاہری میں مشغول رہے۔ اس سے فراغت کے بعد عراق تشریف لے گئے۔ اور قصبہ ہارون میں پہونچکر خواجہ عثمان ہارونی سے بیعت ہوئے اور ایک ہی دن میں تکمیل ہوگئی۔ اور ساتھ ہی ساتھ حضرت شیخ کی توجہ سے سب علوم حاصل ہوئے اور اس کے بعد امتثال امر کی وجہ سے بیس ۲۰ سال حضرت کی خدمت میں اور رہے۔

اتباعِ سُنت کا ایک واقعہ حضرت حکیم الامۃ مولانا شاہ اشرف علی صاحب اپنے ملفوظات میں تحریر فرماتے ہیں کہ : میں نے بزرگانِ سلف کے تذکرے دیکھے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان کی حالت اور طرز وہ نہ تھا جو آج کل کے اکثر مشائخ کا ہے ۔ ان مشائخ کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اتباع شریعت کو وصول الی اللہ کے لئے چنداں ضروری نہیں سمجھتے اور ان کا اعتقاد ہے کہ شریعت اور ہے طریقت اور ہے ۔ بلکہ بزرگانِ سلف کا حال تقویٰ طہارت اور اتباع سنت میں صحابہ کا سا تھا ۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بار آپ وضو کرنے میں اُنگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے تو غیب سے آواز آئی کہ محبتِ رسول کا دعویٰ اور سُنت کا ترک ؟ آپ نے فوراً توبہ کی کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا ۔ اور لکھا ہے کہ آپ کی یہ حالت تھی کہ جہاں آپ آگ کو دیکھتے تو کانپ اُٹھتے کہ کہیں قیامت کے روز اس کی سزا نہ ہو ۔ تو اتباع سنت میں ان حضرات کا وہی حال تھا جو حضرات صحابہ کا تھا ۔

حضرت شیخ ہندوستان کی ولایت پر آپ کو مامور فرما کر حج کو تشریف لے گئے حضرت کے یہاں سے واپسی پر مشاہیر مشائخ نجم الدین کبریٰ اور حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی وغیرہ حضرات کی زیارت و فیوض سے متمتع ہوتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے ۔

خوارق وکرامات حضرت شیخ کی کرامات بہت زیادہ ہیں ۔ یہ مختصر رسالہ ان کا متحمل نہیں ۔ از آنجملہ ایک مرتبہ حضرت اپنے

دوران سفر میں ہرات تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شیعی امیر تھا۔ وہ اس قدر متعصب واقع ہوا تھا کہ حضرت ثلثہ کے نام پر اگر کوئی شخص نام رکھتا تھا تو اس کو قتل کرا دیتا تھا۔ حضرت شیخ کا گذر اس کے خاص باغ میں کو ہوا۔ وہاں لب حوض تشریف فرما ہوئے وہ شخص باغ میں آیا اور حضرت کو لب حوض دیکھ کر غضبناک ہو کر کسی تکلیف دہی کا ارادہ کیا۔ حضرت نے اس پر ایک نگاہ ڈالی وہ بیہوش ہو کر گر گیا۔ حضرت شیخ نے تھوڑی دیر میں اس پر حوض کا پانی ڈالا۔ جس سے وہ ہوش میں آیا۔ لیکن اس حالت میں کہ سخت معتقد تھا اور مع اپنے اراکین کے حضرت سے بیعت ہو گیا اور خلافت ظاہری و باطنی سے آپ کا نائب و امیر بنا۔ ایک بڑی رقم نذرانہ کی پیش کرنا چاہی مگر حضرت نے یہ فرما کر کہ یہ مال تمہارا نہیں۔ تمہیں حق نہیں واپس کر دیا۔ اس سفر میں اور بھی بہت سی کرامتیں حضرت سے صادر ہوئیں۔ حضرت تمام سفر سے ہر جگہ کے اکابر و مشائخ سے حصول فیوض کرتے ہوئے دس محرم ۵۶۱ھ کو اجمیر شریف رونق افروز ہوئے وہاں سب سے پہلے مُرید حضرت کے میر سید حسین صاحب تھے جو اوّل مذہب شیعہ رکھتے تھے، بعدہٗ اس سے تائب ہو کر حضرت سے بیعت ہوئے اور کمال حاصل کیا۔ اس کے بعد ہزار ہا خلقت داخل سلسلہ ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بنا پر ہندوستان تشریف لائے۔ اجمیر کی تعیین حضرت نے ظاہر ہے کہ ارشاد ہی سے کی ہوگی۔ وہاں کے تشریف لے جاتے اور قیام کا قصہ طویل اور مشہور ہے اس لیے اس کو مختصر کرتا ہوں کہ حضرت وہاں تشریف لے گئے اور آبادی سے باہر ایک جگہ تشریف فرما ہوئے۔ کہ ساربان نے آکر عرض کیا کہ یہ

شاہی اونٹوں کی جگہ ہے اس جگہ سے تشریف لے جائیں آپ وہاں سے اُٹھ کر رانا ساگر نامی تالاب کے قریب تشریف لے گئے اور جاکر تشریف فرما ہوئے، لیکن اونٹ اپنی جگہ کچھ ایسے بِل گئے کہ اُٹھ نہ سکے۔ ساربان نے راجہ پرتھوی راج سے جاکر قصہ سُنایا اور شکایت کی۔ اس نے کہا کہ بغیر اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اس درویش کے پاس جاکر پاؤں پکڑ لیے جائیں۔ راجہ خود بھی بہت سی زکیں اُٹھا چکا تھا جس ساحر جادوگر کو بلاتا وہی نہ صرف ناکام بلکہ حضرت کا معتقد مرید ہوجاتا۔

رانا ساگر نامی تالاب پر ایک گائے ذبح کی کفار نے حملہ کیا مگر شکست کھائی اس کے بعد وہ لوگ اپنے دیو کے پاس شکایت لے کر گئے اس نے کئی مرتبہ جادو کیا لیکن اس کا کوئی بھی اثر حضرت پر نہیں ہوا۔ یہ دیکھ کر وہ دیو بھی اسلام لے آیا بالآخر مجبور ہو کر راجہ نے مزاحمت چھوڑ دی اور حضرت شیخ نے جنگل سے آبادی میں قیام فرمایا۔ حضرت کثیر المجاہدہ تھے۔ ستر سال رات کو نہیں سوئے۔ آپ کے کمالات بیان و تحریر سے باہر ہیں۔ آپ کے کمال کی انتہا ہے کہ آپ کے شیخ آپ کی بیعت پر فخر فرماتے تھے۔

جُودوسخاوت حضرت خواجہ قطب الدین سے نقل ہے کہ میں بیس (۲۰) سال حضرت کی خدمت میں رہا ہوں۔ کبھی کسی کو حضرت نے انکار نہیں فرمایا۔ جب کوئی شخص کچھ مانگنے آتا۔ حضرت مصلے کے نیچے ہاتھ ڈال کر جو اس کی قسمت کا ہوتا وہ اس کو مرحمت فرمادیتے۔ آپ کا یہ بھی بیان ہے کہ میں نے اس عرصہ میں حضرت کو غصہ ہوتے نہیں دیکھا۔

ارشادات آپ کا مقولہ ہے کہ معرفت حق کی علامت ہے کہ خلقت سے بھاگنے لگے

فرمایا کرتے تھے کہ اہل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے اور شقاوت کی علامت یہ ہے کہ آدمی مبتلائے معصیت ہو اور پھر بھی اپنے آپ کو مقبول سمجھے۔

حضرت کا مقولہ ہے کہ بیس[۲۰] سال میں نے حضرت شیخ کی خدمت سے نفس کو مہلت نہیں لینے دی نہ رات کی خبر ہوتی تھی نہ دن کی۔ حضرت شیخ نے جب میری خدمت کی طرف توجہ فرمائی تو وہ بے انتہا نعمت عطا فرمائی کہ اس کا بیان بھی ناممکن ہے اور یہ فرمایا کہ جو کچھ ملتا ہے خدمت سے ملتا ہے۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ مرید ثابت قدم کب ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ جب فرشتہ بیس[۲۰] سال تک کوئی برائی اس کے نامہ اعمال میں نہ لکھے۔

وفات

آپ کی وفات سلطان التمش کے دور میں ہے اور تاریخ وفات بقول جمہور اہل تاریخ ۶ رجب یوم دوشنبہ ہے۔ بعض لوگوں نے تیس[۳۰] ذی الحجہ بھی کہی ہے۔ مگر صحیح پہلا ہی قول ہے۔ لیکن سنہ وفات میں سخت اختلاف ہے۔ ۶۳۲ھ، ۶۳۳ھ، ۶۳۶ھ، ۶۳۷ھ اتنے اقوال ہیں، عمر میں بھی چند قول ہیں۔ بعض نے چھیانوے سال اور بعض نے ایک سو چار[۱۰۴] اور بعض نے ایک سو سات[۱۰۷] سال بتائی ہے۔ مزار اجمیر شریف میں ہے۔ آپ کے خلفاء کی تعداد بہت ہے۔ مشاہیر بھی تیرہ[۱۳]، چودہ[۱۴] ہیں۔ اس لئے ان کے اسمائے گرامی کو بڑی کتابوں کے حوالہ کر کے اپنی غرض پر اکتفا کرتے ہوئے۔[۱]

---

[۱] خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، تعلیم الدین، ملفوظات حضرت حکیم الامتؒ

(۲۱) حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی

پر اکتفا کرتا ہوں۔ حضرت شیخ اکابر اولیار مستجاب الدعوات بزرگوں میں ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت امام جعفر صادقؓ سے ملتا ہے۔ قصبہ اوش جو ماورالنہار کے قصبات میں سے ہے آپ کا مسکن ہے آپ کی ولادت قصبہ اوش میں ۵۸۲ھ میں ہوئی ولادت اگرچہ آدھی رات کو ہوئی تھی لیکن انوار کی کثرت نے دیکھنے والوں پر دن کا شبہ کردیا تھا۔

تعلیم و تربیت آپ کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی کہ آپ کے والد سید کمال الدین احمد ابن سید موسیٰ نے انتقال فرمایا۔ آپ کو آپ کی والدہ نے پرورش کرنا شروع کیا۔ جب آپ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ نے کسی معلم کے حوالہ کرنے کے لئے ہمسایہ کے ساتھ آپ کو بھیجا۔ راستہ میں ایک بزرگ ملے اُنھوں نے دریافت کیا کہ اس لڑکے کو کہاں لیجاتے ہو۔ اور یہ جواب سُنا کر تعلیم کے لئے مکتب لیجارہا ہوں فرمایا کہ میرے حوالہ کرو۔ میں ایک معلم کے پاس بٹھادوں گا۔ ہمسایہ نے ان کے حوالہ کردیا۔ وہ بزرگ خواجہ ابوحفص اوشی قدس سرہٗ کے پاس لے گئے۔ اور فرمایا کہ احکم الحاکمین کا حکم ہے کہ اس لڑکے کو توجہ سے پڑھاؤ اور یہ فرماکر چلے گئے حضرت استاد نے دست شفقت پھیر کر شاگرد سے فرمایا کہ بڑے صاحب نصیب ہو کہ حضرت خضر علیہ السلام تمہیں میرے حوالہ فرماگئے ہیں۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ جب خواجہ قطب الدینؒ قصبہ اوش میں پہنچے تو آپ کی عمر چار سال چار ماہ کی تھی۔ آپ حضرت شیخ کی خدمت میں علم ظاہری

کی تحصیل کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت نے تختی لے کر کچھ تحریر فرمانے کا ارادہ کیا
کہ نداء غیبی سے یہ معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب کی تحصیل ظاہری قاضی حمیدالدین ناگوری
کے حوالہ ہے۔ اس لئے حضرت شیخؒ نے وہ تختی رکھدی۔ اس کے بعد قاضی حمیدالدین
صاحب سے آپ نے کلام مجید ختم فرمایا۔ تعلیم الدین میں یہ واقعہ بہت مختصر الفاظ
میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ہاتف غیبی کی آواز سے قاضی حمیدالدین
ناگوری چشم زدن میں آنکھیں بند وہاں پہنچے۔ تختی لے کر پوچھا اے قطب الدین
کیا لکھوں؟ فرمایا لکھو! سبحان الذی اسریٰ بعبدہ الآیۃ قاضی صاحب
نے متعجب ہو کر پوچھا۔ تو کہا کہ پندرہ ۱۵ پارے والدہ سے میں نے یاد کئے ہیں۔
پس چار دن میں قرآن شریف ختم کرا دیا۔ اھ حضرت نے علوم ظاہری کی بہت جلد
تکمیل فرمائی۔

بیعت وارشاد

بلوغ کے قریب ہی علوم باطنیہ کا شوق ہوا۔ اور حضرت خواجہ معین الدین صاحب سے بیعت ہوئے۔ بعض لوگوں
نے پانچ رجب کو مسجد ابو اللیث میں آپ کا بیعت ہونا تحریر کیا ہے۔ اور سترہ ۱۷ سال
کی عمر میں خرقۂ اجازت حاصل کر لیا۔ آپ حضرت خواجہ صاحبؒ کے سب سے اول
خلیفہ ہیں۔ حضرت شیخؒ ہی کے ارشاد سے دہلی قیام فرمایا۔ کہتے ہیں کہ حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم ارواح میں خواجہ معین الدین صاحبؒ کو حکم فرمایا تھا کہ
قطب الدین خدا کا دوست ہے اس کو خرقہ پہناؤ، اور دہلی کی ولایت بھی بحکم
الٰہی متعین کی گئی تھی۔ اپنی حاضری آستانۂ شیخ پر اوائل رمضان ۵۸۲ھ لکھی ہے
اس بناء پر ممکن ہے کہ پہلا اتفاق اس سے پہلے ہوئی جو لکھی گئی۔

آپ دہلی کے قیام میں ایک مرتبہ اجمیر حاضر ہوئے تو اہل دہلی کو آپ کی مفارقت سخت گراں ہوئی۔ حضرت شیخ کی خدمت میں التجا و اصرار کیا۔ حضرت نے جلد دہلی کو واپس کر دیا۔

حضرت اکثر اوقات غیاث پور سے حضرت خواجہ معین الدینؒ کے مزار کی زیارت کو جاتے۔ ایک مرتبہ دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ میرے آنے کی نہ معلوم حضرت خواجہ صاحب کو خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ جب مزار کے قریب پہنچے اور زیارت سے مشرف ہوئے تو صراحۃً دیکھا کہ آپ کی قبر پر حاضر ہوں اور حضرت فرما رہے ہیں ؎

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

ہر شب کو علاوہ دیگر معمولات کے تین ہزار مرتبہ درود شریف بھی آپ کا معمول تھا۔ نکاح کے زمانہ میں بیوی کی ملاطفت کو مقدم سمجھ کر دو تین روز نہیں پڑھ سکے کہ انیس احمد نامی ایک خادم تھا۔ اس نے خواب دیکھا کہ ایک بڑا عالیشان محل ہے اس کے باہر ایک بڑا مجمع اکٹھا ہو رہا ہے۔ لیکن اندر کوئی نہیں جاتا۔ ایک پشتہ بزرگ ہیں جو اندر باہر آتے جاتے ہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ مکان میں حضور اقدس فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور یہ بزرگ عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ جو باہر والوں کے پیام لے جاتے ہیں۔ ان انیس احمد نے بھی تمنائے زیارت کا اظہار کیا اور درخواست اجازت کی پیش کی۔ وہاں سے حکم ہوا کہ تم میں ابھی زیارت کی اہلیت نہیں۔ البتہ قطب الدین سے سلام کہو اور یہ کہو کہ تین دن سے

تمہارا تحفہ نہیں پہنچا۔ سَو رکعت روزانہ آپ کا معمول تھا آپ پر استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ کوئی شخص جب حاضرِ خدمت ہوتا تو آپ کو دیر تک اس کے آنے کا علم نہیں ہوتا، آپ کے خوارق وکرامات بہت ہیں۔

وفات

ایک مرتبہ کسی شخص سے یہ شعر سُنا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ٭ ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

یہ سُن کر حضرت چار روز سکر کی حالت میں رہے اور پانچویں روز انتقال فرمایا۔

آپ کا جب وصال ہوا تو خواجہ شمس الدین التمش سلطان دہلی نے آپ کو غسل دیا۔ اس کے بعد آپ کے خلیفہ خواجہ ابو سعید تبریزی نے حضرت کی یہ وصیت سُنائی کہ میرے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھاوے جس نے کبھی حرام کے لئے کمر بند نہ کھولا ہو۔ سُنتِ عصر اور تکبیرِ اولیٰ جماعت کی کبھی فوت نہ کی ہو۔ یہ سُن کر تھوڑی دیر سکتہ کا عالم رہا۔ اس کے بعد سلطان شمس الدین آگے بڑھے اور فرمایا کہ میرا دل چاہتا تھا کہ کوئی شخص میرے حال پر مطلع نہ ہو مگر حضرت شیخ نے اظہار فرما دیا۔

حضرت اقدس تھانوی نے اپنے ایک ملفوظ میں اس قصہ کو ان الفاظ سے ذکر فرمایا ہے۔ حضرت شیخ نے یہ وصیت کی تھی کہ میری نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے جس کی ساری عمر نامحرم پر نظر نہ پڑی ہو۔ بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ اور سب حیران تھے کہ ایسے شخص کو کہاں تلاش کریں۔ آخر کار جب لوگ مایوس ہو گئے تو مجبوراً سلطان التمش کو ظاہر کرنا پڑا اور فرمایا کہ صاحبو! اگر حضرت ارشاد نہ فرماتے تو کبھی میں ظاہر نہ کرتا۔ مگر جب شیخ ہی نے پردہ فاش کر دیا تو کہتا ہوں کہ

اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت مجھ کو نصیب کی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے شیخ کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ (القول الجلیل)" منقول ہے کہ آپ کا لقب کاکی اس وجہ سے مشہور ہوا کہ جب آپ دہلی میں رہنے لگے تو کسی سے کوئی چیز قبول نہیں فرماتے تھے اور مستغرق رہتے تھے۔ ان ایام میں آپ کے یہاں کوئی غلام باندی نہیں تھی۔ ایک مسلمان دوکاندار شرف الدین نامی آپ کا ہمسایہ تھا۔ اور اس کی عورت کبھی کبھی آپ کی اہلیہ کے پاس آتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت کے یہاں کھانے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔ ایک دو وقت کے فاقے بھی ہو چکے تھے۔ حضرت کی اہلیہ نے اس عورت سے نصف ٹنکہ یا کم و بیش قرض لیا۔ ایک روز اس عورت نے اہلیہ محترمہ سے کہا کہ اگر ہم تمہیں قرض نہ دیں تو تم بھوکے مر جاؤ۔ یہ بات اہلیہ کو ناگوار ہوئی۔ اور عہد کر لیا کہ آئندہ ہرگز قرض نہیں لیں گی۔ ایک روز فرصت پا کر حضرت سے بھی یہ بات عرض کر دی۔ حضرت نے تھوڑی دیر تامل کے بعد فرمایا کہ اس عورت سے کوئی چیز قرض نہ لینی چاہیئے۔ اور ایک طاق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ضرورت کے وقت بسم اللہ پڑھ کر اس میں سے کاک نکال لیا کرو۔ اور جس کو چاہو دیدیا کرو۔ چنانچہ اہلیہ محترمہ اس میں سے کاک نکالتی رہتیں اور بانٹ دیا کرتیں۔

حضرت شیخؒ کا وصال چودہ[۱۴] یا چوبیس[۲۴] ربیع الاول ۶۳۴ھ یا ۶۳۳ھ بروز دوشنبہ پچاس[۵۰] یا باون[۵۲] یا چوہتر[۷۴] سال کی عمر میں ہوا ہے۔ اور قصبہ مہرولی جو دہلی سے قطب صاحب کی جانب ہے وہاں آپ کا مزار ہے۔ اوّل ایک زمانہ تک بالکل کچا رہا۔ گنبد وغیرہ بھی کچھ نہیں تھا مگر ۹۴۸ھ سے وہاں کچھ عمارت گنبد وغیرہ بنا

شروع ہوئی۔ حضرت شیخؒ کے خلفاء بہت زیادہ ہیں۔ بائیس۲۲ تک کے نام بھی کتابوں میں درج ہیں۔ لیکن سلسلہ صرف ان تین حضرات سے جاری ہوا۔ خواجہ فریدالدین شکر گنجؒ، شیخ بدرالدین غزنویؒ، شاہ خضر قلندر راوی، ان کے علاوہ خواجہ شمس الدین التمش سلطان دہلی بھی حضرت کے مشاہیر خلفاء میں تھے لہ

(۲۲) شیخ فریدالدین شکر گنجؒ

آپ کے والد ماجد شیخ جمال الدین سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے۔ آپ کا اسم گرامی مسعود اور لقب فریدالدین تھا۔ آپ کا نسب حضرت امیرالمومنین خلیفہ ثانی عمر بن الخطابؓ تک پہونچتا ہے۔

توکل واستغنا آپ کے دادا قاضی شعیب ہلاکو کے زمانہ میں اپنے وطن مالوف کابل کو چھوڑ کر لاہور تشریف لے آئے تھے۔ وہاں کے قاضی منصور نے (جنہوں نے کابل تشریف لیجاکر علم حاصل فرمایا تھا) شاہ دہلی کو خبر دی۔ وہاں سے درخواست منصب آئی۔ مگر آپ نے منظور نہیں فرمائی اور ملتان تشریف لے گئے۔ شاہ دہلی نے صوبہ ملتان کے حاکم کو پروانہ بھیجا اور جاگیری کی درخواست واصرار کیا۔ آپ نے منظور فرمالیا۔ اس ہی علاقہ ملتان میں کھوتوال کی جاگیر آپ کی خدمت میں پیش ہوئی اور آپ نے وہاں اقامت فرمائی۔ اور وہیں

لہ خزینۃ الاولیاء، ملفوظات، تعلیم الدین، القول الجلیل، تذکرۃ المعین۔

حضرت شیخ کی ولادت ۵۸۴ھ یا ۵۸۵ھ یا ۵۶۹ھ میں کھوتوال مضافات ملتان میں ہوئی اور وہیں نشوونما پایا۔ علوم ظاہری کی تکمیل کچھ ملتان میں قاضی منہاج الدین صاحب کی مسجد میں فرمائی اور وہیں حضرت شیخ خواجہ قطب الدین صاحبؒ کی بیعت کی اور باقی کی تکمیل کابل میں فرمائی۔

حضرت شیخ نظام الدینؒ ارشاد فرماتے تھے کہ حضرت شیخ کی والدہ نماز پڑھ رہی تھیں کہ اتفاقاً ایک چور چوری کرنے آیا۔ جب اس کی نگاہ والدہ پر پڑی تو فوراً اندھا ہو گیا۔ اس نے آواز دی کہ میں اگرچہ چوری کی نیت سے آیا تھا اور نابینا ہو گیا اب میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی چوری نہ کروں گا۔ حضرت شیخ کی عمر اس وقت تقریباً چھ سال کی تھی۔ حضرت نے دعا کی اللہ کے فضل سے وہ اچھا ہو گیا۔ صبح جاکر مع اہل وعیال آیا اور مشرف باسلام ہوا۔ عبداللہ نام تجویز ہوا اور آخیر تک حضرت شیخ کی خدمت میں رہا۔

گنج شکر کے ساتھ مشہور ہونے کی وجوہ

آپ کے گنج شکر کے ساتھ ملقب ہونے میں چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے مجاہدہ کا ارادہ کیا۔ شیخ نے بھوکا رہنا بتلایا آپ نے روزے شروع کر دیئے۔ تین دن کے بعد ایک شخص چند روٹیاں لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو اشارۂ غیبی سمجھ کر نوش فرمالیا۔ کھانے کے بعد تھوڑی ہی دیر میں امتلائ ہوا اور سب قے کے راستہ نکل گیا۔ آپ نے اپنے شیخ سے یہ قصہ نقل کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ تین دن کے بعد تو کھایا پھر بھی شرابی کے کھانے

سے کھایا۔ حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ کھانا پیٹ میں نہ رہ سکا اب تین دن اور بھوکے رہو اور جو غیب سے آوے اس کو کھاؤ۔ تین دن گزرنے کے بعد کچھ نہ آیا۔ ضعف بیحد غالب ہو گیا۔ شدت بھوک میں کچھ کنکریاں اُٹھا کر مُنہ میں ڈال لیں وہ شکر بن گئیں۔ شیخ نے یہ سمجھ کر کہیں دھوکا نہ ہو ان کو تھوک دیا۔ تھوڑی دیر میں پھر شدت بھوک سے مجبور ہو کر کنکریاں اُٹھا کر منہ میں ڈالیں وہ بھی شکر بن گئیں ایسے ہی تین مرتبہ ہوا۔ صبح کو حضرت شیخ سے عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ بہتر کیا کیا وہ کھا لیا۔ اسی دن سے آپ کو گنج شکر کہنے لگے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ساتویں دن حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے کہ بھوک کی وجہ سے گر پڑے اور مُنہ کو مٹی لگ گئی وہ مٹی شکر بن گئی۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ایک سوداگر سے شکر مانگی اس نے کہا کہ میرے پاس تو نمک ہے۔ آپ نے فرمایا نمک ہی ہوگا۔ دیکھا تو وہ شکر نمک بن گیا تھا۔ اس پر اس سوداگر نے معذرت کی، جس پر وہ شکر میں تبدیل ہو گیا۔

اس کے علاوہ اور بھی اس لقب کی وجوہ مشہور ہیں۔ آپ نے مجاہدات ابتداً میں بہت کئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے کنویں کا مجاہدہ بھی کیا ہے۔ اور جب کوئی جانور کبوتر، کوا وغیرہ اس کی من پر آتا یا آپ کے پاؤں پر بیٹھ کر ٹھونگ مارتا تو آپ یہ شعر پڑھتے ؎

کاگا سب تن کھائیو اور چن چن کھائیو ماس
دو نیناں مت کھائیو کہ پیا ملن کی آس

حضرت سلطان المشائخؒ فرماتے تھے کہ حضرت شیخؒ کی داڑھی میں ایک بال

ٹوٹ گیا تھا۔ میں نے درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو میں استبرا کا تعویذ کے لئے اسکو لیلوں۔ حضرت نے اجازت فرمادی تو میں نے اس کو لے لیا۔ اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر رکھ لیا۔ جب کوئی شخص بیمار ہوتا تو میں وہ تعویذ اس کو دیدیتا۔ جب وہ اچھا ہوجاتا تو واپس کردیتا۔ اسی طرح میں نے اس کے بہت سے اثرات دیکھے۔ اتفاقاً ایک دوست زادہ بیمار ہوا۔ اس نے طلب کیا۔ میں نے ہرچند اس کو تلاش کیا وہ نہ ملا۔ اس بیچارہ کا انتقال ہوگیا۔ ایک مرتبہ کسی دوسرے کے واسطے تلاش کیا تو اسی طاق میں سے مل گیا۔ اس وقت مجھے خیال ہوا کہ اس بیچارہ کی موت ہی مقدر تھی۔ جس وجہ سے یہ تعویذ نہ مل سکا۔

آپ کے دادا پیر حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ نے آپ کے بارے میں بڑے تعریفی الفاظ فرمائے ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ قطب الدین نے بڑے شہباز کو مقید کیا ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ یہ ایک شمع ہے جو درویشوں کے گھر کو منور کرے گی اور اپنے وقت کا غوث و قطب ہوگا۔ جب حضرت خواجہ قطب الدینؒ کا وصال ہونے لگا تو انھوں نے آپ کو بلایا اور اپنی نیابت کی وصیت فرمائی۔ آپ پر فقر غالب تھا، اہل و عیال کو بھی بارہا بھوکا رہنے کی نوبت آتی تھی۔ آپ کا مقولہ ہے کہ جب گدڑی پہنے تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ کفن پہن رہا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ قطب الدین کے یہاں ان کے شیخ خواجہ معین الدین مہمان ہوئے۔ مہمان اور میزبان دونوں کی چارپائیاں ایک ہی حجرہ میں تھیں خواجہ فرید الدین معمول کے مطابق رات کو اپنے شیخ یعنی خواجہ قطب الدین کے پاؤں دبانے کے لئے گئے۔ شیخ نے اپنے شیخ یعنی خواجہ معین الدین کے پاؤں

کی طرف اشارہ کیا۔ یہ چند منٹ پاؤں دبا کر اپنے شیخ کے پاس آ گئے۔ اور فرمایا دل تو یہاں دے رکھا ہے اور کہاں جاؤں۔ اس پر معین الدین نے فرمایا میاں قطب الدین اس کو تو کچھ دیدو۔

وفات حضرت شیخ کی وفات پانچ محرم ۶۶۴ھ یا ۶۶۸ھ سہ شنبہ کو ہوئی اور بقول صاحب تاریخ فرشتہ ۶۶۰ھ میں ہوئی۔ پاک پٹن ضلع ملتان میں آپ کا مزار ہے جو لاہور اور ملتان کے درمیان ہے۔

حضرت شیخ کے خلفاء کی تعداد اس قدر زائد ہے کہ مطولات بھی اس کا احاطہ نہیں کر سکیں۔ ستر ہزار تک شمار بتلایا جاتا ہے۔ جواہر فریدی میں حضرت کے خلفاء کی تعداد پانچسو چوراسی ۵۸۴ لکھی ہے۔ ان سب میں مشہور زمانہ حضرت شیخ المشائخ خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری ہیں جن کا تذکرہ یہ ہے [1]

(۲۳) خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری

آپ حضرت شیخ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے اور اکابر خلفاء میں سے ہیں ۵۹۲ھ میں ملتان کے ایک مقام کوتوال میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ نسباً سید حسنی ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ خواجہ علاؤ الدین بن شاہ عبدالرحیم عبدالسلام بن شاہ سیف الدین عبدالوہاب بن حضرت غوث الثقلین پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔

---

[1] خزینۃ الاولیاء۔ انوار العاشقین، تذکرۃ المعین، تعلیم الدین۔

حضرت خواجہ فریدؒ کے لنگر خانہ کی خدمت بارہ ۱۲ سال تک حضرت خواجہ صاحب کے حوالہ رہی۔ لیکن حضرت خواجہ نے بوجہ اذن صریح نہ ہونے کے کبھی اس میں سے کچھ تناول نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ روزہ دار رہتے۔ حضرت کے دریافت فرمانے پر آپ نے عرض کیا کہ غلام کی کیا مجال تھی کہ بدون ارشاد حضرت اقدس کے اس میں تصرف کرتا۔ حضرت نے یہ جواب سُن کر آپ کو صابر کا خطاب مرحمت فرمایا۔

ایک خادم نے حضرت فریدالدین گنج شکر سے اجازت مانگی کہ آپ کے خلفاء سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ وہ اجازت لے کر حضرت علاؤالدین علی احمد صابر کے پاس آیا۔ آپ غلبۂ استغراق کی وجہ سے کسی آنے جانے والے سے واقف نہیں ہوتے تھے۔ حضرت شمس الدین ترک نے (جو خدمت میں رہتے تھے) باواز بلند ہوشیار کیا۔ اور عرض کیا کہ حضرت پیر و مُرشد کا خادم آیا ہے اور حضرت کا سلام لایا ہے آپ نے جواب دینے کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ کیسے ہیں۔ اور حضرت شمس الدین کو تاکید فرمائی کہ ان کی عزت کرو اور فرمایا آج گولروں میں نمک ڈال دینا (یہ گویا حق مہمانی تھا) یہ فرما کر پھر استغراق طاری ہو گیا۔ اس کے بعد وہ خادم حضرت سلطان الاولیاء کے یہاں حاضر ہوا۔ یہاں شاہی کارخانہ تھا۔ بہت تعظیم ہوئی اور حضرت نے عمدہ عمدہ کھانے کھلائے اور بہت سے تحفے دیئے۔ جب وہ خادم حضرت فریدالدین گنج شکر کے حضور میں پہنچا تو آپ نے دونوں صاحبوں کا حال دریافت کیا۔ خادم نے سُلطان الاولیاء کی بڑی تعریف کی اور مخدوم علاؤالدین کی شان میں عرض کیا کہ وہ تو کسی سے بولتے بھی نہیں۔ نہ وہاں کچھ ہے۔ حضرت

نے پوچھا کہ ہمارے حق میں بھی کچھ بولے تھے۔ کہا کچھ بھی نہیں۔ آپ نے مکرر دریافت کیا کہ آخر کچھ تو کہا ہوگا؟ خادم نے عرض کیا کہ صرف یہ پوچھا تھا کہ میرے شیخ کیسے ہیں۔ آپ چشم پر آب ہو کر فرمانے لگے کہ آج وہ ایسے درجہ میں ہیں کہ وہاں کسی کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ انہی کا استقلال اور میرے ساتھ کمال محبت ہے کہ ایسی حالت میں بھی مجھے پوچھا اور یاد کیا۔

مشہور ہے کہ حضرت صابر کے وصال کے بعد کلیر پر کچھ ہنود کا غلبہ ہوگیا۔ اس وجہ سے بعض ہنود نے مقبرہ میں بتخانہ بنا لیا تھا اور ایسی ہی کچھ بے حرمتی وغیرہ کا ارادہ تھا کہ اتفاقاً ایک شیر جنگل سے آیا اور بہت سی جانوں کا نقصان کر گیا۔ اور پسماندہ بھاگ گئے۔ آپ پر جلال غالب تھا وصال کے بعد بھی مزار پر ایک شعلہ چمکتا تھا جس کی وجہ سے کسی شخص کی مجال مزار پر جانے کی نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالقدوس نور اللہ مرقدہٗ مزار پر حاضر ہوئے تو حضرت کی درخواست پر وہ چمک موقوف ہوئی۔

حضرت شیخ کی وفات تیرہ ربیع الاول ۶۹۰ھ کو ہوئی۔ لفظ مخدوم آپ کی تاریخ وفات ہے۔ پیران کلیر متصل رڑکی ضلع سہارنپور میں آپ کا مزار ہے آپ کے مزار پر نورالدین جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ نے گنبد تعمیر کرایا تھا۔[۱]

(۲۴) شیخ شمس الدین ترک پانی پتی قدس سرہٗ

آپ سادات ترکستان سے ہیں، علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنیہ کی

---

[۱] خزینۃ الاولیاء، ملفوظات خواجگان چشت، تعلیم الدین، حیات حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحؒ

طلب میں بلاد ماوراءالنہر میں گشت فرمایا۔ لیکن کسی جگہ دل بستگی نہ ہوئی۔ بالآخر اس ہی طلب میں ہندوستان تشریف لائے اور کلیر میں حضرت شیخ سے بیعت ہوئے اور جب حضرت شیخ کی وفات کے دن قریب ہوئے تو حضرت نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور اپنے دست مبارک سے اجازت تحریر فرمائی۔ اور اسم اعظم بتلا کر یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے پانی پت کی ولایت مقرر ہے۔ اس لئے میرے انتقال کے بعد پانی پت چلے جانا وہیں قیام کرنا تین دن سے زائد یہاں مت ٹھیرنا۔ آپ حضرت خواجہ صابرؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور صاحب سیرالاقطاب کے قول کے موافق علاوہ حضرت خواجہ صابرؒ کے اپنے دادا پیر حضرت خواجہ فریدالدین شکر گنجؒ سے بھی اجازت حاصل ہے۔

کرامت

ان حضرات کی اگر کوئی کرامات لکھے تو کہاں تک لکھے ہر ہر فعل کرامت ہوتا ہے۔ چھوڑیئے تو کسے چھوڑیئے تاہم نمونۃً کیفما اتفق ایک آدھ پر قناعت کی جاتی ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ سلطان بلبن کے لشکر میں ملازمت کرلی تھی سخت سردی کے موسم میں آپ جس تالاب میں وضو فرمایا کرتے تھے وضو کی جگہ پانی گرم ہوجایا کرتا تھا۔ بادشاہ کے پانی کا جو شخص منتظم تھا اتفاقاً اس کو خبر ہوگئی اور شدہ شدہ بادشاہ کو بھی علم ہوا بادشاہ سخت معتقد ہوگیا۔ چونکہ جس قلعہ پر چڑھائی تھی اس کے فتح ہونے میں ایک عرصہ گذر گیا تھا۔ اس لئے بادشاہ ملتجی دعا ہوا اور سخت اصرار و استدعا زاری والتجا کے بعد شیخ نے نہ صرف دعا کا وعدہ فرمایا بلکہ فرمایا کہ تم حملہ کرو قلعہ کا دروازہ کھل جاوے گا۔ چنانچہ فوراً دروازہ کھل گیا۔ اس کے بعد بادشاہ اور بھی زیادہ معتقد ہوا۔ مگر حضرت

شیخ نے انکشاف حالت کے بعد وہاں قیام پسند نہ کیا اور تشریف لے گئے۔

وصال

حضرت شیخ کا وصال جمہور کے قول کے موافق ۷۱۵ھ میں ہے، لیکن بعض نے ۷۱۶ھ اور ۷۱۰ھ بھی کہا گیا ہے۔ تاریخ میں بھی بعض نے انیس ۱۹ شعبان اور بعض نے دس ۱۰ جمادی الاولیٰ یا جمادی الاخریٰ بتلائی ہے۔[1]

(۲۵) شیخ جلال الدین کبیر الاولیاءؒ

آپ کا اسم گرامی محمد بن محمود یا خواجہ محمود ہے۔ اپنے شیخ کی طرف سے جلال الدین کا لقب پایا ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امیر المومنین عثمان بن عفانؓ سے ملتا ہے۔ بظاہر آپ کی ولادت ۶۹۵ھ میں ہے۔ مجاہدات کا آپ پر بیحد غلبہ تھا آپ پر اخیر عمر میں استغراق کا غلبہ ہو گیا تھا۔ نماز کے وقت خدام متوجہ کرتے تھے اور نماز کے بعد پھر استغراق کی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے چالیس ۴۰ خلفاء تھے اور ہر خلیفہ سے مستقل سلسلہ جاری ہوا۔ حضرت شیخ بھرام جن کا مزار باڑولی میں ہے آپ ہی کے خلفاء میں سے تھے۔ حضرت شیخ نے ان کو اول قصبہ برناوہ میں متعین کیا تھا۔ لیکن آپ کے اجل خلفاء شیخ احمد عبد الحق نے باڑولی کی دریا بردی کی شروعات کی وجہ سے آپ کو وہاں متعین کر دیا تھا اور آپ کی برکت سے اس وقت دریائے جمن بہت پیچھے ہٹ گیا تھا۔ شیخ شہاب الدین جھنجھانوی پیر سمارالدین کیرانوی بھی آپ ہی کے خلفاء میں تھے۔

---

[1] خزینۃ الاولیاء۔ انوار العاشقین، تعلیم الدین۔

زہد و استغنا سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ کا دریا کے کنارے پر گذر ہوا۔ وہاں ایک ہندو جوگی آنکھیں بند کئے ہوئے بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر میں اس نے آنکھیں کھولیں۔ اور حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہو کر بڑی مبارکباد دی کہ تم بڑے اچھے وقت پر دریا پر آئے ہو۔ اس لئے کہ میرے پاس ایک پارس کی پتھری ہے اور میں نے اپنے دل میں یہ عہد کیا تھا کہ آنکھیں کھولنے کے بعد جو شخص سب سے پہلے نظر پڑے گا اس کو دوں گا۔ اب اتفاقاً تو مل گیا۔ یہ کہہ کر بڑے احسان رکھ کر وہ پتھری حضرت شیخ کی نظر کر دی۔ حضرت نے لے کر اس کو دریا میں ڈال دیا۔ وہ جوگی نہایت غصہ سے بیچین و مضطرب ہوا۔ اور نہایت حسرت و قلق سے رو کر کہنے لگا کہ یہ کیا کیا ایسی نایاب چیز کی یہ ہی قدر تھی۔ بس میرا پتھر مجھے واپس کرو۔ حضرت نے فرمایا کہ تم مجھ کو دے چکے تھے آگے مجھے اختیار تھا کہ جو چاہے کروں۔ اس کو بے چینی اور بیتابی کی وجہ سے صبر نہ آیا اور اس کی واپسی پر اصرار کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ دریا میں گھس جا اور اپنا پتھر اٹھا لے مگر شرط یہ ہے کہ اپنی ہی پتھری اٹھانا۔ وہاں گھس کر دیکھا کہ اس سے بہتر سیکڑوں پتھریاں وہاں پڑی ہیں۔ اپنی پتھری کے ساتھ ایک اور چپکے سے اٹھا لی۔ حضرت نے آواز سے فرمایا کہ یہ بد عہدی ہے۔ بالآخر وہ دونوں پتھریاں لایا اور لا کر حضرت کی خدمت میں سر رکھ دیا اور مسلمان ہو گیا۔

وصال حضرت شیخ کا وصال ستّر سال کی عمر میں تیرہ [۱۳] ربیع الاول یا ماہ ذیقعدہ ۶۹۵ھ میں ہوا۔ اور پانی پت میں مزار ہے۔ حضرت شیخ کی روحانی اولاد کی تعداد اوپر گذر چکی ہے۔ حضرت شیخ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ خواجہ عبدالقادر

خواجہ ابراہیم، خواجہ شبلی، خواجہ کریم الدین، خواجہ عبدالاحد روحانی سلسلہ میں اگرچہ بہت سے سلسلے جاری ہیں۔ لیکن جتنا سلسلہ شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ سے جاری ہوا اُتنا کسی سے نہیں ہوا۔ اور سلسلہ ہذا کا اتصال بھی آپ ہی کی ذات والا صفات سے ہے۔ اس لئے آئندہ حضرت کا تذکرہ کیا جاتا ہے سلہ

(۲۶) شیخ احمد عبدالحق ردولوی

حضرت کا سلسلہ خلیفۂ ثانی امیرالمومنین حضرت عمر بن الخطابؓ تک پہنچتا ہے

حضرت کا اصل نام احمد تھا اور عبدالحق لقب جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ آپ کی پیدائش بھی ردولی شریف ہی کی ہے۔ ان کے دادا شیخ داؤد جو کہ شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی سے نسبت رکھتے تھے۔ ہلاکو خاں کے زمانہؔ ولایت بلخ سے علاؤالدین خلجی کے زمانہ میں ہندوستان پہنچے تھے۔ حضرت شیخ ابتدائی عمر سے ریاضات و مجاہدات کے شیدا و عادی تھے۔ سات سال کی عمر سے تہجد شروع کر دیا تھا۔

تعلیم ظاہری اولاً حضرت نے علوم ظاہری کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اس کے حصول کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ تعلیم کے زمانہ میں ایک دلچسپ قصہ پیش آیا۔ جو حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ شیخ احمد عبدالحق ردولوی کے بڑے بھائی دہلی میں رہتے

سلہ خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، تعلیم الدین۔

تھے۔ اور وہاں کے شاہزادے ان کے بہت معتقد تھے۔ شیخ نے اپنے ان بھائی سے جب صرف ونحو ابتدا ء عمر میں شروع کی تو اس مثال پر کہ ضرب زید عمرا فرمایا کہ کیوں مارا؟ اس نے کیا خطا کی تھی۔ انھوں نے کہا کہ یہ مثال فرضی ہے۔ مارا وارا کچھ نہیں۔ کہنے لگے خیر! اگر بے خطا مارا تو ظلم کیا۔ اور اگر نہیں مارا ویسے ہی لکھ دیا تو یہ جھوٹ ہے۔ میں ایسی کتاب نہیں پڑھتا۔ جس میں شروع ہی سے ظلم اور جھوٹ کی تعلیم ہو۔

یہ آپ کے بچپن کی کیفیت تھی ان کے بھائی نے شہزادہ سے کہا۔ انھوں نے فرمایا کہ وہ صاحب حال ہیں پڑھیں گے نہیں انہیں مت ستاؤ۔

لیکن علوم باطنیہ کے غلبۂ جذب نے اپنی طرف کشش کی اور فراغت سے قبل ہی یکسوئی اور صحرا نوردی اختیار فرمائی اور کچھ دنوں بعد بالہام غیبی پانی پت حاضر ہوئے حضرت شیخ پر بھی آپ کی حاضری منکشف ہوگئی تھی اور امتحان اعتقاد کا بھی خیال پیدا ہوگیا تھا۔ اس لئے آپ کے پہنچنے سے قبل شیخ نے خدام کو حکم فرمایا کہ دسترخوان آج کا نہایت وسیع اور پرتکلف ہوگا۔ مختلف اقسام کے کھانے اور میوے وغیرہ لائے جائیں۔ حتیٰ کہ منہیات بھی دسترخوان کے قریب رکھ لی جاویں اور چند عمدہ گھوڑے زریں زینوں کے ساتھ آراستہ کرکے خانقاہ کے دروازہ پر باندھ لئے جاویں۔ حضرت حاضر ہوئے۔ اول دروازہ ہی پر دنیاوی وجاہت دیکھ کر ٹھٹکے اس کے بعد دسترخوان کی حالت دیکھ کر صبر نہ ہو سکا۔ اور منہیات کے بعد وہاں نہ ٹھہر سکے اور چلے گئے۔ لیکن حقیقت میں وہ محض امتحان تھا۔ ورنہ حضرت شیخ ایسے لاڈلے روحانی بیٹے کو جس سے خاندان کی روز افزوں

ترقی کی توقع تھی کیسے چھوڑ دیتے۔ بالآخر وہاں سے چل کر تمام دن چلے اور شام کو ایک شہر کے کنارہ پر پہونچکر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پانی پت ہے۔ سخت متحیر ہوئے اور راستہ بھولنے کی بھی کوئی صورت سمجھ میں نہ آئی۔ مگر اسکے بغیر کوئی اور احتمال بھی نہیں تھا اس لئے یہ ہی تجویز کیا۔ لیکن جب دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی صورت پیش آئی کہ دن بھر چلیں اور شام کو پھر وہی۔ پانی پت تو سخت پریشان ہوئے۔ اتفاقاً ایک سفید پوش نظر پڑا۔ اس سے راستہ دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ سیدھا راستہ شیخ جلال الدین کے یہاں گم کر آئے ہو۔ متحیر ہوئے۔ آگے چل کر دو شخص اور ملے ان سے بھی راستہ دریافت کیا۔ اُنھوں نے بھی یہی جواب دیا تو حقیقۃ الامر سے واقف ہوئے۔ اور پختگی اعتقاد کے ساتھ پھر حاضری خانقاہ کا ارادہ کیا اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر قدم چومے اور بیعت ہوئے اور تھوڑے ہی دنوں کی ریاضت کے بعد خرقہ خلافت حاصل ہوا۔

متفرق واقعات حضرت کے مزاج میں سادگی اور بھولا پن بہت تھا آپ کے بھائیوں نے اودلی میں آپ کی نسبت کی اول تو آپ نے بھائی بھاوج سے منع فرمایا اور کہا کہ مجھے اس جھگڑے سے چھڑاؤ جب وہ نہ مانے تو آخر کار خود ایک دن سسرال گئے اور دروازہ میں جاکر کہہ دیا کہ میں نامرد ہوں۔ تمہاری لڑکی کی عمر ضائع ہوگی۔ چنانچہ آپ کے اس عمل سے اس وقت شادی موقوف ہوگئی۔ پھر ایک زمانہ میں آپ نے شادی کی اولاد بھی ہوئی مگر اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ جو بچہ پیدا ہوتا تھا وہ تین مرتبہ حق حق کہہ کر مرجاتا تھا

ایک مرتبہ آپ کی اہلیہ محترمہ اس رنج کی وجہ سے کہ اولاد نہیں جیتی آپ کے سامنے روئیں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اب بچہ پیدا ہوگا وہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ پھر جو بچہ پیدا ہوا اس نے حق حق نہیں کہا اور وہ زندہ رہا۔

ایک مرتبہ حضرت نے ایک دیگ کھانے کی تیار کرا کے راستہ میں رکھوا دی اور یہ فرمایا کہ انشاء اللہ آنے جانے والے اس میں سے کھانا کھائیں گے اور کھانا کم نہیں ہوگا۔ چنانچہ تین روز تک ایسا ہی رہا کہ آنے جانے والے اس میں سے کھاتے رہے کچھ کمی نہیں ہوتی تھی۔ آخر شیخ العالم کے دل میں خطرہ گذرا کہ اس سے شہرت ہوگی اور شہرت کا ہونا موجب نقصان ہے۔ خدا رازق مطلق ہے وہ جانے اور اس کی مخلوق، غرض یہ خیال پختہ ہونے پر دیگ کو زمین پر مارا اور توڑ ڈالا۔

حضرت شیخ المشائخ شاہ عبدالقدوس گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے رسالہ انوار العیون میں حضرت شیخ کی بہت سی کرامات لکھی ہیں۔ فن اوّل قریب قریب تمام آپ ہی کے کمالات میں ہے جس کو تفصیل کا شوق ہو وہاں دیکھ لے۔

حضرت کی عادت شریف اول وقت مسجد میں تشریف لے جانے کی تھی، اور تشریف لے جا کر اپنے ہاتھ سے مسجد میں جھاڑو دیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ چالیس ۴۰ پچاس ۵۰ سال تک اس جامع مسجد میں آپ نے جھاڑو دی۔ لیکن استغراق کا غلبہ اس قدر تھا کہ اکثر راستہ میں خدام کو حق حق سے راستہ پر متوجہ کرنے کی ضرورت ہوتی۔

اس ہی وجہ سے حضرت شیخ کا لقب عبدالحق ہوگیا تھا اور اس ہی وجہ سے اس کلمہ کا تکرار حضرت کے خدام میں زیادہ ہوگیا تھا حتیٰ کہ سلام وجواب میں اور نیند

ابتدائے مکاتیب میں بھی بعض سلسلوں میں جاری ہوگیا تھا۔ لیکن متاخرین مشائخ نے خلافِ سُنت ہونے کی وجہ سے اس کو باقی نہیں رکھا۔

وصال شیخ کا وصال پندرہ ۱۵ جمادی الاخریٰ ۸۳۶ھ یا ۸۳۷ھ میں ہوا۔ قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی میں آپ کا مزار ہے۔ حضرت کی نسبی اولاد میں چند لڑکے پیدا ہوئے اور پیدائش کے وقت ہر ایک صاحب کرامات ہوتا تھا۔ لیکن حیات مقدر نہ تھی۔ صرف شیخ محمد عارف زندہ رہے۔ آپ ہی سے آگے روحانی سلسلہ بھی جاری ہوا۔ آپؒ کے علاوہ میاں فرید شیخ بختیار وغیرہ حضرات بھی آپ کے خلفاء میں ہیں۔[1]

(۲۷) شیخ عارف قدس سرہٗ

آپ حضرت شیخ احمد عبدالحق کے نسبی اور روحانی دونوں طرح کی اولاد ہیں۔ اور اجل خلفاء میں سے ہیں اپنے والد شیخ احمد عبدالحق کے وصال کے بعد مسندِ ہدایت پر تشریف فرما ہوئے اور خلق اللہ کو سیراب کیا علم شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ آپ کے اوصاف جمیلہ میں ایک خاص بات یہ تھی کہ جو شخص آپ سے ملتا تھا وہ یہ سمجھتا کہ سب سے زیادہ کرم آپ کا مجھی پر ہے دوسرے پر نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کی ہر اولاد صاحب کمالات پیدا ہوتی تھی اور پیدائش ہی سے صاحب کرامات ہوتی تھی حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ اس ہی وجہ سے زندہ

---

[1] خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، حسن العزیز جلد دوم، تعلیم الدین۔

نہیں رہتی تھی۔ اس لئے آپ کی کرامات کا ذکر ہی کیا ہے۔ پیدائش کے ساتھ ہی ساتھ ذاکر بھی ہوتے تھے۔ جیسا کہ اوپر ان کے والد صاحب کے احوال میں گذر چکا ہے کہ ہر اولاد پیدائش کے وقت حق حق کہا کرتی تھی اور اس کے بعد انتقال کر جاتی، اہلیہ محترمہ کے شکایت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ اب جو بچہ پیدا ہوگا وہ زندہ رہیگا، چنانچہ شیخ عارف پیدا ہوئے۔

آپ کا اسم گرامی بعض لوگوں نے شیخ احمد اور آپ کے والد کا نام شیخ عبدالحق لکھا ہے۔ آپ کی وفات ۸۵۹ھ میں ہے کل عمر چالیس[۴۰] سال ہوئی اس حساب سے آپ کی عمر والد کے وصال کے وقت ستره[۱۷] سال کی تھی جس میں آپ شیخ کامل ہو چکے تھے۔ بعض مورخین نے آپ کی وفات ۸۸۲ھ بھی لکھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے والد کی جگہ مسند ہدایت پر پچاس[۵۰] سال رہے اس کے بعد آبائی امانت اپنے بیٹے شیخ محمد کے سپرد کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی عمر پچاس سال سے بہت زائد ہے آپ کی وفات کی تاریخ بھی محقق طور سے نہیں معلوم ہو سکی البتہ سُنا

وفات جاتا ہے کہ رد ولی شریف میں آپ کا عرس ستره[۱۷] صفر کو ہوتا ہے جو بظاہر تاریخ وصال ہے بعض شجرات میں بھی آپ کی تاریخ یہی لکھی ہے۔ آپ کے خلفاء میں صرف حضرت کے صاحبزادہ شیخ محمدؒ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے اور بھی خلفاء ہوں[۱]

(۲۸) شیخ محمد بن شیخ عارف رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ عارف کے سچے جانشین تھے۔ حضرت

[۱] خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، تعلیم الدین۔

شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ جو مشاہیر بزرگوں میں ہیں آپ ہی سے بیعت ہوئے تھے ان کا ارادہ اول کسی اور جگہ بیعت کا تھا مگر حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ نے اپنے نسبی اور روحانی پوتے شیخ محمد کی طرف بیعت ہونے کی تلقین فرمائی۔

آپ کو مشاہدہ مطلق میں کمال استغراق حاصل تھا۔ حضرت کا جب وصال قریب ہوا تو حضرت کے صاحبزادے شیخ الاولیاء معروف بہ شیخ بدھ شاہ آباد میں حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پاس مقیم تھے۔ تصرف باطنی سے حضرت نے حضرت شیخ گنگوہی کو مع صاحبزادہ کے بلوایا۔ ہر دو حضرات ایسے وقت میں پہنچے کہ نزع قریب تھا۔ اس وقت حضرت کے اوپر استغراق و سکر کا غلبہ تھا اور وہ بار بار جب ہوش آتا تھا تو فرماتے تھے کہ الحمدللہ سمجھ گیا۔ حضرت شیخ گنگوہیؒ نے دریافت کیا کہ کیا چیز سمجھ گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ توحید مطلق کو سمجھ گیا آپ نے اپنی تمام امانات معارف اور اسم اعظم وغیرہ جو مشائخ سے ملتی آرہی تھیں حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے سپرد فرمادیں۔ حضرت نے عرض کیا کہ میں آپ کی غیبت میں مفارقت کے رنج کی وجہ سے یہاں نہیں رہ سکوں گا۔ مجھے کسی دوسری جگہ جانے کی اجازت فرمادیں۔ حضرت نے اجازت فرمادی اور یہ بھی فرمادیا کہ اپنے بیٹے بدھ کو آپ کے حوالہ کرتا ہوں۔ اس کی تکمیل کے بعد اس کو یہاں چھوڑ دینا۔

چنانچہ حضرت شیخ نے ایسا ہی کیا۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ حضرت شیخ بدھ کو اجازت خلافت اپنے والد صاحب سے ہی حاصل ہے۔

وفات آپ کی وفات کا صحیح حال معلوم نہیں ہوا۔ مگر شجرات میں ۸۹۸ھ لکھا ہے۔ بعض شجرات میں آپ کا وصال بھی سترہ صفر کو ہونا لکھا

ہے۔ آپ کے خلفاء میں بجز حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے اور کسی کا حال معلوم نہیں۔

(۲۹) شیخ المشائخ شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا سلسلہ نسب صاحب نزہ نے یہ لکھا ہے شاہ عبدالقدوس ابن اسمٰعیل بن صفی بن نصیر الحنفی الردولوی الگنگوہی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ کا اسم گرامی اسمٰعیل اور لقب شاہ عبدالقدوس تھا۔ اپنے لقب ہی سے آپ مشہور رہیں۔

بظاہر آپ کی ولادت سنہ ۸۶۰ھ میں ہوئی۔ علوم ظاہریہ اور باطنیہ دونوں میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ اتباعِ سنت میں کمال درجہ حاصل تھا۔ آپ اگرچہ حضرت شیخ محمد بن شیخ عارف کے خلفاء میں سے ہیں مگر آپ کے کمالات کی تکمیل حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہٗ سے بلاواسطہ بفیض روحانی ہے۔ چنانچہ حضرت نے اپنی کتاب انوار العیون میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت احمد عبدالحق کے منجملہ اور تصرفات کے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے وصال سے پچاس سال بعد اس ناچیز کی اپنے روحانی فیض سے تربیت فرمائی۔

بیعت وارادت آپ کے صاحبزادہ نے لکھا ہے کہ میرے والد کا ارادہ کسی اور جگہ بیعت کا تھا۔ حضرت شیخ احمد عبدالحق نے عالم کشف میں فرمایا کہ تم کسی دوسری جگہ بیعت کا ارادہ مت کرو۔ میں تمہاری تکمیل کرونگا۔ لیکن چونکہ حضرت والا کو ظاہری بیعت کا خیال پیدا ہوا اسلئے حضرت شیخ نے اپنے پوتے شیخ محمد بن شیخ عارف کی طرف متوجہ فرمایا اسلئے حضرت شیخ بظاہر دو واسطوں سے اور بباطن خود حضرت شیخ

عبدالحق ردولوی سے بیعت ہیں۔ اپنے شیخ کے علاوہ شیخ قاسم اودھی جو سلسلہ سہروردیہ کے اکابر میں ہیں آپ کو ان سے بھی خلافت حاصل ہے۔ آپ مادرزاد ولی تھے بچپن ہی میں صاحب کرامات ہوگئے تھے۔ ابتداءً آپ نے کچھ سلسلہ زراعت کا بھی رکھا ہے۔ اور کھیتی کی پیداوار کے بعد اول فقراء کو تقسیم فرماتے۔ اس کے بعد اپنے کام میں لاتے۔

آپ کو سماع کا بھی ذوق تھا۔ مجلس میں بڑے شوق سے شرکت فرماتے۔

(فائدہ) مجلس سماع کے منعقد کرنے کے لئے علماء نے دس شرطیں لکھی ہیں ان شرائط کے پائے جانے کے بعد غالبًا اہل افتا بھی اس کی زیادہ مخالفت نہ کریں وہ شرائط اکابر سلسلہ کے کلام میں بڑی تفصیل سے مذکور ہیں۔ لیکن حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے ایک مستقل رسالہ حق السماع کے نام سے تحریر فرمایا ہے اور اس میں امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم سے پانچ شرائط اور پانچ موانع تحریر فرمائے ہیں۔ چنانچہ فصل سابع کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں۔

فصل سابع اس کے بیان میں کہ درصورت اباحت اس کے لئے کچھ شرائط وموانع ہیں یا نہیں اور ہمارے زمانہ میں آیا وہ شرائط پائے جاتے ہیں یا موانع موجود ہیں۔ سو امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں پانچ شرطیں اور پانچ مانع لکھے ہیں۔ شرطیں یہ ہیں۔ اول رعایت زمان ومکان واخوان کی۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ سماع تین چیز کا محتاج ہے۔ اگرچہ یہ چیزیں نہ ہوں تو مت سنو، زمان و مکان واخوان، زمان سے مراد یہ ہے کہ ایسا وقت ہو کہ اس میں کوئی ضروری کام شرعی یا طبعی نہ ہو جیسے کھانا کھانا، کسی سے قصہ وتکرار کرنا، نماز پڑھنا یا اور کوئی

ایسا شغل جس سے دل بٹ جائے۔ مکان سے مراد یہ ہے کہ سماع کا مقام ایسا ہو کہ وہاں آمد و رفت کا راستہ نہ ہو۔ ایسا کوئی ہنگامہ نہ ہو جس سے دل بٹ جائے، اخوان سے مراد شرکاء مجلس اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ جب مجلس میں کوئی ناجنس جو دولت باطن سے بے بہرہ ہو آجاتا ہے اس کا آنا ناگوار اور گراں معلوم ہوتا ہے اور دل ادھر لگ جاتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی مغرور دنیا دار آجاتا ہے اس کی آؤ بھگت اور دلجوئی کی ضرورت ہوتی ہے یا کوئی بناوٹ والا ریاکار صوفی شامل ہوجاتا ہے جو ریاکاری سے وجد کرتا ہے کپڑے پھاڑتا ہے ایسے لوگوں کی شرکت سے لطف برباد ہوجاتا ہے اب ملاحظہ فرمائیے ہمارے زمانہ میں اس شرط کی کہاں تک احتیاط کی جائے. اکثر نمازوں کے وقت سماع ہوتا رہتا ہے۔ گاہِ گاہ نماز بھی فوت ہو جاتی ہے اور جماعت کا فوت ہوجانا اور وقت کا تنگ ہوجانا تو معمولی بات ہے پھر نماز یا جماعت کے فوت ہو جانے سے تعلق بھی نہیں بمقابلہ سماع کے سنن اور فرائض کی کچھ زیادہ وقعت نہیں سمجھی جاتی بلکہ بعضے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ میاں حقیقی عبادت تو یہی ہے اور نماز سے بڑھ کر ہے نعوذ باللہ منہ، اکثر ایسے موقعوں پر سماع ہوتا ہے جہاں کسی کی بھی روک ٹوک نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ اکثر فواحش و بازاری و عوام الناس تماشہ دیکھنے جمع ہو جاتے ہیں تخلیہ کا کہیں بھی اہتمام نہیں ہوتا۔ اکثر امراء و اہل ثروت حاضر رہتے ہیں۔ عین مجلس میں ان کی نشست و برخاست میں امتیاز کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ ریاکار بھی کثرۃ سے شریک رہتے ہیں بلکہ زیادہ حصہ انہی لوگوں کا ہوتا ہے۔ بعض مجالس میں اہل انکار بھی ہوتے ہیں جو اہل حال پر ہنستے

ہیں ان پر طعن و اعتراض کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض موقعوں پر نوبت فوجداری و مناقشہ کی بھی ہو جاتی ہے۔ غرض شرط مذکور کا ایک جزو بھی نہیں پایا جاتا۔

اب دوسری شرط کی نسبت امام صاحب فرماتے ہیں۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ حاضرین کی حالت میں غور کرے، جن مُریدوں کو سماع سے ضرر ہوتا ہے۔ شیخ کو چاہیئے کہ ان کے روبرو سماع نہ سُنے، جن لوگوں کو سماع مضر ہوتا ہے وہ تین قسم کے ہیں۔

اوّل وہ شخص جو ابھی طریقت سے واقف نہیں ہوا صرف ظاہری اعمال کو جانتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس کو بوجہ مناسبت باطن کے سماع سے ذوق تو ہے مگر ابھی اس میں حظوظ اور شہوات باقی ہیں۔ نفس کی قوت اچھی طرح شکستہ نہیں ہوئی ایسے شخص کو سماع سننے سے شہوت کا ہیجان ہو گا اور بیچارے غریب کا راہ مارا جاوے گا اور تکمیل سے رہ جاوے گا۔ تیسرا وہ شخص کہ اس کی شہوت بھی شکستہ ہو گئی ہو اور کسی خرابی کا بھی اندیشہ نہ ہو اور اس کی چشم بصیرت بھی کُشادہ ہو گئی ہو اور اللہ تعالیٰ کی محبت بھی اس کے قلب پر غالب ہو۔ مگر ظاہری علوم میں کمال اور پختگی حاصل نہ ہوئی ہو اور اسماء و صفات کے مسائل سے اچھی طرح واقف نہ ہو جس سے یہ سمجھ سکے کہ جناب باری تعالیٰ میں کس امر کو نسبت کرنا جائز ہے اور کس کو منسوب کرنا باطل جب ایسا شخص سُننا شروع کرے گا اور سب مضامین اللہ تعالیٰ کی طرف لے دوڑے گا، خواہ اس کا منسوب ہونا باری تعالےٰ کی طرف صحیح ہو یا غلط۔

پس ان خیالات کفریہ سے جس قدر ضرر ہوگا سماع سے اتنا نفع بھی نہ ہوا۔

ہوگا۔ سو ایسے شخص کو سماع لائق نہیں جس کا قلب ہنوز حب دنیا و حب جاہ میں آلودہ ہو ایسے شخص کو بھی مناسب نہیں جو محض لذت اور طبیعت خوش کرنے کو سُنتا ہے پھر شدہ شدہ اس کی عادت ہو جائے اور ضروری عبادات اور مراعات قلب سے اس کو باز رکھے اور طریق سلوک اس کا منقطع ہو جاوے۔ الغرض سماع بڑی لغزش کی چیز ہے ضعیف الحال لوگوں کا بچنا اس سے واجب ہے آہ۔ اب اپنے زمانہ میں ملاحظہ فرما لیجئے۔ اکثر سماع میں ایسے ہی ہوتے ہیں جن کے حق میں سماع مضر ہو۔ باطن کی تو کہاں نوبت آتی ہے ان لوگوں کے ظاہری اعمال تک درست نہیں ہوتے کثرت سے بے نماز ڈاڑھی منڈے رشوت خور ظالم آوارہ مزاج بد وضع نو عمر، پر شہوت، حسن پرست، اس قسم کے لوگ شریک ہوتے ہیں اور اگر ان میں کوئی شخص مرتاض عابد زاہد ذوق شوق والا بھی ہوا مگر علم ظاہری بقدر کفایت نہیں ہوتا نہ شریعت سے آگاہ جس سے یہ سمجھے کہ کون مضمون کا اعتقاد کرنا جناب باری میں جائز ہے، نہ علم حقیقت میں ماہر کہ مسائل غامضہ صحیح صحیح سمجھ سکے نہ عارفین کے اصطلاحات اور رموز سے واقف جس سے اشعار مسموعہ کی تاویل کر سکے اور شریعت و حقیقت میں تطبیق دے سکے غرض بے علمی سے خدا جانے کیا واہی تباہی اپنے خیال فاسد و وہم کا سر سے جو جی میں آیا سمجھ بیٹھا اور اس سے مزہ لینا شروع کیا خواہ وہ خیال بدعت ہو کفر ہو ان کو اس سے کچھ بحث نہیں اپنے مزہ سے کام، اب خیال فرمائیے کہ جب یہ شعر ناقص العلم کے کان میں پہونچتا ہوگا ؎

زدریا موج گوناگوں برآمد　　　ز بیچونی برنگ چوں برآمد

گہے در کسوت لیلے فروشد　　　گہے در صورت مجنوں بر آمد

تو بجز اس کے اور کیا خاک سمجھتا ہوگا کہ اللہ میاں مختلف شکلوں میں سیر کرتے پھرتے ہیں اور یہ اعتقاد صریحاً کفر ہے اور ہزاروں اس میں مبتلا ہیں۔ ایسے اشعار کے صحیح سمجھنے کے لئے دو امر کی ضرورت ہے، اول بزرگوں کی اصطلاحات معلوم ہوں۔ مثلاً دریا کس کو کہتے ہیں، موج سے کیا مراد، ظہور کیا چیز ہے، مختلف اکوان میں نزول کے کیا معنے۔ دوسرے یہ جانتا ہو کہ ان معانی اصطلاحیہ کا اعتقاد جناب باری میں جائز ہے یا نہیں، سو یہ دونوں امر موقوف ہیں علم کافی پر۔

اب دیکھ لیجئے کہ اس وقت کے اہل سماع میں سے ایسا تقویٰ ایسا مجاہدہ ایسا علم کتنے شخصوں میں پایا جاتا ہے، اور اگر کسی ایک آدھ میں سب اوصاف بھی ہوئے تو تمام اہل مجلس میں تو نہیں پھر نا اہل کے روبرو اہل کو سننے کی بھی تو اجازت نہیں، پھر ایسی دوسری شرط کہاں ملحوظ رہی۔

اب تیسری شرط سنئے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ تیسرا ادب یہ ہے کہ خوب کان لگا کر مضمون سنے۔ ادھر ادھر نہ دیکھے، حاضرین مجلس کے چہروں پر نظر نہ کرے ان کے وجد و حال کی طرف التفات نہ کرے، اپنے دھیان میں لگا رہے اپنے قلب پر نظر رکھے اس کے باطن میں جو منجانب اللہ کشود ہو اس پر نگاہ رکھے۔ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے دوسروں کے دل بٹ جائیں بلکہ بالکل بے حس اور بے حرکت ہوا بیٹھا رہے، نہ کھنکارے نہ جمائی لے، سر جھکائے ہوئے جیسے کسی سوچ میں بیٹھا ہو۔ نہ تالیاں بجاوے نہ کودے نہ اچھلے نہ کوئی حرکت بناوٹ اور نمائش کی کرے، بلکہ بلا ضرورت شدید منہ سے کوئی بات نہ نکالے، ہاں اگر بے اختیار کوئی کیفیت

غالب آجاوے اس میں معذور ہے کوئی ملامت نہیں، پھر جب اپنے اختیار میں آجاوے فوراً ہی ساکت وساکن ہوجاوے پھر یہ شایان نہیں کہ وہی حالت بنائے رکھے محض اس شرم سے کہ لوگ یوں کہیں گے فلاں شخص کا وجد جلدی ختم ہوگیا قصداً وجد نہ کرے صرف اس خوف سے کہ لوگ کہیں گے کہ بڑا سنگدل ہے اس کے قلب میں کچھ صفائی اور رقت نہیں۔ آہ! اب اہل زمانہ کی حالت قابل غور ہے کہ اس شرط کی کہاں تک رعایت کرتے ہیں۔ اوّل تو مضمون سمجھنے والے ہی بہت کم ہیں جب سمجھ میں نہ آوے گا تو اس کی طرف کان ہی کیا لگاویں گے، دوسرے گانے والے چونکہ بعض جگہ خوش رو جوان ہوتے ہیں، بعض جگہ یہ ظلم ہے کہ بازاری عورتیں ہوتی ہیں۔ اہل مجلس ان کو خوب گھورتے ہیں۔ ایسی حالت میں کشود باطن کا ذکر ہی کیا جس کی طرف متوجہ رہنے کا ان کو موقع ملے ان کو اپنی شہوت پرستی ہی سے فرصت نہیں۔ پھر بعض لوگوں میں تو یہ غضب ہے کہ ایسی نظر کو عبادت اور نعوذ باللہ موجب قرب الٰہی سمجھتے ہیں۔ بھلا ایسے عقیدے کے ساتھ ایمان کا سالم رہنا کس طرح ممکن ہے اور اگر کسی نے دیکھنے بھالنے سے احتیاط بھی کی اور سر جھکائے آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا اور کوئی کیفیت بھی ہوگئی اول تو ایسی بے ادبیوں کے ساتھ وہ روحانی نہ ہوگی اور اگر اس سے بھی قطع نظر کی جاوے تو یہ مصیبت ہے کہ اگر ذرہ ہوگی تو اس کو پہاڑ کرکے ظاہر کر ڈالیں گے۔ کہیں نعرے لگا رہے ہیں، کہیں لوگوں پر گر گر پڑتے ہیں، غرض تمام مجلس میں ایک طوفان برپا کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب دل اتفاقاً پھنس گیا تو ان بیہودہ حرکتوں سے اس کا تمام تر لطف برباد ہوجاتا ہے۔ غرض تصنع وریا وایذاء اہل مجلس کا پورا پورا حق ادا کرتے ہیں، پھر کیفیت فرو ہونے کے بعد

لوگوں کی نظر میں صاحب حال بنے رہنے کے خیال سے بہت دیر تک جھوٹا نشہ چڑھائے رکھتے ہیں اور ہو حق کے نعرے لگاتے رہتے ہیں، غرض یہ شرط بھی گذری اب چوتھی شرط ملاحظہ ہو۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ چوتھا ادب یہ ہے کہ کھڑا نہ ہو اور نہ بلند آواز سے چلّا دے۔ جب تک اپنے کو ضبط کرنے پر قادر ہو۔

آہ! اس شرط کو بھی اہل عصر نے مہمل کر رکھا ہے۔ اچھے خاصے ہوش و حواس درست اگر اپنی حالت وکیفیت کو پوشیدہ رکھنا چاہیں تو ممکن ہے مگر اس طرح عوام کیونکر معتقد ہوں اور مجلس کس طرح ہو اس لئے اس قدر غل غپاڑہ کرتے اور جامے سے باہر نکلے جاتے ہیں کہ گویا تمام اہل حال کے قبلۂ وکعبہ حضرت ہی ہیں۔

پانچویں ادب کے باب میں فرماتے ہیں اگر کوئی صادق الحال کھڑا ہو جاوے تو سب کو اس کی موافقت کرنا چاہیئے اور وجہ اس کی یہ ہے اپنے احباب واصحاب کی رعایت ضروری ہے یہ خلاصہ ہے ان کی تقریر کا۔ اس ادب کو سُنکر بعضے لوگ خوش ہوں گے کہ اس پر تو ہمارا عمل ہے سو حضرت من اول ایک شرط بجالانے سے کیا کام چلتا ہے جب تک سب پر عمل نہ ہو اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص وضو میں صرف مُنہ دھوئے اور ہاتھ نہ دھوئے اور نہ مسح کرے اور نہ پاؤں دھوئے اور یہ کہہ کر ایک جزو تو میں نے پورا کر لیا نماز شروع کرے، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی نماز بالکل باطل ہوگی۔ دوسرے اگر معنی فہمی سے کام لیا جاوے تو معلوم ہوگا اس شرط پر بھی عمل نہیں ہے کیونکہ مدار اس شرط کا مراعات احباب کی ہے اور موافقت فی القیام اس کی ایک ظاہری صورت ہے اور مراعات جانبین سے واجب اللحاظ ہوتی ہے۔ مثلاً جس طرح مقتدیوں کو حکم ہے موافقت امام کا اسی

طرح معنیٰ امام پر بھی لازم ہے موافقت قوم کی یعنی نماز میں ان کی راحت وسہولت کا لحاظ رکھے اسی طرح یہاں سمجھئے کہ جس طرح اہل مجلس کو صاحب حال کی موافقت چاہیئے اسی طرح اس شخص کو بھی قوم کی رعایت چاہیئے۔ بعض لوگ حال فرو ہونے کے بعد بھی اس قدر قیام طویل کرتے ہیں کہ حضار مجلس کو قیام میدان قیامت کا نظر آتا ہے جس کی مقدار ایک ہزار پچاس ہزار سال کی ہوگی۔ علیٰ اختلاف الاقوال۔ تمام اہل مجلس تنگ اور دق ہوجاتے ہیں اور ان کا زور نہیں گھٹتا۔ غرض یہ شرط بھی رخصت ہوئی۔

یہاں تک تو شرائط کا حال معلوم ہوا کہ کیا کیا ہونا چاہیئے تھا اور کیا کیا ہورہا ہے۔ اب موانع کا حال سنئے جن کے ہونے سے سماع ممنوع ہوجاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھتے جائیے کہ ہمارے زمانہ کی اکثر مجالس ان موانع سے مزین ہوتی ہیں۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دریافت کرے کہ آیا سماع کسی حالت میں حرام بھی ہوجاتا ہے تو ہم جواب دیں گے کہ ہاں پانچ امر ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک بھی پیش آجاوے تو سماع حرام ہوجاتا ہے ایک امر شعر بنانے والے کے متعلق ہے، دوسرے امر آلہ سماع کے متعلق، تیسرے خود شعر منظوم کے متعلق اور چوتھے سننے والے اور اس کی عادت ڈال لینے کے متعلق اور پانچویں سننے والے کے عوام الناس میں سے ہونے کے متعلق، کیونکہ سماع کے ارکان یہی ہیں، سنانے والا، سننے والا آلہ سماع سو پہلا امر ان عوارض وموانع سے یہ ہے کہ گانے والی عورت ہو جس پر نگاہ کرنا حرام ہے اور اس کی آواز سے خرابی پیدا ہونے کا امکان ہے۔

اور اسی حکم میں ہے نوجوان لڑکا جس سے خرابی کا احتمال ہو اور یہ بالکل حرام ہے اس لئے کہ اس میں خرابی پیدا ہونے کا خوف ہے۔ آہ! حضرت آپ نے بزرگوں کے مزارات پر دیکھا ہوگا کہ بازاری عورتیں جن کو دلربائی اور دلفریبی میں خاص ملکہ ہے بے محابا گاتی ہیں اور ہزاروں کے زہد اور تقویٰ کو برباد کرتی ہیں۔ اگر بعض جگہ اس کی احتیاط ہے تو خوبصورت خوش وضع لڑکے عمدہ لباس پہن کر مانگ پٹی جما کر تماشائیوں کے نظارے گاہ میں گاتے ہیں یہ اس سے بڑھ کر بلا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ دوسرا امر جو آلہ سماع کے متعلق ہے، یہ ہے کہ وہ آلہ شرابیوں یا مخنثوں کا شعار ہو اور وہ تمام مزامیر ہیں اور جتنے اقسام تار کے ہیں اور طبل جو ڈھول نما ہو۔ آہ! زمانہ میں دیکھ لیجئے اکثر مجالس میں یہی آلات ضرور ہوا کرتے ہیں۔

آگے فرماتے ہیں کہ تیسرا امر نظم کے متعلق، وہ یہ ہے کہ مثلاً اس شعر میں خط و خال و قد و قامت و اوصاف و محاسن محبوبان مجازی کا ذکر ہو۔ سو اگرچہ ایسا شعر کہنا یا پڑھنا یا سننا فی ذاتہ حرام نہیں مگر یہ امر ضرور واجب ہے کہ اس کو ایسے شخص پہ نہ ڈھالے جو اس کے لئے حلال نہیں اگر ایسا کرے تو اس ڈھالنے سے اور اس میں خیال دوڑانے سے گنہگار ہوگا اور جس شخص کا ایسا گندہ خیال ہو اس کو سماع سے بالکل علیحدہ رہنا چاہیے۔ آہ! اس عارض کے اعتبار سے بھی اپنے زمانہ کی حالت مخفی نہیں، اکثر مجالس میں ایسے اشعار بھی پڑھے جاتے ہیں۔ اور اہل مجلس میں سے بہتیرے نوجوان ہوسناک جو نامحرم عورتوں اور مردوں کے عشق میں مبتلا ہوتے ہیں، ایسے اشعار کو ان کی طرف لے جاتے ہیں جن سے ان کے

قلب میں درخت فساد کو زیادہ نشوونما ہوتا ہے۔"

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ چوتھا امر سننے والے کے متعلق، وہ یہ ہے کہ اس شخص میں ابھی قوت شہویہ غالب ہے اور جوانی کا جوش ہے اور یہ صفت اس کی دوسری محمود صفات پر غالب ہے ایسے شخص کے لئے سماع مطلقاً حرام ہے خواہ اس کے دل میں کسی محبوب مجازی کی محبت غالب ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ ہر حال میں جب یہ شخص ایسے مضامین خط وخال وفراق ووصال کے سنے گا اس کی شہوت کو جنبش ہوگی اور شیطان اس کے دل میں پھونک مار کر کوئی معشوق تراش کر اس کی طرف متوجہ کردے گا پس اس کے دل میں آتش شہوت مشتعل ہوگی اور خبیث قوتیں تیز ہوں گی اور اس میں شیطانی گروہ کو قوت دیتا اور لشکر خداوندی یعنی عقل کو کمزور کردیتا ہے۔ پس واجب ہے کہ ایسے شخص کو مجلس سماع سے باہر کردیا جائے۔

آپ ملاحظہ فرمایئے کہ محض نوجوانی کو موجب مفسدت بتلا رہے ہیں گو اس کا دل کسی جگہ پھنسا نہ ہو بلکہ ایسے شخص کو مجلس سے نکال دینے کو فرما رہے ہیں اور جہاں اور اسباب فساد بھی جمع ہوں تو اس کا تو کچھ پوچھنا نہیں اب اپنے زمانہ کی مجالس ملاحظہ ہوں کہ ان میں اکثر نوجوان ہی زیادہ ہوتے ہیں اور نکالنے کی تو ہمت کیا ہوگی خود رقعہ لکھ لکھ کر بلایا جاتا ہے۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔

پانچویں امر کی نسبت فرماتے ہیں، وہ یہ ہے کہ وہ شخص عوام الناس سے ہو نہ اللہ کی محبت اس پر غالب ہے نہ کوئی شہوت ہی اس پر غالب ہے اس کے لئے فی نفسہ مباح ہے مگر جب اس کی عادت مقرر کرلے اور اکثر اوقات اس میں

لگا رہے تو یہ شخص مردود الشہادۃ ہوجاوے گا۔ آہ! اب اپنے زمانہ کا حال دیکھ لیجئے کہ جو لوگ اس میں مبتلا ہیں انھوں نے اس کو بالکل دال روٹی کر رکھا ہے اور ذرا سا بہانہ مجلس منعقد کرنے کے لئے کافی ہوجاتا ہے۔ یہاں تک شرائط و عوارض کی تفصیل اور اپنے زمانہ کی حالت ہم نے دکھلا دی ہے اب جواز نا جواز کا فیصلہ خود ناظرین کرلیں، ہمارے عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔"

آپ کے وصال کے بعد شیخ رکن الدینؒ نے غسل سے فارغ ہوکر حضرت کے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھا تو دل پر ذکر قلبی کی حرکت محسوس ہوتی تھی۔ حضرت کے مکتوبات مشہور ہیں جو نہایت عوارف و معارف سے لبریز ہیں چونکہ وہ فارسی میں ہیں اس لئے ان اوراق میں نقل نہیں کرسکا اور ترجمہ میں وہ حقائق جو اصل عبارت میں ہیں میں ظاہر کرنے پر قادر نہیں تھا اس لئے مجبور رہا تاہم جو لوگ فارسی داں ہیں وہ انوار العارفین وغیرہ رسائل میں ضرور مطالعہ کریں کہ ان کو بیحد مفید ہوں گے۔

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سلوک میں جو بھی اشکال پیش آتا تھا وہ مکتوبات کے دیکھنے سے حل ہوجاتا تھا۔

تالیفات

آپ کی مؤلفات میں ایک کتاب انوار العیون ہے جس کے سات فن ہیں جن میں حقائق و دقائق تصوف کو جمع فرمایا ہے۔ فن اول کا زیادہ حصہ حضرت شیخ عبدالحقؒ کے کمالات میں ہے اس کے علاوہ آپ کی تصانیف یہ بھی ہیں۔ تعلیقات علی شرح الصحائف علم کلام میں، عوارف المعارف کی ایک بسیط شرح حاشیۂ التعرف۔

آپ کے حالات لطائف قدوسی میں جو حضرت کے نسبی اور روحانی فرزند شیخ رکن الدین کی تصنیف ہے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مراۃ الاسرار اقتباس الانوار، انوار العارفین میں بھی پائے جاتے ہیں اس مختصر رسالہ میں ان کی گنجائش نہیں تھی تاہم نمونہ کے طور پر ایک دو واقعات پر اکتفا کرتا ہوں۔

متفرق واقعات

حضرت شیخ کے ایک مُرید تھے ان کو وسوسہ ہوا کہ یہاں کی تعلیم تو معلوم کرلی اور بھی تو مشہور مشائخ ہیں اور اللہ کا نام کسی سے پوچھنے میں حرج نہیں ہے۔ لہٰذا اور جگہوں کا بھی رنگ ڈھنگ چل کر دیکھنا چاہیئے مگر اس خیال کو پیر سے ظاہر کرتے ہوئے حجاب مانع تھا۔ شیخ نے یا تو کشف سے یا قرائن سے معلوم کرلیا اور ایک موقعہ پر ان سے فرمایا۔ کہ بھائی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے سیروا فی الارض۔ لہٰذا تم اگر کچھ عرصہ ادھر ادھر پھر آؤ تو تفریح بھی ہوجائے گی اور مختلف مشائخ کی زیارت و برکات سے بھی مشرف ہوجاؤ گے اور اس وقت میں اگر کسی سے اللہ کا نام بھی پوچھ لو تو کچھ حرج نہیں۔ یہ مُرید دل میں خوش ہوگئے کہ اچھا ہوا شیخ سے حجاب بھی نہ ٹوٹا اور کام بھی بن گیا رخصت ہوکر روانہ ہوئے جہاں جس شیخ کے پاس بھی گئے سب نے وہی پاس انفاس کا شغل بتایا جو کہ ابتداء میں شروع کرایا جاتا ہے۔ بہت گھبرائے کہ جس کے پاس جاتا ہوں ابتداء الف با۔ تا سے ہی کراتا ہے اور پچھلا کیا کرایا سب بیکار ہوجاتا ہے آخر شرمندہ ہوکر پھر حضرت شیخ گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور توبہ کی۔ شیخ نے فرمایا کہ کیوں بھائی اب تو تسلی ہوئی۔ بس دور کے ڈھول ہی سہانے معلوم ہوتے ہیں۔ اب ایک طرف گوشہ میں بیٹھ کر اللہ کا نام لو اور طبیعت کو یکسو رکھو۔

(۲) محمد غوث گوالیاری جو کتاب جواہر خمسہ کے مصنف ہیں عامل تھے اور غالباً شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے ہم عصر ہیں۔ حضرت شیخ کے لانے کے لئے انھوں نے ایک مرتبہ جنوں کو بھیجا، شیخ مسجد میں مشغول تھے، جن پہنچے مگر پاس جانے کی ہمت نہ ہوئی شیخ نے خود ہی سر اُٹھا کر دیکھا پوچھا کون ؟ جنوں نے جواب دیا کہ محمد غوث نے بھیجا ہے زیارت کا مشتاق ہے۔ اگر اجازت ہو تو ہم اس طرح لے چلیں کہ تکلیف نہ ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ میں حکم دیتا ہوں کہ محمد غوث کو لے آؤ۔ چنانچہ جنات پہنچے اور ان کو لیکر چلے۔ اُنھوں نے جنات سے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے تم میرے مطیع تھے اب یہ سرکشی کیسی ؟ جنوں نے جواب دیا کہ سب کے مقابلہ میں تو تمہارے مطیع مگر شیخ کے مقابلہ میں تمہاری اطاعت نہیں۔ غرض کہ ان کو لے کر شیخ کی خدمت میں پہنچے۔ دیکھ کر حضرت نے فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی اور بہت ڈانٹا۔ آخر کار وہ بیعت ہو کر صاحب نسبت ہو گئے گوالیار میں ان کا مزار ہے

(۳) ایک مرتبہ حضرت کے ایک خادم نے جو امیر کبیر آدمی تھے اپنے بیٹے کے ولیمہ میں شہر کے اُمراء و غرباء کی دعوت کی اور ان کو کھانا کھلایا تو حضرت شیخ بھی امتحاناً وہاں تشریف لے گئے اس طرح سے کہ کسی کو اس تشریف لے جانے کی اطلاع نہ ہو لباس بدل کر اور شب کے وقت تشریف لے گئے وہاں پہونچکر غرباء کی مجلس میں جاکر بیٹھ گئے تو دیکھا کہ وہ خادم اس موقعہ پر موجود ہیں اور دیکھا کہ جس طرح امراء کی خاطر و مدارات کی جارہی ہے اسی طرح غرباء کا بھی اعزاز و اکرام کیا جارہا ہے۔ بس حضرت شیخ وہاں بیٹھے رہے مگر اس خادم کو چونکہ انکا احتمال بھی نہ تھا کہ حضرت شیخ بھی میرے یہاں تشریف لائے ہیں اور یہاں موجود ہیں۔ اور پھر حضرت

شیخ اپنا لباس بھی تبدیل فرمائے ہوئے تھے اس لئے اس خادم نے حضرت شیخ کو بالکل نہ پہچانا۔ یہاں تک کہ جب سب لوگ فارغ ہو کر رخصت ہوئے تو حضرت شیخ بھی وہاں تشریف لے آئے اس کے بعد وہ خادم جب حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ان سے ناراض تھے۔ انھوں نے ناراضگی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ہم تمہارے جلسۂ دعوت میں گئے مگر تم نے ہم کو پہچانا نہیں اس نے عذر کیا کہ جب سب اسباب عدم معرفت کے جمع تھے تو کسطرح پہچانتا۔ فرمایا تم کو ہمارے اندر سے خوشبو کیوں نہیں آئی۔ اگر تمکو ہمارے اندر سے خوشبو آتی تو گو ہم لباس تبدیل کئے ہوئے تھے مگر تم ہمکو ضرور پہچان لیتے اور جب خوشبو نہیں آئی تو معلوم ہوا کہ تم کو ہم سے محبت نہیں۔

حضرت اقدس تھانوی نے اپنی تالیف السنۃ الجلیلۃ فی الچشتیۃ العلیہ میں چند واقعات حضرت کے تحریر کئے ہیں جن میں سے دو قصے یہاں نقل کرتا ہوں۔

(۱) ایک مرتبہ حضرت شیخ عبدالقدوس دہلی میں آئے ہوئے تھے۔ شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری جو کہ سید جلال الدین بخاری کی اولاد میں سے تھے عالم اور صاحب حال تھے۔ انھوں نے اپنی لکھی ہوئی تفسیر کو شیخ کے پاس بھیجدیا۔ شیخ نے اس کو کھولا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت کی طہارت کے متعلق جو آیۃ ہے وہ نظر پڑی۔ اس مقام پر شیخ عبدالوہاب نے لکھا تھا کہ نبی کی تمام اولاد خاتمہ سے بیخوف ہے اور ان کا خاتمہ یقیناً بالخیر اور اچھا ہوتا ہے شیخ عبدالقدوس نے اس کے حاشیہ پر لکھا کہ یہ مضمون مذہب اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے اور کتاب کو واپس کر دیا۔ وہاں اس مسئلہ میں بہت دنوں تک علماء میں گفتگو ہوتی رہی۔ بالآخر جو کچھ شیخ عبدالقدوس نے فرمایا تھا اس کو سب نے

برقرار رکھا۔

ایک مرتبہ امام مسجد وقت پر نہ آئے اور اُن کے بھتیجے شیخ عبدالغنی آگے بڑھے اور امامت کی۔ الذین اور انعمت کے درمیان کچھ ان سے وقفہ ہوگیا۔ شیخ نے دوبارہ نماز پڑھی اور بہت غصہ سے فرمایا کہ نوعمروں کو منع کرنا چاہیئے کہ امامت نہ کریں اور لوگوں کی نماز فاسد نہ کریں۔ کیا اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ موصول صلہ سے مل کر بمنزلہ ایک کلمہ کے ہوتا ہے کہ اس کے درمیان میں قطع کرنا درست نہیں ہے اور وقفہ اس کے درمیان میں جائز نہیں۔

صلبی اولاد آپ کی روحانی اولاد کے ساتھ ساتھ نسبی اولاد بھی کامل اکمل تھی۔ سات صاحبزادے تھے جو باکمال واہل فضل تھے۔ یہ حضرات دہلی میں تعلیم پاتے تھے اور جب والد کی زیارت کے اشتیاق میں حاضری کی اجازت چاہتے تو حضرت شیخ اس خیال سے کہ طالب علمی میں حرج ہوگا خود ہی دہلی تشریف لے جایا کرتے تھے۔

وفات شیخ رکن الدین صاحبؒ نے لطائف قدوسی میں لکھا ہے کہ ۲۱ ماہ جمادی الاخریٰ ۹۴۴ھ دوشنبہ کو حضرت کو تپ دلرزہ شروع ہوا جمعہ کے دن کم ہوگیا جس کی وجہ سے نماز اطمینان سے پڑھی اس کے بعد پھر شروع ہوگیا۔ مرض الموت کی حالت میں عبادت میں کسی قسم کا تفاوت پیدا نہیں ہوا۔ باوجود اس کے کہ محویت کامل طور پر تھی۔ ایک رات ستر بار تازہ وضو کر کے تحیۃ الوضو پڑھی۔ آخیر میں وضو کے لئے اشارہ کیا اور دو رکعت نماز کی نیت باندھی۔ رکوع و سجدہ اشارہ سے کیا اور نویں دن سہ شنبہ کے روز نماز کی حالت میں رحلت فرمائی۔ شیخ اجل

آپ کا سال وفات ہے۔ بعض لوگوں نے ۹۴۵ھ بھی لکھا ہے۔ حضرت کی عمر چوراسی (۸۴) سال کی ہے جس میں پینتیس (۳۵) سال ردولی شریف قیام رہا۔ ۸۹۶ھ میں عمر خان کاشی جو سلطان سکندر لودھی کے امراء میں سے ہے اس کی استدعا و اصرار کی درخواست پر شاہ آباد میں تشریف لائے اور پینتیس ہی سال وہاں بھی مقیم رہے۔ ۹۳۲ھ میں ظہیر الدین بابر کے زمانہ میں گنگوہ قدم رنجہ فرمایا اور چودہ (۱۴) سال وہاں قیام فرمایا۔

گنگوہ اس وقت دو حصوں میں منقسم ہے ایک شہر کے نام سے مشہور ہے، دوسرا حصہ سرائے کے نام سے شہر کی غربی جانب میں ہے۔ یہ حصہ اس وقت بالکل جنگل تھا جہاں شیخ نے آکر قیام فرمایا اور اس ہی وقت یعنی غالباً ۹۳۰ھ سے اس حصہ سرائے کی ابتدائی آبادی ہے۔ اس ہی سرائے میں سلسلہ چشتیہ کے ارکان ثلثہ یعنی (حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ ابوسعید گنگوہی، حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی) آرام فرما ہیں حضرت کے وصال میں اور بھی اقوال ہیں۔ بعض تیئیس (۲۳) جمادی الثانی ۹۴۴ھ اور بعض نے ۹۴۰ھ یا ۹۲۵ھ یا ۹۲۵ھ بھی لکھا ہے، مگر ارجح قول ۹۴۴ھ ہی کا ہے۔

خلفاء

حضرت کے خلفاء کی مقدار بھی زیادہ بتائی جاتی ہے۔ مشاہیر ان میں سے یہ ہیں۔ شیخ بھورو، شیخ عمر، شیخ عبدالغفور اعظم پوری، شیخ رکن الدین، شیخ عبدالکبیر مشہور بہ بالا پیر۔ یہ ہر دو حضرات حضرت کے نسبی اور روحانی دونوں طرح کے فرزند ہیں۔ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری کا جن کا ذکر آئندہ آنیوالا ہے[1]

---

[1] خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، تعلیم الدین، افاضات یومیہ، السنۃ الجلیلۃ، حق السماع۔

(۳۰) شیخ جلال الدین بن محمود عمری تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے اکابر خلفاء میں سے ہیں۔ فاروقی النسب ہیں۔ وطن آپ کا بلخ تھا۔ آپ کے والد قاضی محمود علماء میں تھے۔ صاحب نزہتہ الخواطر نے آپ کے والد محترم کا نام "محمد" تحریر کیا ہے۔ آپ کی ولادت بظاہر ۸۹۴ھ ہے۔ سات ۷ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ فرمالیا تھا۔ اور سترہ ۱۷ سال کی عمر میں علوم ظاہریہ کی تکمیل فرما کر تدریس وافتاء میں مشغول ہو گئے تھے۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری کیا۔ طاعت عبادت نوافل اوراد وظائف اور پابندی اوقات آپ میں خاص طور سے پائی جاتی تھی۔

اتباع سنت میں بھی آپ کا وہی حال تھا جو مشائخ چشت کے لئے بمنزلہ عادت ثانیہ کے ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ بیمار ہوئے دوا پیش کی گئی۔ اس وقت آپ صاحب فراش تھے بیٹھنا مشکل تھا۔ لیکن جوں توں بیٹھنے پر خادموں سے فرمایا مجھے اُٹھا کر زمین پر بٹھادو۔ خدام نے حکم کی تعمیل کی۔ جب زمین پر بیٹھ گئے اس وقت دوا نوش فرمائی۔ اور فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے تخت دہر پر کوئی چیز کھائی ہو۔

ریاضت و مجاہدات کی کثرت نے لاغر کر دیا تھا۔ لیٹے رہتے تھے مگر عجیب بات یہ تھی کہ اذان کے وقت قوت اور بشاشت لوٹ آتی تھی۔ اور بڑے اطمینان سے نماز ادا کرتے تھے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے اکثر مکاتیب آپ کے نام بڑے پر معانی

ہیں۔

بیعت وارادت

آپ کی ابتدائی بیعت کا واقعہ بھی پرلطف ہے۔ آپ چونکہ علوم ظاہریہ کے امام تھے۔ اس لئے ایک مدرسہ میں تعلیم فرماتے تھے۔ طلباء کا مجمع رہتا تھا۔ کچھ لوگ حضرت شیخ گنگوہی سے بیعت تھے۔ حضرت وہاں تشریف لے گئے۔ مولانا جلال کو بھی علم ہوا۔ ان مریدین سے کہا کہ سُنا ہے تمہارے پیر آئے ہیں اور وہ ناچتے بھی ہیں (غلبہ حال کو ناچنے سے تعبیر کیا) ان سے ہمارا سلام کہہ دینا۔ کسی وقت موقع ہوا تو میں خود بھی آؤں گا۔ خدام نے سلام پہنچا دیا۔ حضرت شیخ نے جواب سے سرفراز فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ کہہ دینا کہ وہ پیر خود بھی ناچتے رہیں دوسروں کو بھی نچاتے رہیں اتفاقاً ایک روز ندا غیبی نے حضرت شیخ رح کو مژدہ سُنایا کہ مولانا جلال کو تمہیں بخش دیا۔ ان کو اپنے حلقہ میں لے آؤ۔ اس کے امتثال کے لئے حضرت شیخ مدرسہ تشریف لے گئے۔ وہاں طلبہ کا مجمع مولانا کو احاطہ کئے ہوئے تھا۔ جب درس سے فراغت ہوئی تو حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہو کر مولانا نے دریافت کیا کہ آپ کون بزرگ ہیں حضرت نے فرمایا کہ میں وہی ناچتا پیر ہوں، یہ فرما کر حضرت نے ایک تیز نظر سے توجہ ڈالی جس کی بناء پر مولانا کے علوم سب زائل ہوگئے اس پر مولانا نے بڑی التجا و معذرۃ کی تو حضرت نے تسلی اور علوم حقیقی کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح چند توجہات کے بعد حضرت کو اشغال کی تعلیم فرمائی اور خلوت و مجاہدہ کا امر فرمایا۔ کچھ دنوں بعد مولانا پر ایک بیخودی کا عالم طاری ہونے لگا اور اپنے احوال کی حضرت کو اطلاع کرتے رہتے۔ حضرت شیخ اس کی اصلاح فرماتے رہتے تھے۔ استغراق کا غلبہ آپ پر بھی بہت تھا۔

صاحب کرامات تھے ایک مرتبہ ایک مُرید کے دل میں یہ خطرہ گذرا

کرامات کہ پہلے زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے تھے کہ جس پر نظر کرتے تھے، وہی صاحب کمال ہو جاتا تھا۔ حضرت شیخ اس خطرہ پر مطلع ہو گئے اور فرمایا کہ اب بھی ایسے شخص موجود ہیں یہ فرما کر ایک تیز نگاہ سے دیکھا وہ مرید تین دن تک بیہوش رہے اور اس کے چند روز بعد انتقال ہو گیا۔ حضرت شیخ تک جب اُن کی وفات کی خبر پہونچی تو فرمایا کہ ہر شخص کو اس بار کے اُٹھانے کی طاقت نہیں ہوتی یہ بیچارہ بھی اس کی طاقت نہ رکھ سکا۔

تھانیسر میں ایک میلہ ہوتا ہے جس میں لاکھوں ہندو جمع ہوتے ہیں۔ حضرت نے ایک روز اپنے خدام سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے یہاں اتنے ہندو کیوں جمع ہیں، عرض کیا کہ حضرت یوں تو ان کا یہ ایک مذہبی میلہ ہے لیکن اس میں ایک عجیب بات ہے جو زیادہ ہجوم کا باعث ہے وہ یہ کہ ایک جوگی آتا ہے جو بہت مرتاض ہے اس میں یہ تصرف ہے کہ وہ زمین زمین میں غوطہ لگاتا ہے، یہاں غوطہ لگاتا ہے اور وہاں نکلتا ہے۔ اندر ہی اندر یہاں سے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ یہ سُنکر فرمایا کہ بھائی اس تماشہ کو تو ہم بھی دیکھیں گے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ کیا شیخ بھی اس تماشہ کو دیکھیں گے مگر کون بول سکتا تھا۔ حضرت نے فرمایا مجھے وہاں لے چلو جہاں اس کا مرکز ہے چنانچہ لوگوں نے حضرت کو لیجا کر اس کے مرکز کے پاس کھڑا کر دیا جہاں سے وہ غوطہ لگاتا تھا۔ جب وقت آیا تو اس نے حسب معمول غوطہ لگایا، غوطہ لگاتے ہی زمین پھٹ گئی اور وہ غائب ہو گیا۔ آپ نے جھٹ اپنا قدم مبارک اس موقع پر رکھدیا۔ اب جوگی صاحب نہیں نکلتے۔ وہ وہیں زمین کے اندر دھنس گیا اور مر گیا اور حضرت اپنا

کام کر کے چلے آئے۔

ارشاد الطالبین آپ کی تصنیف ہے۔ اس میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں "عاشق لوگ کشف و کرامات کے درپے نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کا سارا اہتمام عبادت، زہد، تقویٰ کے لئے ہوتا ہے اور وہ لوگ ان چیزوں کو کسی حال میں نہیں چھوڑتے بلکہ وہ لوگ اپنے نفسوں کو ہلاک کر دیتے ہیں اور مرنے سے پہلے مرجاتے ہیں۔ (یہ ایک حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے موتوا قبل ان تموتوا)

ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ جاہل صوفیاء راستہ سے پھسل کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور مشائخ صوفیاء کے کلام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ان مشائخ کا کہنا ہے کہ یہ جاہل صوفیاء وصول الی اللہ سے اس لئے محروم ہوتے ہیں کہ اصول چھوڑ بیٹھتے اور اصول یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی رعایت کرے۔

وفات

حضرت شیخ نے چودہ[۱۴] یا بائیس[۲۲] یا پچیس[۲۵] ذی الحجہ سنہ ۹۸۰ھ یا ۹۸۹ھ بروز جمعہ پچانوے[۹۵] یا چھیانوے[۹۶] سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ اور صاحب نزہتہ الخواطر کے قول کے مطابق ان کی وفات ۹۶۹ھ میں ہے[۱]

(۳۱) شیخ نظام الدین العمری التھانیسری رح

ابن شیخ عبدالشکور علوم ظاہریہ و باطنیہ کے جامع تھے۔ علوم معرفت و اسرار

---

[۱] خزینتہ الاولیاء، ملفوظات انوار العاشقین، سفینتہ الاولیاء، افاضات یومیہ، نزہتہ الخواطر جلد رابع

ورموز کے علاوہ کیمیا وغیرہ کے علوم بھی حاصل تھے۔ اس ہی وجہ سے حاسدین کو آپ کے ساتھ بغض وعداوت زیادہ تھا اور اکبر بادشاہ کے یہاں بار بار آپ کی طرف سے شکایات پہونچائی جاتی تھیں۔ اکبر نے دومرتبہ آپ کو ہندوستان سے باہر بھیجدیا تھا۔ اول مرتبہ حرمین شریفین کی طرف روانہ کیا۔ حضرت شیخ اس سے فراغت کے بعد ہندوستان واپس تشریف لے آئے۔ تو دوبارہ ماوراالنہر کی طرف روانہ کردیا وہاں پہونچکر حاسدین پیدا ہوئے اور والی بلخ سے لوگوں نے شکایات شروع کیں اس نے بھی شیخ کے اخراج کا ارادہ کیا لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں منع فرمادیا۔ خواب کا دیکھنا تھا کہ حد درجہ معتقد ہوکر مرید بن گیا۔ آپ کو خرقہ اجازت حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری سے ہے آپ حضرت کے بھتیجے اور داماد بھی تھے آپ کے والد شاہ عبدالشکور بھی حضرت شیخ سے مجاز تھے۔ علوم اسرار وحقائق اکثر بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے ملفوظات اکثر خدام تحریر کرلیا کرتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ علوم ظاہری آپ نے پڑھا نہیں تھا بلا تحصیل ہی کمال حاصل تھا۔ نفی اثبات اور ذکر بالجہر آپ نے شب وروز کیا ہے۔ ایک مہینہ تک اس قدر سخت مجاہدہ کیا ہے کہ بعض کے قول کے موافق حجرہ کے دروازہ پر دیوار کھینچ لی تھی اور اندر ہی مہینہ بھرتک رہے۔

شیخ کی کرامت سے نماز کے وقت ملائکہ بصورت جسمیہ حاضر ہوتے تھے ان کے ساتھ امام بن کر باجماعت نماز ادا فرماتے تھے۔ حضرت شیخ سے چھ ماہ کی اجازت لی تھی کہ یا مطلوب حاصل ہوگا یا اگر مقدر میں نہیں وہیں مرجاؤں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ اسم ذات ایک سانس میں نوے مرتبہ سے ابتدا کرکے روزانہ حسب تحمل

ترقی کرتے رہو چنانچہ ایک سانس میں تین سو اور بعض کے نزدیک چار سو تک کے آپ عادی ہو گئے تھے۔ ابھی ایک ہی مہینہ گذرا تھا کہ تجلیات خاصہ کا ظہور ہوا۔ زیادہ تخلیہ کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس لئے حضرت شیخ نے منع فرما دیا۔ اور ارشاد و تلقین خلق اللہ کا امر فرمایا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین نے اپنے تمام خلفاء مریدین کو اپنی حیات ہی میں حضرت شیخ نظام الدین کے حوالہ فرما دیا تھا۔ حضرت شیخ نے ان کی تعلیم و تلقین فرمائی اور ہندوستان میں اپنی نیابت کے لئے شیخ ابوسعید گنگوہیؒ کی تکمیل فرمائی۔ جس شخص پر نظر فرماتے تھے ایک ہی وہلہ میں صاحب شہود ہو جاتا تھا اسی وجہ سے بعض لوگوں نے ولی تراش نام رکھ لیا تھا

آپ صاحب اولاد تھے۔ سب سے بڑے صاحبزادہ شیخ محمد سعید بلخ سے پھر دوبارہ ہندوستان آئے اور اپنے وطن مالوف قصبہ تھانیسر میں قیام اختیار فرمایا۔ ان کے چھوٹے بھائی شیخ عبدالحق کرنال میں مقیم ہوئے اور باقی صاحبزادگان بلخ ہی میں مقیم رہے۔

تصانیف

حضرت شیخ صاحب تصانیف بھی تھے شرح سوانح غزالی لمعات کی دو شرحیں مکی و مدنی، ریاض قدسی، تفسیر نظامی، رسالہ حقیقت رسالہ بلخیہ، وغیرہ آپ کی تصانیف سے ہیں۔

وفات

حضرت شیخ کی وفات آٹھ رجب ۱۰۲۴ھ یا ۳۵ یا ۱۰۳۶ھ میں ہے اور مزار بلخ میں ہے۔ آپ کے مشاہیر خلفاء میں صاحبزادہ شیخ عبدالکریم اور سید علی غواص جو بلخ میں قائم مقام ہوئے اور حضرت شاہ ابوسعید جنہوں نے گنگوہ میں نیابت فرمائی اور شیخ اللہ داد قاضی سالم ہیں" لہ (حاشیہ صفحہ ۲۱۶ پر دیکھئے)

(۳۲) شاہ ابوسعید نعمانی النوشیروانی گنگوہی قدس سرہٗ

آپ نسباً نعمانی ہیں۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تک آپ کا سلسلہ نسب پہنچتا ہے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی شیخ نور تھا، آپ کی والدہ حضرت شیخ جلال تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھیں۔ اولاً کچھ دنوں سپہ گری میں آپ نے ملازمت کر لی تھی۔ لیکن ابتدا ہی سے غلبہ عشق الٰہی حاصل تھا کچھ دنوں اخفار کرتے رہے اس کے بعد حضرت شیخ جلال الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے چونکہ حضرت شیخ اپنے ضعف و پیری کی وجہ سے اپنے خدام وغیرہ کو حضرت شیخ نظام الدین کے حوالہ فرما چکے تھے اس لئے شیخ ابوسعید کو بھی شیخ نظام الدین کے حوالہ فرمادیا لیکن حضرت شیخ چونکہ بلخ تشریف لے گئے تھے اس لئے آپ تنہا صدمہ مفارقت سے بےحد رنجیدہ رہتے تھے اور طول مفارقت کے رنج میں اشتغال وغیرہ بھی سب چھوٹ گئے۔

بلخ کے لئے روانگی اتفاقاً ایک مرتبہ اپنے جدامجد حضرت شاہ عبدالقدوسؒ کے روضۂ مبارک پر حاضر تھے۔ کہ شیخ کی خدمت میں بلخ حاضری کی ترغیبی ندا سنی اور اسی طرح تین دن تک سنتے رہے۔ بالآخر حضرت شیخ المشائخ قدس سرہٗ کی امداد و اعانت سے پاپیادہ (پیدل)، بلخ حاضر ہوئے وہاں شیخ پران کی حاضری وغیرہ منکشف ہو چکی تھی اور اپنے دادا پیر شیخ عبدالقدوس قدس سرہٗ کی طرف سے بعض ہدایات بھی آپ کے متعلق منکشف ہو چکی تھیں اس لئے

---

[1] خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، تعلیم الدین،

وہ امتثالاللامر استقبال کے لئے تشریف لے گئے کہ سلطان بلخ بھی ہمراہ تھے اس لئے کہ وہ خود شیخ کے معتقد تھے جیسا کہ تحریر کیا جا چکا۔

واپسی پر احترام و اکرام کیا اور اس پر متنبہ فرمایا کہ وہ ندا اور یہ سب امداد تمہارے جدامجد کی تھی، شیخ نے حسب ہدایت کشف تین دن تک خوب خاطریں کیں اور حق ضیافت ادا فرمایا۔

جب کئی دن ہو گئے تو شاہ ابوسعید نے عرض کیا کہ حضرت میں گنگوہ سے بلخ تک پیادہ چل کر دعوتوں کے لئے نہیں آیا۔ فرمایا صاحبزادے پھر جو خاص مطلب ہو وہ بیان فرمایئے۔ کہا میں تو وہ دولت لینے آیا ہوں جو آپ میرے گھر سے لائے ہیں بس یہ سنتے ہی شیخ کا رنگ بدل گیا اور فرمایا صاحبزادے اگر وہ دولت لینا چاہتے ہو تو پھر یہ شان وشوکت رخصت کرو اور آج سے حمام کی خدمت تمہارے سپرد ہے۔ جا کر حمام جھونکو اور نقیب خانقاہ سے فرمایا کہ ان کو لنگر کی روٹی صبح، شام دیدیا کرو اور فرمایا کہ جب تک ہم اجازت نہ دیں اس وقت تک ہمارے سامنے نہ آؤ، نہ ذکر بتلایا نہ شغل بس نماز روزہ کرتے اور حمام جھونکتے رہے۔ اسی حالت میں ایک عرصہ گذر گیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے بھنگن سے فرمایا کہ آج کوڑا ابوسعید کے سر پر ڈال دینا، بھنگن نے ایسا ہی کیا تو شاہ ابوسعید نے غصہ سے فرمایا کہ نہ ہوا گنگوہ جو آج تجھے حقیقت معلوم ہو جاتی۔ بھنگن نے عرض کر دیا کہ ابوسعید نے یہ کہا تھا۔ فرمایا ارے ابھی تو خناس دماغ میں گھسا ہوا ہے۔ گنگوہ کی بوئے ریاست نہیں نکلی۔ ابھی اور حمام جھونکیں چنانچہ اور عرصہ گذر گیا۔ پھر دوبارہ بھنگن کو وہی حکم دیا۔ چنانچہ اس نے پھر ایسا ہی کیا۔ اس دفعہ شاہ ابوسعید نے زبان سے کچھ نہیں کہا

مگر تیز نظروں سے گھور کر دیکھا۔ شیخ نے یہ حال سُنکر فرمایا کہ ابھی تو کسر باقی ہے چنانچہ ایک عرصہ تک اور یہی خدمت جاری رہی اس کے بعد پھر وہی حکم ہوا بھنگن نے پھر ایسا ہی کیا کہ سارا کوڑا کرکٹ شاہ ابو سعید کے سر پر ڈالدیا۔ اس وقت شاہ ابو سعید کا نفس بالکل مل دَل گیا تھا۔ کوڑا جو گر گیا تھا وہ اپنے اوپر ڈالنے لگے۔ بھنگن نے جاکر شیخ سے یہ حال عرض کیا تو فرمایا الحمد للہ اول قدم تو طے ہوا۔ واقعی یہ تکبر ہی راستہ میں حائل ہوتا ہے یہ نکل جائے تو پھر بہت جلد طریق طے ہو جاتا ہے۔

اس ریاضت کے بعد شاہ ابو سعید کو اتنی اجازت ملی کہ شیخ کی مجلس میں آجایا کریں اور باتیں سُنا کریں۔ پھر کچھ عرصہ بعد ذکر تعلیم کیا گیا۔ ذکر شروع کرنے کے بعد کچھ حالات وکیفیات طاری ہوئیں تو شیخ کو معلوم ہوا کہ ابو سعید میں عجب پیدا ہو گیا۔ تو فوراً سب ذکر وشغل چھڑا دیئے۔ اور کتوں کی خدمت سپرد کی وہ شکاری کتے تھے۔ ایک دن شاہ ابو سعید ان کو جنگل لے گئے۔ راستہ میں کوئی شکار نظر آیا۔ جس کو دیکھ کر کتے اس کے پیچھے دوڑے، شاہ ابو سعید بھی کچھ دور تک زنجیر کو تھامے ہوئے اُن کے ساتھ دوڑتے رہے۔ آخر کہاں تک دوڑتے تھک گئے اور شکاری کتے مضبوط اور قوی اُن کے قابو سے باہر ہو گئے ان کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو میرے ہاتھ سے زنجیر چھوٹ جائے اور کتے بھاگ جائیں تو شیخ ناراض ہوں گے۔ آپ نے زنجیر کو اپنی کمر سے باندھ لیا اور کچھ دیر تک اسی طرح دوڑے آخر کار تھک کر گر گئے۔ اب یہ حال ہے کہ کتے بھاگے جا رہے ہیں اور یہ ساتھ ساتھ گھسٹتے ہوئے جا رہے ہیں، کہیں ڈھیلوں میں سر لگتا ہے کہیں کانٹوں سے بدن زخمی ہوتا ہے۔ اسی حالت میں ان پر غیبی فضل ہوا کہ ایک تجلیٔ خاص ان کے

اوپر ہوئی جس کی لذت نے تمام تکلیف کو بھلا دیا ادھر حضرت شیخ کو یہ حالت منکشف ہوئی اور انھوں نے خدام سے فرمایا کہ اس وقت ابوسعید پر فضل ہوگیا۔ اور ایک خاص تجلی سے حق تعالیٰ نے ان کو مشرف فرمایا۔ جاؤ جنگل سے انھیں اٹھالاؤ۔ خدام تو ادھر دوڑے اور ادھر سلطان نظام الدین اولیاء پر شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالقدوس کی روحانیت منکشف ہوئی اور فرمایا نظام الدینؒ تم کو اس سے زیادہ مشقت لینے کا بھی حق تھا مگر ہم نے تو تم سے اتنی مشقت نہیں لی تھی۔ یہ ایک محبت آمیز عتاب تھا جس سے سلطان نظام الدین کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ چنانچہ اب جو شاہ ابوسعید سامنے آئے ہیں تو سلطان جی نے ان کو محبت سے سینہ سے لگایا۔ اور پھر ذکر و شغل میں لگا دیا۔ اور خاطر مدارات ہونے لگی۔

شاہ ابوسعید کو اس روز کی تجلی کا بہت اشتیاق تھا کہ وہی تجلی پھر ہو روزانہ ذکر کر کے اس کے مشتاق رہتے۔ جب کئی روز تک نہ ہوئی تو ایک دن حبس دم کر کے بیٹھ گئے اور پختہ ارادہ کر لیا کہ جب تک وہ تجلی نہ ہوگی سانس نہ چھوڑوں گا چاہے دم نکل جائے کیونکہ ایسی زندگی سے مر جانا ہی اچھا ہے۔ چنانچہ کئی گھنٹہ تک سانس روکے بیٹھے رہے بالآخر وہ تجلی ہوئی اور اس کی مسرت میں سانس اس زور سے چھوٹا کہ پسلی پر ضرب پہنچی اور ٹوٹ گئی۔ اسی وقت غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جس میں چمچہ کے اندر کوئی دوا تھی وہ ان کے منہ میں لگادی گئی اس کے کھاتے ہی پسلی فوراً جڑ گئی۔ اور اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ چوزہ کا شوربا چند روز تک پیا انھوں نے یہ حالت دور ہو جانے کے بعد شیخ سے یہ قصہ عرض کیا۔ شیخ نے فوراً چوزہ کا انتظام کر دیا اور کئی روز تک چوزے کھلائے گئے۔

بالآخر شیخ نے تکمیل کے بعد اپنا نائب بنا کر گنگوہ واپس کیا۔ آپ واپسی کے بعد گمنامی میں ایک عرصہ تک رہے۔ لیکن شیخ محمد صادقؒ کی بیعت کے بعد سے آپ کی طرف رجوعات زیادہ ہوگئیں۔

وفات ۲ ربیع الاول یا ربیع الثانی ۱۰۲۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اور گنگوہ میں مزار ہے آپ کے مشاہیر خلفاء یہ حضرات ہیں۔ شیخ محمد صادق گنگوہیؒ شیخ ابراہیم رامپوری، شیخ خواجہ محب اللہ الہ آبادی (جن کا ذکر ہمارے شجرہ میں ہے) شیخ ابراہیم سہارنپوری، شیخ خواجہ پانی پتی رحمہم اللہ اجمعین[1]"

(۳۳) مولانا الشیخ خواجہ محبؒ اللہ الہ آبادی

آپ کا وطن اصلی صدرپور تھا۔ علوم ظاہریہ کی تکمیل کے بعد جب علوم حقیقت کے مشتاق ہوئے تو دہلی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر حاضر ہو کر مراقب ہوئے، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ سلسلہ صابریہ میں آج کل شیخ ابوسعید گنگوہیؒ کے یہاں بازار تکمیل گرم ہے وہاں جاؤ اس بنا پر گنگوہ حاضر ہوئے اور بیعت ہوئے

مقصود کی تکمیل آپ حضرت شیخؒ کے ممتاز خلفاء میں ہیں۔ بیعت کو چند ہی روز گذرے تھے کہ حضرت شیخ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ محب اللہ آؤ تمہیں مقصود تک پہنچاؤں یہ فرمایا اور فوراً تکمیل فرمادی۔ بعض خدام نے جو ایک زمانہ سے پڑے ہوئے تھے عرض کیا کہ حضرت یہ خدام ایک عرصہ سے پڑے ہوئے

---

[1] ملفوظات انوار العاشقین، تعلیم الدین البدائع۔

ہیں ان کی طرف حضرت نے التفات نہیں فرمایا یہ نووارد جن کی حاضری کو کچھ بھی زمانہ نہیں ہوا آپ نے اُن کی تکمیل فرمادی۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ اس کے بعد ان کو نصیحت فرمائی کہ ہر شخص کا یکساں حال نہیں ہوتا۔ بعض لوگ محتاج بڑے مجاہدوں کے ہوتے ہیں اور بعض کو تھوڑی سی مشقت میں تجلیات حاصل ہو جاتی ہیں۔ اجازت پر خود مولانا کو یہ خیال ہوا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوا ہوں لیکن اجازت کے ساتھ وہ توجہ حضرت شیخ کی ہوئی کہ خود مولانا نے فوراً عرض کیا کہ حضرت اس سے زائد کا مجھ میں تحمل نہیں۔ بس کیجئے، بس کیجئے۔

خلافت کے سات طریق

کہا جاتا ہے کہ خلافت کے طرق[۱] سبعہ یعنی اصالہ، اجازۃ، اجماعاً، وارثاً، حکماً، تکلفاً، اویسیہ میں سے اس آخیر طریقہ سے حضرت مولانا کو خلافت عطا ہوئی۔ اجازت کے بعد آپ دہلی اور اس کے بعد اپنے اصلی مکان صدرپور تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں کچھ دنوں قیام کے بعد آپ نے اپنے لئے الہ آباد کا قیام پسند فرمایا۔ وہاں حضرت سے عام فیض خلق اللہ کو ہوا آپ کے سلسلہ میں علماء زیادہ تر داخل ہوئے ہیں۔

---

[۱] اصالہ بامر الٰہی شخصے را خلیفہ کند و کمی خلافت الٰہی، اجازہ برضا و رغبت خود کند و ایں متداول است و لیسمی رضائی، و اجماعاً قوم بعد فوات شیخ وارثی یا مریدی را خلافت دہند و لیسمی ترائی ولا المعتبر عند المشائخ وارثاً آنکہ شیخ بمرد و وارثی کہ قابل ایں ادنہ بود بگذاشت ولا یعتبر الا بان یا مرہ فی الباطن وحکماً بامر الحاکم کہ کسی را قائم مقام شیخ کند و بآیۃ اطیعو اللہ الآیۃ معتبر است، تکلفاً بہ سفارش جماعت باشد و اویسیہ آنکہ تربیت بروح غیر باشد۔ ۱۲"

الہ آباد میں بیس۲۰ سال فیض رسانی کے بعد نو۹ رجب ۱۰۵۷ھ یا ۱۰۵۸ھ بروز پنجشنبہ غروب آفتاب کے وقت یہ آفتاب ہدایت بھی غروب ہوا۔ اور الہ آباد ہی میں مزار ہے[1]

(۳۴) مولانا الشیخ سید محمدی اکبر آبادی

چودہ۱۴ شوال ۱۰۲۱ھ میں آپ کی پیدائش ہے، آپ کی تاریخ کسی نے لکھی ہے

قطعہ

در جہاں آفتاب پیدا شد — ذرہا در ہواش شیدا شد
سال تاریخ جلوہ اش بوجود — قدوۃ الکاملین ہویدا شد

آپ نسباً سید تھے آپ کا ابتدائی زمانہ آزادی کے ساتھ گزرا ہے۔ آپ کے والد شیخ عیسیٰ ہرگامی اکثر تنبیہ فرماتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ نہایت زیادہ تنبیہ فرمائی تو کچھ ایسی کارگر ہوئی کہ اسی وقت سے علوم کا شوق پیدا ہوا اور علوم ظاہریہ کی تکمیل کے بعد علوم باطنیہ کا شوق ہوا اور خواجہ محب اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیل معارف شروع کی، چودہ۱۴ سال شیخ کی خدمت میں رہے اور ہر طرح کی خدمت انجام دی۔ حضرت شیخ کے آپ کے بارے میں نہایت مبارک کلمات بشارات کے ہیں جو ایک مرید کے لئے نہایت خوش قسمتی ہے۔ اس دوران میں صرف ایک مرتبہ والد صاحب کی زیارت کے لئے اپنے وطن ہرگام ضلع سیتا پور تشریف لے گئے۔

---

[1] انوار العاشقین، تعلیم الدین، وغیرہ۔

آپ سیاحت کے شوقین تھے اکثر سفر کرتے تھے۔ اکبر آباد کے بعد اہل امروہہ کی درخواست و اصرار پر کچھ دنوں وہاں قیام کیا اس کے بعد کچھ دن اکبر آباد اور کچھ دن امروہہ قیام فرماتے کا معمول بن گیا تھا اور آخیر میں امروہہ ہی کو وطن بنالیا تھا۔ اہل کمال کے لئے حاسدین اکثر پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔ عالمگیر کے دربار میں حاسدین نے کچھ شکایات مولانا کی پہنچائیں اور ان کو وقیع اور خطرناک ثابت کیا۔ عالمگیر نے زیارت حرمین کا حکم فرمادیا۔ ۱۰۹۰ھ میں آپ وہاں تشریف لے گئے اور پانچ سال بعد ۱۰۹۵ھ میں واپسی ہوئی۔ اس سفر میں اہلیہ محترمہ بھی ہمراہ تھیں اسی سفر میں شاہ محمد مکی اور شاہ محمد مدنی پیدا ہوئے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ لیکن اس سے فراغت کے بعد جب واپسی ہوگئی تو پھر حاسدین کو تاب نہ ہوئی۔ اور دوبارہ ایسی ہی خطرناک خبریں پہونچائیں کہ عالمگیر نے آپ کو اورنگ آباد کے قید خانہ میں محبوس کیا اور اسی حبس کی حالت میں تین رجب ۱۱۰۱ھ کو آپ نے اس دارالمحن کو الوداع کہا۔ آپ کا تابوت اکبرآباد (آگرہ) پہونچایا گیا اور وہیں محلہ موتی کٹڑہ میں مزار ہے۔ ع: "قطب زمان رفت سوئے لامکان" یہی مصرعہ تاریخ وفات ہے۔" لہ

(۳۵) شاہ محمد مکی جعفری

آپ نسباً سید اور اپنے مرشد شاہ محمدی کے صاحبزادہ ہیں۔ آپ کی پیدائش

لہ انوار العاشقین، تعلیم الدین۔

چونکہ مکہ میں ہوئی اس لئے محمد مکی کے نام سے مشہور رہیں۔ شجرات میں شاہ عضدالدین اور شاہ محمدی کے درمیان آپ کا واسطہ ملتا ہے۔ لیکن مقاصد الصادقین جو خود شاہ عضدالدین ہی کی تصنیف ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایں بندہ جرعہ نوش جام آں ساقی خاص وعام پیر مرشد حقیقی شیخ محمدی است۔ ایسے ہی اور بھی کتب تواریخ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ شاہ عضدالدین کو بلا واسطہ شاہ محمدی سے اجازت حاصل ہے جیسا کہ تعلیم الدین میں بھی حضرت تھانوی نے لکھا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

اس مقام میں ہمارے خاندان کے شجروں میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض میں شیخ محمد حامد شاہ اور عضدالدین کے درمیان محمد مکی بھی مندرج ہے اور بعض میں صرف شاہ حامد کا نام ہے اور تاریخ سے ثبوت ملتا ہے کہ شاہ عضدالدین کو خلافت شاہ محمد سے بلا واسطہ حاصل ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں ہے۔ کیونکہ لازم پکڑی ہوئی ترتیب فوت ہوجاتی ہے مقصود کی تحقیق نخبۃ التواریخ امروہہ سے نکالی ہے کہ شاہ محمدی اور شاہ محمد حامد دونوں بھائی ہیں۔ شاہ محمد حامد کو ارادت اور خلافت اپنے بھائی سے حاصل ہے اور شاہ محمدی کے حرمین شریفین میں دو لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ شاہ محمد مکی جن کا ذکر اس خانہ میں مقصود ہے، اور دوسرے روشن محمد مدنی دونوں نے ارادت اور خلافت اپنے باپ سے حاصل کی اور شاہ حامد سے ایک لڑکا عضدالدین پیدا ہوا۔ جن کا ذکر ابھی اس کے بعد کے خانہ میں آرہا ہے۔ انھوں نے بھی خلافت اپنے چچا شاہ محمدی سے حاصل کی اور اپنے باپ سے بھی فیوض حاصل کئے۔ شاہ محمدی اور شاہ

عضد الدین کے درمیان فصل کے نہ ہونے کی توجیہ ظاہر ہے اور وہ خلافت کا بلاواسطہ حاصل ہوتا ہے اور فصل کی توجیہ یہ ہے کہ شاہ حامد سے فیض پہنچا شاہ عضد الدین کو اور اُن کو چھوٹے بھائی شاہ سے حاصل توجیہ یہ ہے کہ ان کا فیض حاصل کرنا ہے اپنے باپ شاہ محمدی سے جن کا ذکر منقول ہوا۔ اور شاہ عضد الدین نے فائدہ حاصل کیا ہے۔ اپنے بھائی اور اپنے چچا شاہ محمد مکی سے جیساکہ خیال کیا گیا ہے۔ لہٰذا روایات اور شجرات سب موافق اور مطابق ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

اس لئے احتمالاً یہ توجیہ ممکن ہے کہ شاہ عضد الدین کو اجازت بلاواسطہ حاصل ہے۔ لیکن تکمیل فیوضات کچھ اپنے چچا زاد بھائی شیخ محمد مکی سے بھی ہوئی ہو آپ کے دوسرے بھائی مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اُن کا نام روشن محمد مدنی ہے۔ آپ کا اسم گرامی بعض جگہ سعد محمد مکی بھی نظر پڑا ہے۔ آپ کی تاریخ وسن وفات عامہ کتب تاریخ میں نہیں ملتا البتہ بعض شجرات میں گیارہ رجب لکھی ہے مزار بھی شجرات میں امروہہ لکھا ہے۔" [1]

(۳۶) شاہ عضد الدینؒ

ابن شیخ حامد بن شیخ عیسٰی ہرگامی۔ آپ کا جدی وطن ہرگام ہے۔ لیکن آپ کے والد حضرت شاہ محمد حامد ۱۰۳۷ھ میں امروہہ آگئے تھے اور یہیں عقد کر کے مستقل قیام فرمالیا تھا اور یہیں پر شاہ عضد الدین چوبیس ۲۴ رجب ۱۰۴۸ھ

---

[1] تذکرہ۔ تعلیم الدین"

میں پیدا ہوئے اس لئے امروہی مشہور ہیں۔

آپ حسب تحریر خود اپنے مرشد شیخ محمدی کے حقیقی بھتیجے ہیں۔ آپ کا وطن امروہہ ہے۔ آپ کو علوم ظاہریہ اور فنون عربیہ میں کمال درجہ حاصل تھا۔ اتقاوزہد وغیرہ کے اول ہی سے عادی تھے۔ حکام کے اصرار کے باوجود وظیفہ قبول نہیں فرمایا۔ ایک جوگی کا قصہ مشہور ہے کہ وہ آپ کے محاسن اور کمالات دیکھ کر آپ پر فریفتہ ہو گیا اور کیمیا آپ کے سامنے بنا کر آپ کی خدمت میں پیش کی۔ پہلے تو آپ نے اس کے قبول کرنے سے انکار فرمایا بعد میں اس کے شدید اصرار پر قبول کر لیا اور اس بیل کو جس میں وہ رکھی ہوئی تھی خانقاہ کے ایک طاق میں رکھوا دیا۔ کئی سال بعد وہ جوگی دوبارہ آیا تو دیکھا کہ وہ اسی طرح طاق میں رکھی ہے اور بہت سا گرد وغبار اس پر پڑا ہے اس نے عرض کیا کہ حضرت اس کو کام میں نہیں لایا گیا۔ فرمایا کہ ضرورت ہی پیش نہ آئی اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے پاس اس سے بھی بڑھ کر اکسیر موجود ہے۔ اس کے دریافت کرنے پر فرمایا وہ قناعت ہے۔

نسباً سید تھے آپ کا مشہور اسم گرامی سید عماد الدین ہے۔ مگر بعض لوگوں نے تحقیق کیا کہ آپ کا اصل نام عضدالدین ہے اس لئے اب وہی مشہور ہو گیا۔

عربی، فارسی کی تکمیل کے بعد آپ کو سنسکرت سیکھنے کا خیال پیدا ہوا اور باوجودیکہ اس زبان کو ہر شخص بالخصوص مسلمانوں کو سکھانے میں شدید بخل سے کام لیا جاتا تھا مگر پھر بھی بڑی مشکلات سے مختلف پنڈتوں سے اس کو سیکھا، اجودھیا اور بنارس وغیرہ کے اسفار اس کے لئے اختیار کئے اور انہیں

مہارت حاصل کر کے ایک رسالہ سنسکرت زبان میں تالیف فرمایا۔

آپ کو تعبیر رویا میں بھی کمال حاصل تھا۔ کشوف بھی آپ کو اکثر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے علم تعبیر رویا آپ سے حاصل کرنے کی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ علم کا سیکھنا مشکل ہے اس لئے کہ ہر نوع کا احاطہ دشوار ہے کشف کا واقعات سے تعلق ہے۔ اس کے بعد یہ خود حاصل ہوجاتا ہے۔ مقاصد العارفین آپ کی تصنیفہ ہے جو علم عقائد وسلوک میں بہترین رسالہ ہے اس کتاب کی تالیف ۱۱۲۴ھ میں مکمل ہوئی۔ لیکن یہ رسالہ طبع نہیں ہوسکا۔

ستائیس ۲۷ رجب ۱۱۷۰ھ یا ۱۱۷۱ھ میں تقریباً سو ۱۰۰ سال کی عمر میں آپکا وصال ہوا۔ امروہہ میں جامع مسجد کے قریب مزار ہے [1]

(۳۷) شیخ عبد الہادی رحمۃ اللہ علیہ

ابن الشیخ محمد حافظ نسباً شیخ صدیقی ہیں اور مسلکا شاہ عضد الدین کے خلفاء میں ہیں۔ امروہہ محلہ قریشیان میں چودہ ۱۴ رجب ۱۰۸۰ھ چہار شنبہ کو پیدا ہوئے۔ آپ کی چار ۴ سال کی عمر تھی کہ کسی تقریب میں آپ کے گھر شاہ محمدی تشریف فرما ہوئے وہاں نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو ضعف بصارت کی وجہ سے قبلہ کا رُخ صحیح نہیں معلوم کرسکے کسی قدر دوسری جانب رُخ ہوگیا آپ نے

---

[1] انوار العاشقین، تعلیم الدین، رسالہ دار العلوم دیوبند بابتہ جمادی الاول ۱۳۷۲ھ تذکرۃ الکرام؁

اپنی چار سالہ عمر میں شیخ کو قبلہ رُخ کیا۔ حضرت نے نماز سے فارغ ہو کر آپ کی والدہ کو بشارت دی کہ یہ لڑکا کسی وقت میں مقتدائے قوم ہوگا اور ایک قوم کی دستگیری[1] کرے گا۔ دادا پیر کے یہ الفاظ کچھ ایسے قبولیت سے وابستہ تھے کہ اسی وقت سے اس کے اثرات آپ میں ظاہر ہونے لگے۔

تعلیم و تربیت

آپ کے والد نے تھوڑے دنوں میں مکتب میں بٹھا دیا۔ وہاں ابتدائی فارسی، مفرح القلوب اور گلستاں کے دو باب تک پڑھی تھی ایک دن اتفاق سے حافظ جی کسی کام کو گئے تھے کہ ایک سائل پہنچا۔ سب بچے اس سے خائف ہو گئے اس نے اپنے منہ سے کوئی چیز چبا کر آپ کو کھلائی آپ نے خوف کی وجہ سے اس کو کھا لیا اس کا گلے سے اُترنا تھا کہ ایک وحشت طبیعت پر چھا گئی۔ آدمیوں سے نفرت آبادی سے گھبراہٹ ہو گئی جنگل کو نکل گئے۔ اور اسی طرح صحرا نوردی میں رہا کرتے۔ امروہہ کے نواح میں تیم شاہ نام کے ایک مجذوب رہتے تھے۔ اتفاقاً ان سے ملاقات ہوئی۔ اُنھوں نے کہا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہیں ساتھ رکھوں چنانچہ ایک مدت ان کے پاس رہے اس کے بعد اُنھوں نے کہا کہ میرا سلسلہ پانچ واسطوں سے شیخ نظام الدین بلخی تک پہنچتا ہے اس لئے تم شاہ عضد الدین سے بیعت ہو کر کمالات حاصل کرو۔ ان کی

---

[1] کہتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے شجرہ میں یہ شعر کہ:۔

بعبد الہادی ہادی پیراں   امیر دستگیر و دستگیراں

اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

ہدایت کے موافق آپ امروہہ جاکر حضرت شیخ سے بیعت ہوئے۔ ایک مرتبہ آدھی رات کے قریب شیخ کے پاؤں دبارہے تھے۔ اسی حالت میں عرض کیا کہ حضرت دُعا فرمادیں کہ جاؤ ئیہ رحمت مجھے قید خودی سے نجات دیدے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ علائق تو لگار کھے ہیں اور ہم جیسے بننے کی حرص کرتے ہو۔ عرض کیا کہ حضرت میری تو تمنا یہ ہے کہ حضرت کی گلی کے کتوں جیسا ہی بن جاؤں۔ یہ الفاظ حضرت کو پسند آگئے۔ اور کچھ دنوں بعد اجازت وخلافت سے سرفراز ہوکر حضرت شیخ کی نیابت فرمائی۔ آپ صاحب کشف تھے۔ لوگوں کے خطرات پر اکثر مطلع ہوتے تھے اور فوراً جواب دیا کرتے تھے۔

تنہائی پسند ہونے کی وجہ سے زیادہ تر صحرا میں رہتے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ آبادی میں رہ کر خلق اللہ کو نفع پہنچاؤ۔ اس حکم کی تعمیل میں آبادی میں تشریف لائے اور موضع براہی میں رہنا شروع کیا۔ گاہ بگاہ دوسرے مقامات پر بھی تشریف لے جاتے رہے جس کی وجہ سے امروہہ کا قیام بہت کم ہوگیا تھا۔ خدام اور مُریدین کی نہایت کثرت تھی ان کے اصرار سے مختلف مواقع پر تشریف لے جاتے اور کثرت سے لوگ بیعت ہوتے اور استفادہ کرتے۔ آخیر میں قاضی شیخ الاسلام وغیرہ اکابر شہر بریلی کے اصرار پر بریلی تشریف لائے اور موضع کھائی کھیڑہ (متصل بریلی) قیام فرمایا۔ اسی عرصہ میں طبیعت ناساز ہوگئی اور مورخہ چار رمضان المبارک سنہ ۱۰۹۱ھ بروز جمعہ کو انتقال فرمایا۔ تدفین بریلی میں عمل میں آئی۔ لیکن بعد رمضان آپ کی نعشِ مبارک کو لوگوں نے وہاں سے امروہہ منتقل کردیا اور اب امروہہ میں شیخ ظہور اللہ صدیقی کے باغ میں مزار

ہے [1]

(۳۸) شاہ عبدالباری صدیقیؒ

ابن شیخ ظہور اللہ، اپنے جد بزرگوار حضرت شاہ عبدالہادی سے مجاز ہیں۔ یہ دو بھائی تھے چونکہ حضرت شیخ نازک مزاج تھے اور دوسرے بھائی متحمل المزاج تھے۔ اس لئے حضرت شیخ شاہ عبدالباریؒ سے مجاہدات کم کرایا کرتے تھے اور دوسرے بھائی سے زیادہ مجاہدہ کرلتے تھے بارہ ۱۲ سال کی عمر سے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت شیخ آپ کو لباس بھی عمدہ پہننے کو ارشاد فرماتے تھے لیکن آپ کا ظاہر گو فقراء کا سا نہیں ہوتا تھا لیکن قلب عشق حقیقی سے ہر وقت لبریز رہتا تھا۔ ہمیشہ روزے رکھا کرتے تھے۔ حضرت شیخ کے وصال کے بعد آپ کی نیابت فرمائی اور تشنگان سلسلہ چشتیہ کو سیراب فرمایا۔ درود کے وقت اکثر ہنسی کا غلبہ ہو جاتا۔

وصال اٹھائیس ۲۸ محرم یا گیارہ ۱۱ شعبان ۱۲۲۶ھ بروز جمعہ آپ کا وصال ہوا۔ اپنی دادی کے مزار کے قریب ہی مزار ہے۔ ایک صاحبزادہ شیخ رحمان بخش نسبی سلسلہ میں اور سات خلفاء شاہ عبدالرحیم، سید حاتم علی، شاہ حاجی خیرالدین، حافظ کلن شاہ، شیخ محمد منیر، شیخ امین اللہ، حافظ عبدالکریم، روحانی سلسلہ میں چھوڑے۔

---

[1] انوار العاشقین، تعلیم الدین"

(۳۹) حضرت الشیخ الحاج عبدالرحیمؒ

آپ سادات افغانستان سے ہیں، طلب معرفت ہی میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اوّل سلسلہ قادریہ میں شاہ رحم علی صاحب ساڈھوروی سے (جن کا مزار پنجلاسہ میں ہے) نسبت و کمالات حاصل کئے۔ اس کے بعد سلسلہ چشتیہ میں حضرت شاہ عبدالباریؒ کے دربار میں تکمیل نسبت فرمائی۔ حضرت کے وصال کے بعد حضرت غازی فی اللہ مولانا سید احمد صاحب شہید مجدد ساکن رائے بریلی کے دست مُبارک پر بیعت جہاد فرمائی۔ گاہ بگاہ حضرت سیّد صاحب و حضرت حاجی صاحب ہر دو حضرات باہم مراقب ہوتے تو ایک کی نسبت کا اثر دوسرے پر محسوس ہوتا۔ حضرت حاجی صاحب سکر کی حالت میں اور حضرت سیّد صاحب خندہ ہوتے۔ کسی شخص نے شاہ عبدالرحیم صاحب سے دریافت کیا کہ آپ تو بڑے کمال کے آدمی ہیں اور کمال باطن میں سیّد صاحب سے گھٹے ہوئے نہیں ہیں بلکہ بڑھے ہوئے ہیں۔ پھر آپ سیّد صاحب پر اس درجہ کیوں مٹ گئے۔ کہ آپ بھی مُرید ہوئے اور اپنے مریدوں کو بھی ان سے مُرید کرادیا اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہم کو نماز پڑھنی اور روزہ رکھنا نہیں آتا تھا۔ سید صاحب کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آگئی اور روزہ رکھنا بھی آگیا۔

ستائیسؐ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ میں حضرت سید صاحب اور مولانا اسمٰعیل صاحب نوراللہ مرقدہما کے ساتھ سکھوں کے جہاد میں شہید ہوئے۔ پنجتار ملک ولایت میں آپ کا مزار بتایا جاتا ہے" [1]

---

[1] انوارالعاشقین، تعلیم الدین، ارواح ثلاثہ"

(۴۰) حضرت اقدس میانجی نور محمد صاحبؒ

آپ کی پیدائش ۱۲۰۱ھ میں اپنے وطن قصبۂ جھنجھانہ ہی میں ہے۔ والد محترم کا نام سید جمال محمد علوی تھا۔ حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب جھنجھانویؒ کی اولاد میں ہیں نسباً آپ علوی ہیں۔ حضرت میانجی صاحب کا سلسلۂ نسب نویں پشت پر شاہ عبدالرزاق سے جاملتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ سے نسبت طریقت حاصل فرمائی۔ اپنی حالت کا نہایت اخفاء فرماتے تھے۔ قصبہ لوہاری جو تھانہ بھون کے قریب ہے وہاں ایک مکتب میں لڑکوں کو قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ اتباع سنت میں کمال درجہ حاصل تھا۔ حتیٰ کہ تیس ۳۰ سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ آپ کے غایت اخفاء نے کسی پر کمال ظاہر نہیں ہونے دیا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے خواب نے حضرت کے حال کو ظاہر کر دیا۔ اس کی صورت یہ پیش آئی کہ حضرت حاجی صاحبؒ اپنے اس کمال اشتیاق واضطراب کی وجہ سے جس کی تفصیل خود اُن کے بیان میں آنے والی ہے اس قدر بے چین تھے کہ تاب نہیں رہی تھی۔

ایک خواب اسی دوران میں حضور اقدس سید الکائنات فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی لیکن اس حالت میں کہ غایت رعب سے قدم آگے نہیں بڑھتا تھا کہ حضرت کے جد امجد ملا بلاقی صاحب آئے اور حضرت کا ہاتھ پکڑ کر حضور میں پیش کر دیا۔ حضور اقدس نے حضرت کا ہاتھ شیخ المشائخ قدوۃ السالکین حضرت میانجی صاحبؒ کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اس وقت تک حضرت میانجی صاحبؒ سے کسی قسم کا تعارف نہیں تھا اس لئے خواب کے بعد سے ایک سخت

حیرت تھی کہ یہ بزرگ کون ہیں اور ان کو کہاں تلاش کروں اس لئے اضطراب و حیرت میں کئی سال گذر گئے کہ حضرت مولانا قلندر صاحبؒ جو حضرت کے استاذ بھی تھے اُنھوں نے یہ اضطراب دیکھ کر کہا کہ تم قصبہ لوہاری میں جاؤ اور حضرت میانجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو شاید تمہارا اضطراب کم ہو۔ استاذ کی اس رہنمائی کے بعد حضرت نے سواری وغیرہ کسی چیز کے انتظار میں تاخیر کو گوارا نہ فرمایا اور فوراً ہی لوہاری کا راستہ اختیار فرمایا۔ شوق و جذب اس زور سے لیجاتا تھا کہ پاؤں میں آبلے بھی پڑ گئے بالآخر آستانہ پر حاضر ہوئے اور جیسے ہی نظر اقدس روحانی باپ پر پڑی تو وہ خوابی چہرہ جس کی ایک زمانہ سے تلاش و فکر تھی ملا۔ اور ان امیدوں کے جن پر گویا مایوسی چھاگئی پورا ہونے کا دور آگیا۔ حضرت شیخ کی زیارت کرتے ہی فوراً قدموں پر گرے۔ حضرت شیخ نے فوراً قدموں سے سر اُٹھایا اور سینہ مبارک سے لگا کر فرمایا کہ تمہیں اپنے خواب پر کامل وثوق ہے۔ یہ حضرت شیخ کی پہلی کرامت تھی جس نے حضرت کے قلب کو اور بھی زیادہ مائل کر دیا۔

حضرت میانجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے پیر و مُرشد حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب ولایتی نے حضرت سید احمد شہید نور اللہ مرقدہٗ کے دست حق پرست پر بیعت جہاد فرمائی تھی اور حضرت میاں جیو رحمتہ اللہ علیہ کو بھی قاصد کے ذریعہ جھنجھانہ سے بُلوا کر حضرت سید صاحب سے بیعت کرایا۔ کہتے ہیں کہ جس وقت قاصد پیغام لے کر جھنجھانہ پہنچا ہے تو حضرت میانجی صاحب اپنی گھوڑی کا رسہ ہاتھ میں لئے ہوئے اسے پانی پلا رہے تھے۔ یہ پیغام سُنتے ہی حضرت پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور گھوڑی بھی اس کیفیت سے متاثر ہو کر لوٹ پوٹ ہونے لگی اور اس کا بُرا حال

ہو گیا۔ قاصد کا پیغام سُنکر آپ سہارنپور تشریف لے آئے اور حضرت سید صاحب کے قافلہ میں شامل ہو گئے۔ پنجاب، بالاکوٹ پہونچکر حضرت سید صاحب اور شاہ عبدالرحیم صاحب نے آپ کو وطن لوٹ جانے کا حکم فرمایا چنانچہ آپ لوہاری واپس تشریف لے آئے اور پھر مستقل لوہاری میں قیام فرمایا۔

آخری ایام اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے بیان فرمایا کہ ایک دن بعد نماز جمعہ میرے حضرت لوگوں کو وصیتیں فرمانے لگے لوگوں نے سمجھا کہ حضرت سفر آخرت کرنے والے ہیں نہایت رنج و غم کا اظہار کیا، حضرت سے عرض کیا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ ہمارے گھر میں دولت ہے جب چاہیں گے مستفیض ہو جائیں گے۔ ارشاد فرمایا کہ گھروں میں میرے بہت سے احباب تمہارے پاس موجود ہیں ان کو میرا قائم مقام سمجھو۔ حافظ محمد ضامن صاحب شہید کو تو حضرت نے مجمع عام میں اپنا خلیفہ بنایا اور ضمناً ہم لوگوں کو بھی مجاز کیا اس کے بعد حضرت بیمار ہوئے آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے وطن جھنجھانہ لے چلو جب لوہاری سے آپ کا میانہ (پالکی) تھانہ بھون پہنچا تو میانہ مسجد کے پاس ٹھہرایا میں بھی حاضر خدمت ہوا۔ حضرت نے فرمایا تم مجرد تھے اور حافظ ضامن صاحب و شیخ محمد صاحب عیالدار۔ میرا ارادہ تھا کہ تم سے مجاہدہ و مشقت لوں گا مشیت باری سے چارہ نہیں، پیام سفر آخرت آ گیا ہے۔ جب حضرت نے یہ کلمات فرمائے تو میں پالکی کی پٹی پکڑ کر رونے لگا۔ حضرت نے تسلی دی اور فرمایا کہ فقیر مرتا نہیں بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے فقیر کی قبر سے وہی فائدہ ہوگا جو ظاہری زندگی میں ہوتا تھا۔

بالآخر اٹھاونؔ سال کی عمر میں چہار رمضان المبارک ۱۲۵۹ھ کو جمعہ کے روز آپ نے انتقال فرمایا۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعتہ)

اور حسب وصیت امام ناصر الدین محمود شہید سبز واری کے احاطہ میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ جھنجھانہ میں ایک صاحب کشف آئے اور حضرت میانجیو کے مزار پر حاضر ہوئے۔ بعد میں انھوں نے کہا کہ افسوس کسی ظالم نے ان کو امام سید محمود کے پاس دفن کر دیا۔ یہ ادب کی وجہ سے اپنے انوار روکے ہوتے ہیں۔ اگر کسی ویرانے میں ہوتے تو دُنیا ان کے انوار سے جگمگا جاتی۔ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کی ہڈیاں نکال کر دوسری جگہ دفن کرتا اور پھر ان کے انوار و برکات کا مشاہدہ ہوتا۔ مزار کے سرہانے اعلیٰ حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب نے مندرجہ ذیل چند اشعار کا کتبہ نصب کرایا تھا جو اب بھی وہاں موجود ہے۔

شہر جھنجھانہ ہے اک جائے ہدیٰ — مسکن و ماوی ہے جس جا آپ کا
مولد پاک آپ کا ہے اور مزار — اس جگہ تو جان لے اے ہوشیار
متصل اس شہر کے اے نیک نام — ہے عجب دلچسپ درگاہ امام
سید محمود ہے نام شریف — ہے مکان بس عجیب و بس لطیف
پاس اس مرقد کے قبلہ رخ ہی — ہے زیارت گاہ میرے پیر کی
اس جگہ ہے مرقد پاک جناب — سر جھکاتے ہیں جہاں سب شیخ و شاب
جس کو ہوئے شوق دیدار خدا — ان کے مرقد کی زیارت کو وہ جا
یعنی پیر و مرشد و مولا مرے — حضرت نور محمد نیک سپے
اعتقاد دل سے جو جائے وہاں — اس پہ سب اسرار باطن ہوں عیاں

دیکھتے ہی اسکے مجھ کو ہے یقین   اسکو ہو دیدارِ رب العالمین

کرتے ہی زیارت مزار پاک کی

ہو دیں ظاہر اس پہ اسرار خفی

حضرت میانجی صاحب کا مزار خام ہے۔ البتہ اس کا حلقہ پختہ ہے۔ بعض لوگوں نے چاہا تھا کہ اس کو ایک ہاتھ سے بھی اونچا کر دیں مگر آپ نے کسی کو خواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ خلاف سنت ہے ایسا نہ کرو۔ ایک ہی ہاتھ اونچا رہنے دو۔

کشف و کرامات اور متفرق واقعات

(۱) حضرت میانجی نور محمد صاحبؒ کسی بات پر لوہاری کے پٹھانوں سے ناراض ہو کر جھنجھانہ تشریف لے گئے۔ حضرت کے لوہاری سے تشریف لیجانے کے بعد لوہاری کے اکثر محلوں میں آگ لگ جاتی تھی جس سے وہاں کے پٹھانوں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ آگ کا لگنا حضرت میانجیو کی خفگی کا باعث ہے، چنانچہ وہ لوگ جھنجھانہ پہنچے، حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خوشامد کے بعد آپ کو واپس لوہاری لے آئے۔ حضرت کی مراجعت کے بعد پھر کبھی آگ نہیں لگی۔ کچھ عرصہ کے بعد پٹھانوں نے آکر عرض کیا کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد آگ کیوں لگتی تھی؟ فرمایا مجھے اور تو کچھ معلوم نہیں ہاں کبھی کبھی لوہاری سے محبت کے باعث اس کا ماحول اور محلے یاد آتے تھے۔

(۲) ایک مرتبہ کسی کے کھیت میں آگ لگ گئی، کھیت والا دوڑا ہوا حضرت کے پاس آیا اور واقعہ بیان کیا آپ نے اپنی ٹوپی اُتار کر اس کو دیدی کہ جلدی سے

جاکر اُسے آگ میں ڈالدو۔ اس نے جاکر وہ ٹوپی آگ میں ڈالدی اور آگ فوراً بجھ گئی۔

(۳) ایک مرتبہ بارش کی سخت ضرورت تھی چند حضرات حضرت میانجیو کی خدمت میں لبغرض دُعا حاضر ہوئے، حضرت اس وقت گنا چوس رہے تھے، جب اُنھوں نے حضرت سے بارش نہ ہونے کی شکایت اور دعا کی درخواست کی۔ ان آنیوالوں میں سے جو صاحب حضرت سے انتہائی بے تکلف تھے آپ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم میرے چوسے ہوئے یہ چھلکے چوس لو تو انشاءاللہ بارش ہو جائیگی۔ ان صاحب کو پہلے تو گنے کے چھلکے چوسنے میں کچھ پس وپیش سی ہوئی مگر ان آنیوالے دوسرے لوگوں کے اصرار پر ان صاحب نے حضرت کے چوسے ہوئے چھلکوں کو جوں ہی چوسا فوراً ابر رحمت اُٹھا اور خوب زور شور سے بارش ہوئی۔

(۴) حضرت میانجی صاحب کے بازار تشریف لے جانے پر تمام دوکاندار تعظیماً کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور سلام کرتے۔ ایک دفعہ ایک غیر مسلم نے اس پر اعتراض کر دیا کہ تم لوگ کیوں کھڑے ہوتے ہو ہرگز مت کھڑے ہوا کرو ان دوکانداروں نے کہا اچھا آئندہ سے ہم ادب وتعظیم کے طور پر کھڑے نہ ہوا کرینگے ایک مرتبہ اتفاقاً حضرت میانجیو بازار کی طرف تشریف لے گئے وہ شخص بھی آیا ہوا تھا سب سے پہلے وہ معترض شخص ہی حضرت کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ ہی سب دوکاندار حسب قاعدہ کھڑے ہو گئے۔ حضرت کے گذر جانے کے بعد ان دوکانداروں نے پوچھا کہ تم تو اعتراض کیا کرتے تھے اور حضرت کی آمد پر سب سے پہلے تم ہی کھڑے ہو گئے وہ شخص کہنے لگا کہ میں مجبور تھا کیونکہ جس وقت

حضرت تشریف لائے تو مجھے محسوس ہوا جیسے کوئی شخص میرا کان پکڑ کر مجھ سے کہہ رہا ہے کہ کھڑے ہو جاؤ۔

(۵) ایک دن کرنال کے ایک عالم نے حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ سے عرض کیا کہ حضرت بزرگوں کے قصے سنتے ہیں کہ لوگوں نے ان کے ہاتھ پاؤں، سر، دھڑ کو الگ الگ ٹکڑے ہوئے دیکھا۔ فرمایا میرے ماموں صاحب تذکرہ کر رہے تھے کہ میں حضرت میاں صاحب کی خدمت میں ایک دن دوپہر کے وقت گیا، حجرہ شریف بند تھا مگر کواڑ اچھی طرح لگے ہوئے نہیں تھے۔ کواڑ جو کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میانصاحب کا دھڑ سارا الگ الگ ہے۔ مجھے دیکھتے ہی سب اعضا باہم مل گئے اور حضرت میانجیو اُٹھ بیٹھے اور فرمانے لگے کہ کسی سے نہ کہنا۔

(۶) ایک دفعہ حضرت کی خدمت میں ایک بڑا سادھو حاضر ہوا اور حضرت کا مہمان بنا جب جانے لگا تو بولا میاں ہماری زنبیل میں تھوڑی سی اکسیر ہے یہ لیلے تیرے پاس روپے پیسے کی کمی معلوم ہوتی ہے اپنے کام میں لے آنا۔ حضرت نے فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں اپنے پاس ہی رہنے دو۔ اس نے پھر کہا حضرت نے اس بار بھی انکار فرما دیا۔ جب اس نے تیسری بار یہی کہا تو حضرت نے ایک ڈھیلا اُٹھا کر سامنے دیوار پہ مارا اور فرمایا یہ دیکھو، سادھو نے اس طرف دیکھا تو ساری دیوار سونے کی ہو گئی تھی، یہ دیکھ کر وہ بولا تب تو میاں جی تجھے اس کی ضرورت نہیں۔

(۷) حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا مدنی کا ارشاد ہے کہ جو حالت منصورؒ پر کچھ مدت کے لئے آئی تھی جس میں وہ انا الحق کہہ اُٹھے تھے یہی کیفیت حضرت

میانجی نور محمد صاحب پر چھ ماہ تک مسلسل رہی لیکن کسی کو خبر تک نہ ہونے دی۔
برابر بچوں کی تعلیم میں مشغول رہے۔

(۸) ایک مرتبہ حضرت کے پاس کچھ لوگ آئے اور اصلاح کے طالب ہوئے۔ اس وقت حضرت بچوں کو پڑھا رہے تھے ان کو یہ فرما کر کہ "پڑھتے رہو" ان لوگوں کو ساتھ لے کر اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے اور اندر سے کواڑ لگا لیے اور توجہ دینی شروع کی۔ ایک بچہ نے جو اُن پڑھنے والوں میں سب سے بڑا تھا کواڑ کے جھروکے میں سے دیکھا کہ حضرت آنکھیں بند کر کے خدام کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھے ہیں اس نے آکر بچوں سے کہا کہ میانجی صاحب تو اس طرح کر رہے ہیں۔ یہ کہہ کر اس لڑکے نے اپنی مجلس منعقد کی اور پیر بنا اور بقیہ سب بچے آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئے۔ حضرت میانجی صاحب کو جب اطلاع ہوئی تو انھوں نے اس لڑکے کو بٹھا کر آنکھیں بند کرنے کا حکم دیا۔ لڑکے نے تعمیل ارشاد کی مگر بہت جلد گھبرا کر بیتاب ہو گیا اور چلا گیا وہ لڑکا جب اٹھارہ عمر کو پہنچا تو اس نے بتلایا کہ جب میں میانجی کے سامنے آنکھیں بند کر کے بیٹھا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میرے دل پر چنگاری رکھدی گئی جس کو میں برداشت نہ کر سکا اس کے فوراً بعد وہ چنگاری اُٹھا لی گئی مگر اب تک یہ حال ہے کہ اندھیری رات میں مکان کے اندر سردی کے زمانہ میں لحاف کے اندر منہ رکھنے کے باوجود باہر جو نیم کا درخت ہے اس کے پتوں کی حرکت تک معلوم ہوتی ہے[1]

---

[1] ۷، ۸، روایۃ حضرت مولانا الحاج مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی۔

(۹) حضرت اقدس گنگوہی یا حضرت اقدس نانوتوی نور اللہ مرقدہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نہایت خوش گلو تھے اور نعت وغیرہ پڑھا کرتے تھے کسی نے میانجی نور محمد صاحب سے عرض کیا کہ حضرت یہ شخص خوش گلو ہے اور نعت پڑھتا ہے آپ بھی سُن لیجئے فرمایا کہ لوگ مجھے کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں اور غنا بلا مزامیر میں بھی علماء کا اختلاف ہے اور اس لئے اس کا سُننا خلاف احتیاط ہے لہٰذا میں اس کے سُننے سے معذور ہوں۔ حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ اس قصہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ کس قدر ادب ہے منصب امامت کا کہ اختلاف سے بھی احتیاط کی، یہ تھے صوفی صافی کہ شریعت کا اس قدر پاس فرماتے تھے۔

(۱۰) حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے جس وقت تھانہ بھون کی پیر محمد والی مسجد میں قیام فرمایا اس وقت وہاں سہ دری نہیں تھی کچھ قبریں تھیں کچھ درخت تھے اور اس جگہ ایک بزرگ بیٹھا کرتے تھے جن کا نام حسن علی شاہ تھا صاحب سماع تھے مگر دُنیا دار نہ تھے، سچے تھے، جب حضرت یہاں تشریف لائے تو اُنھوں نے اتنا ادب کیا کہ خود اُٹھ کر شاہ ولایت صاحب میں چلے گئے۔ حالانکہ اس وقت حضرت جوان تھے اور یہ بوڑھے ان کے چلے جانے کے بعد حضرت یہاں رہنے لگے۔ حضرت میانجیو نور محمد صاحب بھی یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ یہاں ایک خاندان تھا ان کی زمین ضبط ہوگئی تھی اور وہ لوگ کوشش کر رہے تھے۔ حضرت میانجیوؒ کے پاس بھی وہ لوگ دُعا کے واسطے حاضر ہوئے۔ حضرت میانجیو صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے حاجی کو بیٹھنے کی تکلیف ہے یہاں ان کے لئے ایک سہ دری بنا دو۔ میں دُعا کروں گا۔ اُنھوں نے سہ دری بنانے کا وعدہ کر لیا وہ مقدمہ

الہ آباد میں جاکر موافق ہو گیا جس کی اطلاع ایک خاص خط کے ذریعہ سے ہوئی اُنھوں نے حضرت میانجی صاحب سے تذکرہ کیا تو حضرت نے فرمایا کہ وعدہ بھی یاد ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ حضرت پوری سہ دری بنانے کی تو قوت نہیں آدھی بنا دیں گے۔ حضرت نے فرمایا بہت اچھا آدھی ہی سہی پھر الہ آباد سے باضابطہ حکم آیا کہ "تاحیات تو معاف تمہارے بعد پھر ضبط۔ پھر اُنھوں نے حضرت سے آکر عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہیں نے تو آدھا کیا ہے میں کیا کروں۔

خلفاء و مجازین

حضرت میانجی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی شان تربیت اور سرچشمۂ فیضان و عرفان ہونے کا اندازہ صرف اسی چیز سے ہو سکتا ہے کہ آپ کے خلفاء کا عرفانی و روحانی مقام اتنا بلند تھا کہ ہر ایک اپنے وقت کا آفتاب و ماہتاب تھا اور وہ حضرات یہ ہیں۔

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید، حضرت مولانا شیخ محمد صاحب فاروقی تھانوی، حضرت شیر محمد خاں لوہاروی، حضرت سید محمد امیر جھنجھانوی، حضرت برکت علی شاہ صاحب، حضرت حافظ ضامن صاحب چوبیس ۲۴ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ ۱۸۵۷ء میں پیر کے روز ظہر کے وقت انگریزوں سے شاملی میں شہید ہوئے۔ تدفین تھانہ بھون میں ہوئی۔ مادہ تاریخ شہادت اس شعر سے نکلتا ہے ؎

حوریں سب ملکر کہہ بولیں واہ واہ　　　پیر کے دن خلد میں پیر آگئے

مولانا شیخ محمد تھانوی نے سات ۷ ربیع الثانی ۱۲۹۶ھ بروز منگل بوقت دس ۱۰ بجے دن کے انتقال فرمایا اور وہیں عیدگاہ تھانہ بھون کے قریب سپرد خاک ہوا۔

کر دیئے گئے۔ ہمارے شجرہ میں اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کا اسم سامی ہے۔ اس لئے اب انہی کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے [۱]

(۴۱) اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکیؒ

اعلیٰ حضرت فخر مشائخ شیخ العرب والعجم منبع الفیوض والحکم، مخزن الحقائق مجمع الدقائق حضرت حاجی صاحبؒ کا اصل اسم گرامی جو آپ کے والد ماجد نے رکھا تھا وہ امداد حسین تھا اور تاریخی نام ظفر احمد (۱۲۳۳) رکھا گیا تھا، لیکن مسند وقت شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحبؒ نے اپنی کرامت و فراست سے ہونہار لاڈلے کو خلقت کے لئے امداد الٰہی تجویز کر لیا تھا۔ اس لئے اسم بامسمیٰ ہونے کی مناسبت سے امداد اللہ کے ساتھ ملقب فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب کی یہ کرامت تھی کہ اسی لقب نے شہرت پائی۔ حضرت کے والد کا نام حافظ محمد امین بن شیخ حافظ بڈھا بن شیخ حافظ بلاقی بن شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن شیخ عبدالکریم ہے۔

آپ کا نسب پچپن۵۵ واسطوں سے حضرت ابراہیم بن ادہم پہ جا کر ملتا ہے جو روحانی سلسلہ میں بھی آپ کے اجداد میں ہیں اور آخر سلسلہ میں ان کا ذکر شریف آئے گا۔ یہ عام طور سے مشہور ہے لیکن حضرت تھانوی نے ترجیح الراجح میں یہ ثابت کیا ہے کہ فرخ شاہ فاروقی تو ہیں لیکن ان کے نسب میں حضرت ابراہیم ـــ ادہمؒ نہیں ہیں۔ النور بابتہ رمضان و شوال ۱۳۴۳ھ میں ان کے نسب کی تحقیق ہے۔

---

[۱] انوار العاشقین، صحائف معرفت، بیس بڑے مسلمان، ارواح ثلاثہ، امداد المشتاق۔

حضرت فاروقی النسب اور حنفی المذہب طریقت و معرفت کے امام تھے
حضرت کی ولادت بائیس ۲۲ صفر المظفر سنہ ۱۲۳۳ھ مطابق سنہ ۱۸۱۶ء بروز شنبہ بمقام قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔ یہ قصبہ سہارنپور سے تقریباً بیس ۲۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ قصبہ حضرت کی ننہال کا وطن ہے۔ حضرت کے دو بڑے بھائی تھے۔ ذوالفقار علی سب سے بڑے اور فدا حسین ان سے چھوٹے اور ایک آپ سے چھوٹے بہادر علی شاہ تھے اور ایک چھوٹی ہمشیرہ بی وزیر النساء تھیں۔

حضرت کی عمر تین سال کی تھی کہ حضرت سید احمد شہید کے آغوش میں دیدیئے گئے اور حضرت نے بیعت تبرک سے نوازا۔ حضرت کی عمر ابھی سات ہی برس کی تھی کہ حضرت کی والدہ بی بی حسینی بنت حضرت شیخ علی محمد صدیقی نانوتوی نے انتقال فرمایا حضرت کی والدہ کو چونکہ حضرت سے اس درجہ شفقت و محبت تھی کہ کسی کا بری نگاہ سے دیکھنا بھی گوارہ نہ تھا۔ اس لئے اس لاڈلے کے لئے یہ وصیت فرمائی کہ میری اس وصیت کا لحاظ رکھتے ہوئے میرے اس بچہ کو کوئی شخص ہاتھ نہ لگا وے۔ اس وصیت کا پسماندگان نے اس درجہ لحاظ فرمایا کہ تعلیم وغیرہ کی طرف بھی کسی نے خاص اہتمام نہیں کیا۔ لیکن چونکہ حضرت کو ایک زمانہ میں مرجع الخلائق اور علوم باطنیہ کا سردار بننا تھا۔ اس لئے ابتداء ہی سے حضرت کے قلب میں حفظ قرآن کا ایک شوق اور ولولہ تھا اس لئے باوجود کسی دوسرے کے زور اور تنبیہ وغیرہ نہ ہونے کے خود اپنے شوق سے حضرت نے کلام مجید حفظ فرمایا۔ اگرچہ موانع و عوارض کچھ ایسے پیش آتے رہے کہ اس کی تکمیل میں رکاوٹ ہوتی رہی۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ایک شخص جو

گنجینۂ معرفت بننے والا تھا وہ کلام اللہ جیسی اصل اصول اور چشمۂ علوم حقائق و دقائق سے اُکتا جاتا۔ اس لئے رغبت اور اشتیاق بدستور بڑھتا رہا اور امداد الٰہی شامل ہوئی تو بہت تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی تکمیل ہوگئی۔ ۱۲۴۹ھ میں جبکہ حضرت کی عمر سولہ سال کی تھی مولانا مملوک علی صاحبؒ کے ہمراہ دہلی کے سفر کا اتفاق ہوا، وہاں مشائخ وقت سے علوم ظاہری کی تحصیل شروع فرمائی اور کچھ ابتدائی کتب فارسی وعربی صرف ونحو ہوتے پائی تھیں کہ علوم باطنیہ کی طرف کشش ہوئی حق تعالیٰ شانہٗ کا معاملہ ہر بندے سے جُدا ہے جس شخص سے جو کام لینا ہوتا ہے اسی کے اسباب مہیا ہوتے ہیں اور ہر شخص کے لئے اس کے مناسب توفیق ہوتی ہے

ع بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا الخ

اس لئے قبل اس کے کہ علوم ظاہری سے فراغت ہو دوسرے علوم کی طرف انجذاب ہوا اور اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت نے شیخ وقت مولانا نصیر الدین صاحب نقشبندی کے دست مبارک پر بیعت کی اور اذکار نقشبندیہ اخذ فرمائے حضرت شیخ شیخ المشائخ شاہ محمد آفاق صاحبؒ کے خلیفہ اور مسند وقت شیخ الحدیث شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کے شاگرد اور داماد تھے۔ نیز حافظ الحدیث حاکم وقت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے بھی تلمذ کا فخر حاصل تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ کو چند روز ہی شیخ کی خدمت میں رہنے کی نوبت آئی تھی کہ شیخ کی طرف سے خرقہ و اجازت سے مشرف ہوئے اب چونکہ صفاء قلب اور انوار کی کثرت ہوگئی تھی اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ حضور اقدس فخر عالم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا جذب نہ ہوتا، چنانچہ مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا محمد قلندر صاحب محدث جلال آبادی

سے شروع فرمائی اور حصن حصین اور فقہ اکبر حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نانوتوی سے حاصل فرمائی۔

یہ ہر دو حضرات حضرت اقدس مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی مؤلف دفتر ہفتم مثنوی معنوی کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ نیز مثنوی معنوی کو جس کے مخزن علوم معرفت ہونے سے کوئی اہل دل بے خبر نہیں۔ حضرت شاہ عبدالرزاق صاحبؒ سے اور اُنھوں نے مولانا ابوالحسن صاحب کاندھلوی سے اور اُنھوں نے اپنے والد حضرت مفتی صاحب مذکور الصدر سے اخذ فرمایا۔ حضرت مفتی صاحب نے عالم رویا میں خود حضرت مؤلف سے اخذ کی تھی اور دفتر ششم کے ختم کے مامور ہوئے تھے۔ مثنوی مولانا روم اول تو سب ہی کچھ ہے اور پھر اس قلب کے لئے جو پہلے ہی سے سب کچھ ہو چکا ہو اور پھر ظاہری سلسلہ تلمذ بھی ایسا ہی ملا ہو تو پھر حضرت حاجی صاحبؒ کو مثنوی میں جس قدر حظ حاصل ہو اس کا کیا پوچھنا۔

ع مُرغ دل کیوں نہ پھنسے دانہ بھی ہے دام بھی ہے

حضرت نے مثنوی کا مطالعہ اپنا معمول قرار دے لیا تھا جس کی وجہ سے شوق و اضطراب روزانہ جوش پر رہتا تھا اور ولولہ زور پر کہ اسی دوران میں حضور اکرم فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے تشرف حاصل ہوا جس کا قصہ حضرت میاںجی صاحبؒ کے حال میں مذکور ہو چکا۔ اسی خواب کی بنا پر حضرت سے بیعت ہوئے۔ کچھ ہی دن حضرت شیخ کی خدمت میں حلقہ نشین رہے تھے کہ خرقہ خلافت سے مشرف ہوئے۔ حضرت نے اجازت کے بعد ایک آخری امتحان فرمایا اور مجاز و خلیفہ سے دریافت فرمایا کہ کیا چاہتے ہو تسخیر یا کیمیا ؟ حضرت یہ سخت امتحانی فقرہ سُنکر رونے

لگے۔ اور عرض کیا کہ محض محبوب حقیقی کی خواہش ہے۔ دنیا کی کوئی چیز نہیں چاہیے روحانی باپ نے یہ فقرہ سنا اور لاڈلے بیٹے کی اس علو ہمتی پر آفرین فرمائی، اور بغل گیر فرما کر بےحد دعائیں دیں۔ یہ وہی سلسلۂ فیض چلتا رہا کہ ۱۲۶۹ھ میں روحانی باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔

اس کے بعد حضرت پر ایک جذب کا اثر ہوا اور اس میں ایک تاثیر ایسی بڑھی کہ آبادی سے نفرت و وحشت ہونے لگی اور آبادی سے ویرانے کو چلے گئے۔ مخلوق سے نفرت ہوگئی اور پنجاب کے صحرا کو مسکن قرار دیا۔ سنت نبوی کے اتباع کے اشتیاق نے عادات میں فاقہ گردی شعار کر دیا تھا۔ آٹھ آٹھ دن فاقہ کی حالت میں ایسے گذرتے تھے کہ ایک حبہ برابر چیز بھی حلق میں نہیں جاتی تھی۔ فرماتے تھے کہ میں نے ایک دفعہ سخت مجبوری میں ایک شخص سے کچھ قرض مانگا اس نے باوجود اس کے پاس ہونے کے انکار کر دیا۔ اس وقت طبعی اثر کچھ حضرت پر ہوا مگر جب تھوڑی دیر بعد یہ محسوس ہوا کہ یہ تکون فاعل حقیقی کا تھا تو وہ تکدر مبادل بہ لطف ہوگیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد مبشرات کا نمبر شروع ہوا اور ایک مرتبہ حضرت نے ایک خواب میں حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل کو دیکھا جو درحقیقت بشارت عطا علم وہدایت اور رزق وعطا کے تھے۔ چنانچہ حضرت اقدس مولانا نانوتویؒ کا مقولہ کہ حضرت حاجی صاحب تو عالم گر ہیں اسی کی دلیل ہے اور آبحیات کی پیشکش کرنے کا قصہ جو اس میں درج فرمایا ہے وہ شاہد عدل ہے۔ بالآخر چھ ماہ تک یہ ہی صحرا نوردی رہی کہ ۱۲۶۰ھ میں حضور اقدس فخر الموجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے تشرف حاصل ہوا

اور حضور کی طرف سے "تم ہمارے پاس آؤ" مژدہ ملا، یہ سننا تھا کہ مدینہ منورہ کے اشتیاق نے غلبہ پکڑا اور بالآخر آٹھ ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ[1] کو بندر لیس جو جدہ کے قریب کا بندرگاہ ہے وہاں اترے اور براہِ راست عرفات پر تشریف لے گئے اور فراغت حج کے بعد حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ مہاجر مکی وغیرہ حضرات کے فیوضات سے متمتع ہوتے رہے، حضرت شاہ صاحب نے چند وصایا فرمائیں کہ اپنے کو کمترین مخلوقات سمجھنا اور قوت حرام و مشتبہ سے بچنا اشد ضروری ہے لقمہ حرام و مشتبہ ضرور نقصان پہونچاتا ہے۔ نیز الم تعلم بان اللہ یری کا مراقبہ بھی تعلیم فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ مدینہ پاک کی زیارت کے بعد ابھی واپسی ہند ضروری ہے انشاء اللہ پھر انقطاع تعلقات کے بعد دوبارہ آنا اس وقت ٹھہرنا۔ حضرت سید قدرت اللہ صاحب بنارسی ثم المکی نے جو کرامات و خرق عادات میں مشہور تھے اپنے چند مریدوں کو ہمراہ فرما دیا کہ حضرت کو بحفاظت لیجاویں اور پھر ہمراہ ہی واپس لاویں، بالآخر اشتیاق دیرینہ پورا ہوا۔ قبہ خضراء کی زیارت کے بعد وہاں کے فیوض سے متمتع ہوئے۔ اسی دوران میں روضۃ من ریاض الجنۃ یعنی درمیان روضہ اطہر اور منبر شریف کے مراقبہ کی حالت میں زیارت اقدس سے منور ہوئے اور عمامہ سر پر رکھا گیا مدینہ منورہ میں حضرت شاہ غلام مرتضیٰ صاحب جھنجھانوی ثم المدنی سے بھی اپنے اشتیاق قیام مدینہ منورہ کا تذکرہ کیا، شاہ صاحب کا بھی یہی مشورہ ہوا کہ ابھی چندے اور صبر کرو پھر انشاء اللہ واپسی ہوگی۔ بالآخر وہاں سے واپسی ہوئی اور چند روز مکہ مکرمہ قیام کے بعد بہار کو مراجعت فرمائی ۱۲۶۲ھ[1]

---

[1] مطابق ۱۸۴۶ء ۔ (ش)

میں ہند کی مراجعت کے بعد طالبین کا اصرار بیعت پر شروع ہوا۔ لیکن ادھر سے اپنے انکسار اور تواضع کے ساتھ انکار، کہ اشارات غیبی نے ادھر مجبور کیا تو مجبوراً حضرت نے اخذ بیعت شروع فرمائی۔

ابھی چند ہی آدمی حضرت کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے کہ حضرت کی بھاوجہ کے اس خواب کی تعبیر کا وقت آیا کہ انھوں نے آنحضرت فخر الموجودات صلی اللہ تبارک و تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں یہ ارشاد فرماتے دیکھا تھا کہ اٹھ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا، ان کے مہمان علماء ہیں، علماء کی جماعت میں سب سے اوّل حضرت اقدس فخر المحدثین مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی قدس سرہٗ العزیز نے غالباً ۱۲۶۳ھ میں بیعت کی اور اس کے کچھ دنوں بعد حضرت اقدس فخر المتکلمین مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند نور اللہ مرقدہٗ نے بیعت کی۔

تعجب کی بات ہے کہ حضرت نانوتوی اعلیٰ حضرت کے پہلے سے معتقد تھے اور اس وقت تک حضرت گنگوہی کا حضرت حاجی صاحب سے کوئی تعلق بھی نہیں تھا جیسا کہ خود حضرت گنگوہی کے تذکرہ میں آرہا ہے کہ مسلم کے سبق کے ناغہ ہونے پر امام ربانی کا مقولہ کہ اچھے حاجی آگئے ہمارا سبق ہی بند ہوگیا اور اس پر حضرت نانوتویؒ کا یہ فرمانا کہ ہاہا ایسا مت کہو یہ بزرگ ہیں اور چناں چنیں ہیں۔ نیز اعلیٰحضرت کی طرف سے بیعت کی اجازت بھی حضرت گنگوہی کو پہلے ہے جو تھانہ بھون کے قیام میں ۱۲۶۶ھ میں اور حضرت نانوتوی کی اجازت اعلیٰ حضرت کے قیام مکہ کے دوران غالباً ۱۲۸۲ھ میں ہے۔

ان دونوں حضرات کا بیعت ہونا تھا کہ علماء کا رجوع شروع ہوا۔ اور حضرات

ذیل مولانا عبدالرحمن صاحب کاندھلوی، مولوی محمد حسن صاحب پانی پتی، حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب صاحبؒ نانوتوی مدرس اول مدرسہ دیوبند، حافظ محمد یوسف صاحب ابن حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی، مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری، مولانا فیض الحسن صاحب ادیب سہارنپوری وغیرہ وغیرہ اکابر حضرات داخل سلسلہ ہوئے۔ حضرت اقدس کے قلب میں جو کیفیات شوقیہ روزافزوں ترقی پذیر ہوتی رہتی تھیں، انھوں نے ہجرت کا ولولہ حضرت کے ذہن میں پیدا کیا لیکن اکابر کا نقل وحرکت چونکہ تابع حکم ہوتا ہے اس لئے یہ اشتیاق دل ہی دل میں رہا کہ اتفاقاً ۱۲۷۳ھ میں غدر کا کریہہ منظر پیش آیا اور مفسدین نے اپنی برأت اس میں سمجھی کہ دوسروں کا نام بتلاؤ تاکہ ہم لوگ خیر خواہ سرکار شمار ہوں اور یہ گروہ چونکہ سرکاری درباری قصوں سے متنفر اور مسجد کے کونوں کا خوگر تھا نہ لسانیت کا عادی نہ قوانین سے واقف، نہ رشوت کی بھینٹ نہ فضول روپیہ پاس جس کے ذریعہ سے اپنی برأت ثابت کرے اور دوسروں کا جھوٹ جتلائے، اس لئے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی اور اسی ذیل میں حضرت حاجی صاحبؒ نے بزبان حال یہ مصرعہ فرماتے ہوئے:

جاتے ہیں تیرے کوچہ سے ظالم خفا نہ ہو

ہند کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا۔

حضرت اقدس سے اس زمانہ میں کیا کیا کرامات صادر ہوئیں۔ ان کا یہ مختصر رسالہ نہ احاطہ کرسکتا ہے اور نہ وہ کچھ اعجوبہ ہیں۔ اہل اللہ کے یہاں کرامات کوئی مخصوص چیز ہوتی ہی نہیں ان کا ہر فعل کرامت ہی ہوتا ہے۔ اس لئے ان کو

ترک کرتا ہوں اگر کوئی شخص متمنی ہو تو کرامات امدادیہ۔ کمالات امدادیہ مصنفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی دیکھے اس میں اگرچہ دریا کو کوزہ میں بند کیا گیا ہے ایک قطرہ ہے، لیکن مولانا کی تصنیف ہونے کی وجہ سے معتبر ضرور ہے ایسے ہی شمائم امدادیہ جس سے زیادہ تر یہ مضمون لیا گیا ہے اس میں بھی بعض کرامات و واقعات درج ہیں، ایک شخص نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جبہ مبارک حضرت حاجی صاحبؒ پہنے ہوئے ہیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمایا کہ خواب ظاہر ہے تعبیر کا محتاج نہیں کہ آپ لباس شریعت و طریقت میں مستور ہیں۔ الغرض حضرت حاجی صاحبؒ براہ پنجاب روانہ ہوئے درمیان سفر میں حیدرآباد سندھ میں مزارات پر حاضری دیتے ہوئے براہِ کراچی مکہ مکرمہ پہنچے کچھ دنوں جبل صفا پر سیٹھ اسمٰعیل کی رباط میں قیام فرمایا اور اکثر اوقات خلوت کے ساتھ مراقب رہتے۔ اسی وجہ سے اہل مکہ سے زیادہ اختلاط کی نوبت نہیں آئی۔ البتہ حج کے ایام میں تشنگان ہند کی حاضری پر ان کی شدت تمناؤں کی وجہ سے حضرت اکثر جلوہ فرماتے، ایسی حالت میں کچھ عرصہ گذرا کہ اشارہ غیبی اس امر کی طرف متوجہ ہوا کہ عارف کو کسی سنت نبوی کا ترک نہیں کرنا چاہیے اس لئے نکاح بھی ضروری ہے۔

حضرت کو یکسوئی کی وجہ سے اب تک نوبت اس امر کی نہیں آئی تھی لیکن اس اشارہ کی وجہ سے اکیس ۲۱ رمضان المبارک ۱۲۸۲ھ کو بی بی خدیجہ بنت حاجی شفاعت خاں مرحوم رامپوری سے جن کے والدین پہلے ہی الوداع کہہ چکے تھے بعوض ۱۰۰ سو مائٹھ ریال فرانسیسی جو تقریباً ایک سو پچیس ۱۲۵ روپیہ سے کچھ زائد ہوتا ہے اس مہر پر نکاح

کیا۔ ۱۲۹۴ھ میں بعض خدام نے اصرار والحاج کے ساتھ ایک مکان حارۃ الباب میں خرید کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ ہر چند حضرت کا وہ منور دل جو ہر وقت اپنے کو مسافر خیال کرتا تھا اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن خدام نے اصرار اس درجہ پر کیا کہ حضرت کو قبول فرمانا پڑا۔ حضرت حاجی صاحبؒ خلقۃً ہی ضعیف نحیف اور خفیف اللحم تھے۔ اس پر مجاہدات، ریاضات اور تقلیل طعام ومنام نے اور ان سب کے ساتھ سوز وعشق نے بدن کو ایسا گھلا دیا تھا کہ آخیر زمانہ میں کروٹ بھی بدلنی دشوار ہوگئی تھی۔

حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے ملفوظات میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کے ایک شاگرد مرید حافظ عبدالقادر صاحب کی روایت سے ہندوستان کے قیام کے زمانہ میں شب بیداری کا معمول ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے کہ عشاء کے بعد حضرت اول چارپائی پر آکر لیٹ جاتے بس اس وقت تو سب نے دیکھ لیا کہ حضرت عشاء کے بعد سو رہے ہیں۔ لیکن جب سب نمازی چلے جاتے تو مؤذن سے دروازہ بند کرا لیتے اور مسجد میں مصلی بچھا کر ذکر میں مشغول ہو جاتے حافظ صاحب کہتے تھے کہ رات بھر میں شاید تھوڑی ہی دیر آرام فرماتے ہوں۔ کیونکہ جب آنکھ کھلی تو حضرت کو مسجد میں بیٹھے ہوئے ذکر میں مشغول ہی دیکھا اور کوئی دن ناغہ نہ جاتا تھا کہ روتے نہ ہوں اور بڑے درد سے بار بار یہ شعر نہ پڑھتے ہوں۔

؎ اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن ۔۔۔ گر بدم ہم سرِ من پیدا مکن

بالآخر چوراسی ۸۴ سال تین ۳ ماہ بیس ۲۰ روز اس عالم تاریک کو منور فرما کر بارہ ۱۲ یا تیرہ ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء بروز چہار شنبہ بوقت اذان صبح محبوب

سے واصل ہوئے اور اہل دُنیا کو مفارقت کا داغ دیا۔ جنت المعلیٰ میں مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی ثم المکی بانی مدرسہ صولتیہ کی قبر کے متصل دفن ہوئے۔ اطاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

تصانیف

اعلیٰ حضرت کی یادگار کچھ تصانیف ہیں جو ابھی تک عام طور پر ملتی ہیں۔ اور قدمار مشائخ کی مولفات کی طرح ابھی تک بحمداللہ نایاب نہیں ہوئیں جن کے اسمار مع مختصر تعارف کے یہ ہیں۔

(۱) حاشیہ مثنوی مولانا روم۔ یہ مثنوی رومی پر فارسی زبان میں حاشیہ ہے۔ اعلیٰ حضرت کی حیات میں اس کے صرف دو حصے طبع ہو سکے باقی بعد میں طبع ہوئے۔

(۲) غذائے روح یہ ۱۲۶۴ھ میں تحریر کی گئی تھی۔ حضرت میانجی نور محمد جھنجھانوی کا ذکر مبارک بھی اس میں موجود ہے۔ یہ کتاب تین سو اشعار پر مشتمل ہے

(۳) جہاد اکبر۔ یہ رسالہ ۱۲۶۸ھ میں تالیف ہوا ہے۔ یہ دراصل کسی اور شخص کی فارسی نظم کا اُردو ترجمہ ہے۔ جس میں ستر ۷۰ صفحات پر چھ سو اناسی ۶۷۹ اشعار ہیں۔

(۴) مثنوی تحفۃ العشاق۔ تیرہ سو چوبیس ۱۳۲۴ اشعار پر مشتمل یہ کتاب ۱۲۸۱ھ میں لکھی گئی۔

(۵) رسالہ درد غمناک۔ یہ کتاب پانچ صفحات کی ہے اور اس میں ایک سو پچھتر ۱۷۵ اشعار ہیں۔

(۶) ارشاد مرشد۔ اس کتاب میں وظائف و مراقبات، اوراد، اور چاروں سلسلوں کے شجرات تحریر ہیں سنہ تالیف ۲۰ جمادی الاول ۱۲۹۳ھ صفحہ ۱۶۔

(۷) ضیاء القلوب یہ فارسی میں ہے اس کو اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید کے صاحبزادے حافظ محمد یوسف صاحبؒ کی درخواست پر ۱۲۸۲ھ میں مکہ مکرمہ میں تحریر فرمائی تھی اس کتاب کا تاریخی نام مرغوب دل ہے، حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے ملفوظات میں تحریر ہے کہ اعلیٰ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ دو ثلث ضیاء القلوب کے میں نے ضائع کر دیئے اس میں اشغال کے ثمرات درج تھے، کیونکہ مجھ کو الہام ہوا تھا کہ ان کا ظاہر کرنا مناسب نہیں۔

(۸) وحدۃ الوجود۔

(۹) فیصلہ ہفت مسئلہ۔

(۱۰) گلزار معرفت۔ اعلیٰ حضرت کی یہ تالیفات اب کلیات امدادیہ کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔

چند متفرق واقعات

(۱) حضرت اقدس تھانویؒ نے کسی صوفی صاحب کی طرف سے نقل کیا ہے کہ ہمارے پاس تو حاجی صاحب کے کامل ہونے کی یہ دلیل ہے کہ ان کی طرف علماء کثرت سے رجوع ہیں اور زیادہ تر علماء کا فرقہ ہی صوفیہ کا مخالف ہوتا ہے۔ جب علماء معتقد ہیں تو پھر کون مخالف ہوگا۔

(۲) حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں مثنوی شریف کے سبق کے بعد روزانہ دعا ہوا کرتی تھی لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت کیا دعا مانگیں۔ فرمایا کہ یہ دعا مانگا کریں کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ ہمیں بھی حاصل ہو جائے۔

(۳) ایک مرتبہ کیرانہ کی کسی مسجد میں رہنے والے ایک نیک قصاب آدمی اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ خدا جانے حضرت حافظ صاحب کا رُتبہ بڑا ہے یا حضرت حاجی صاحبؒ کا۔ حضرت نے فوراً فرمایا کہ اہل اللہ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ کون بڑا ہے کون چھوٹا بے ادبی ہے۔ خدا کو معلوم ہے کہ اس کے نزدیک کون زیادہ مقبول ہے۔ سب سے حسن عقیدت رکھنا چاہیئے تم کو اس تحقیق کی کیا ضرورت۔

(۴) حضرت مولانا محب الدین صاحب ولایتی حضرت کے مجاز تھے اور بڑے صاحب کشف تھے۔ ایک دفعہ ان کو یہ خیال ہوا کہ حدیث میں ایسی نماز کی بڑی فضیلت آئی ہے جس کے لئے کامل وضو کیا جائے پھر دو رکعت ایسی پڑھی جائیں کہ ان میں حدیث النفس نہ ہو یعنی ان میں کوئی خیال نہ آوے۔ وہ عالم بھی تھے، انھوں نے دل میں کہا کہ افسوس ساری عمر میں ایسی دو رکعت بھی نصیب نہ ہوئیں۔ لاؤ دو رکعت تو کوشش کر کے ایسی ہی پڑھ لیں چنانچہ اس میں کامیاب ہو گئے۔ اور چونکہ خطرات اکثر آتے ہیں ان کو روکنے کے لئے اُنھوں نے نماز میں آنکھیں بند کر لیں کیونکہ اگر نظر منتشر ہوتی ہے تو عادتاً یکسوئی نہیں ہوتی اور ادھر ادھر کے خیالات آنے لگتے ہیں۔ آنکھ بند کرنے سے ان کو یکسوئی ہو گئی اور کوئی خطرہ نہیں آیا۔ پھر ہوس ہوئی کہ دیکھیں عالم مثال میں اس نماز کی کیا شکل ہو گی متوجہ ہو کر دیکھا تو اس نماز کی صورت سامنے آئی نہایت حسین وجمیل سر سے پاؤں تک آراستہ پیراستہ آنکھیں بھی نہایت خوبصورت لیکن غور سے جو دیکھا تو ان میں روشنی نہیں تھی ان کو تعجب ہوا کہ اس نماز میں کونسی کسر رہ گئی۔ رفع تردد کے لئے حضرت حاجی صاحب

کی خدمت میں واقعہ عرض کیا۔ گو اُنھوں نے کوئی تفصیل اس کی نہیں بیان کی تھی کہ اس طرح آنکھیں بند کر کے نماز پڑھی تھی۔ صرف خلاصہ عرض کیا تھا کہ ایسی نماز خطرات سے خالی پڑھی تھی۔ حضرت نے سُنتے ہی فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تم نے دفع خطرات کے لئے آنکھیں بند کر لی ہوں گی؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ جی ہاں حضرت آنکھیں تو میں نے ضرور بند کر لی تھیں تاکہ خطرات نہ پیدا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ چونکہ یہ سنت کے خلاف تھا اس لئے یہ صورت نقص دکھلائی گئی۔ اگر کھلی آنکھوں نماز پڑھتے تو خواہ کتنے ہی خطرات آتے وہ نماز چونکہ سنت کے موافق ہوتی وہ زیادہ مقبول ہوتی۔

(۵) ایک دفعہ شریف مکہ کے پاس کوئی رقم مہاجرین میں تقسیم کرنے کے لئے آئی تو حضرت حاجی صاحبؒ نے شریف کے پاس کہلا بھیجا کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ کے پاس کوئی رقم مہاجرین میں تقسیم کرنے کے لئے آئی ہے تو ہمارا حصہ بھی ہمیں ملنا چاہیئے۔ چنانچہ وہاں سے تین آنہ کے پیسے حضرت کے حصہ میں آئے۔ اس وقت وہاں مولانا محمد منیر صاحبؒ نانوتوی بھی موجود تھے ان سے فرمایا کیوں جی! کیا تین آنہ پیسوں میں میرا کام چل جائے گا! لیکن ایک مصلحت کی وجہ سے میں نے یہ رقم خود درخواست کر کے منگائی ہے کیونکہ یہاں کا خاصہ ہے کہ جو ذرا استغنا کے ساتھ رہتا ہے اس پر لوگ خواہ مخواہ حسد کرنے لگتے ہیں۔ چونکہ مجھے یہاں رہنا ہے اور اپنی ساری عمر گذارنی ہے اس واسطے میں ذلیل ہو کر رہتا ہوں تاکہ استغنا کا شبہ نہ ہو۔

(۶) اعلیٰ حضرت کے پاس ایک جولاہا آیا اور عرض کیا کہ میری لڑکی پر

ماموں اللہ بخش کا خلل ہے۔ آپ چلئے فرمایا میں عامل نہیں ہوں۔ اس نے بہت اصرار کیا، آپ تشریف لے گئے اس نے سلام کیا اور حضرت کی تشریف آوری پر شرمندگی ظاہر کی اور عرض کیا کہ اگر صرف اپنا نام لکھ کر بھیج دیتے تو میں چلا جاتا۔ اور یہ بھی وعدہ کیا کہ آپ کے سلسلہ والوں کو کبھی نہ ستاؤں گا۔

(۷) ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ کوئی ایسا وظیفہ بتلا دیجئے کہ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ کا بڑا حوصلہ ہے ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ روضۂ مبارک کے گنبد شریف شریف ہی کی زیارت نصیب ہو جائے۔

(۸) حاجی عبدالرحیم خادم خاص اعلیٰ حضرت کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت کے پاس کہیں سے سیاہ ترکی کا جوتہ ہدیہ میں آیا آپ نے ان کو مرحمت فرما دیا۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کا عطیہ ہم خدام کے لئے سرفرازی و برکت ہے۔ مگر لوگ حضور کی خدمت میں اس غرض سے نذر پیش کرتے ہیں کہ حضور استعمال فرمائیں سو اگر کچھ دن استعمال فرما کر مرحمت ہو جاوے تو ہم لوگ بھی سرفراز ہو جائیں گے اور ان لوگوں کو بھی خوشی ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جایا و لے تو نہیں جانتا۔ اُنھوں نے دریافت کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ بھائی جب سے میں نے خانۂ کعبہ کا غلاف سیاہ دیکھا ہے۔ سیاہ ترکی کا جوتہ پہننے کی ہمت نہیں ہوتی کہ یہ رنگ اور میرا پاؤں اسی طرح جب سے روضۂ مطہرۂ نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہا کے پردے سبز رنگ کے دیکھے مخمل کا جوتا نہیں پہنا۔

(۹) انہی حاجی عبدالرحیم کا بیان ہے کہ میں نے مدت تک حضرت کی خدمت

کی رات کو بھی دن کو بھی مگر کبھی پاؤں پھیلا کر سوتے نہیں دیکھا بلکہ پاؤں سمٹے رہتے تھے۔ بہت روز تک تو اس طرف التفات بھی نہیں ہوا۔ جب عرصہ دراز تک شاذ و نادر بھی پاؤں پھیلے ہوئے نہ دیکھے تب خیال ہوا کہ غالباً یہ امر قصداً ہے آخر حضرت سے عرض کیا کہ حضرت آپ پاؤں کیوں نہیں پھیلاتے بھلا اس طرح سونے میں کیا نیند آتی ہوگی اور کیا آرام ملتا ہوگا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جا باولے تو آرام کو لئے پھرتا ہے تو نہیں جانتا کہ اپنے محبوب کے سامنے پاؤں پھیلانا بے ادبی ہے۔

(۱۰) کسی شخص نے اعلیٰ حضرت کی طرف سے ایک جعلی خط لکھ کر کسی امیر سے کچھ رقم وصول کر لی۔ کسی نے حضرت کو اطلاع دے کر مشورۃً عرض کیا کہ ایسے شخص کو تنبیہ ہونا چاہیئے۔ حضرت نے جواب دیا کہ بھائی مجھ سے دین کا تو کسی کو نفع نہیں ہوا۔ اگر میرے ذریعہ سے یہ مُردار دُنیا ہی کسی کو حاصل ہو جائے تو مجھ کو حق تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ اس میں بھی بخل اور اس سے بھی دریغ کروں۔

(۱۱) ایک بار اعلیٰ حضرت ایک مریدنی کو کوئی کپڑا تبرکاً دینے لگے۔ حاضرین میں سے ایک بی بی نے عرض کیا کہ حضرت فلاں عورت کو بھی جو کہ آپ کے خاندان میں ہے کوئی تبرک بھجوا دیجئے۔ آخر وہ بھی تو آپ کی اولاد ہے۔ آپ نے نہایت تُرش ہو کر فرمایا کہ کیا اولاد و ولاد لیئے پھرتی ہو میرے کوئی اولاد نہیں۔ میری اولاد وہی ہے جو اللہ کی طالب ہے۔

(۱۲) ایک بار اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے کسی نے ہندوستان سے کچھ روپیہ ایک دوکان کے ذریعہ سے مکہ معظمہ بھیجا۔ اس دوکاندار نے حضرت

کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ آپ کے لیے کچھ روپیہ ہندوستان سے آیا ہے۔ کسی خادم کو بھیجکر دوکان سے منگا لیجئے۔ حضرت نے نہایت استغنا سے جواب دیا کہ میں نے نہ ہندوستان سے روپیہ منگایا ہے نہ دوکان سے منگاؤنگا جس خدا نے ہندوستان سے مکہ معظمہ پہونچا دیا وہ دوکان سے میرے پاس بھی پہونچا دیں گے۔ یہاں سے کوئی روپیہ لینے نہ آوے گا وہ شخص یہ سنکر بہت شرمندہ ہوا اور فوراً حضرت کی خدمت میں روپیہ بھیجدیا۔

(۱۳) اعلیٰ حضرت ایک مرتبہ سخت علیل ہوئے، ایک بار خلوت میں قہقہہ کی آواز سنی گئی۔ تعجب ہوا کہ تنہائی میں کس بات پر ہنسی آئی، مزاج خوش پاکر دوسرے وقت دریافت کیا۔ فرمانے لگے کہ اس وقت مرض میں ایسی لذت آئی کہ بے اختیار ہنسی آگئی۔

ملفوظات وارشادات

(۱) فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص مجھے اپنے رنگ میں سمجھتا ہے اور میں کسی رنگ میں نہیں ہوں میری مثال پانی کی سی ہے کہ جس رنگ کی بوتل میں بھر دیا اسی رنگ کا معلوم ہونے لگتا ہے۔

(۲) فرمایا کرتے تھے کہ انسان کے اندر سب کچھ ہے پس جب سردی لگی تو کرۂ نار کا تصور کرلیا اور جب گرمی لگی تو طبقۂ زمہریر کا تصور کرلیا۔

(۳) فرمایا کرتے تھے کہ خطرات جو لوگوں کو ستاتے ہیں تو وہ خطرات اگر دفع نہ ہوں تو دفع کرنے کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے بلکہ ان میں ہی قدرتِ الٰہی کا مشاہدہ کرنا چاہیئے کہ اللہ اکبر وسواس کا بھی کیا سلسلہ ہے کہ دفع ہی نہیں ہوتا یہ سالک کے مناسب ہے کہ بس قدرتِ الٰہی کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جائے۔

(۴) الغیبۃ اشد من الزنا کے متعلق فرمایا کہ زنا گناہ باہی ہے اور غیبت گناہ جاہی۔ اور کبر شہوت سے اشد ہے اس پر حضرت اقدس تھانویؒ نے فرمایا۔ کہ یہ تو قافیہ بھی ہو گیا۔ فرمایا کہ ہمارے پاس تو ایسے ہی چٹکلے ہوا کرتے ہیں۔

(۵) ایک مرتبہ ایک صاحب نے عرض کیا کہ آپ کی برکت سے ہوا جو کچھ باطنی نفع ہوا۔ اس پر فرمایا کہ جو کچھ ہے تمہارے ہی اندر ہے جیسے نائی لاتا ہے خوان سر پہ رکھ کر پھر اس میں سے ایک رکابی اٹھا کر اس کو دیدیتے ہیں تو جو کچھ اس کو ملا وہ اسی کے پاس تھا۔ اس کے بعد فرمایا مگر تم یہی سمجھے جاؤ کہ شیخ ہی سے ملا ہے ورنہ تمہارے لئے مضر ہوگا۔

(۶) فرمایا کرتے تھے کہ ایک لطیفہ بھی منور ہو جائے تو اس کے ذریعہ سے سب لطائف منور ہو جاتے ہیں۔

(۷) فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان عطا فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت شمس تبریزؒ کو مولانا رومی لسان عطا ہوئے تھے جنہوں نے حضرت شمس تبریزؒ کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرما دیا اسی طرح مجھ کو مولوی محمد قاسمؒ لسان عطا ہوئے ہیں۔

(۸) فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنا بندہ نہیں بنانا چاہتا، خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں، علی الاعلان فرمایا کرتے تھے کہ جو میرے پاس تھا وہ میں نے حاضر کر دیا میری طرف سے اب عام اجازت ہے کہ جس کو جہاں سے مقصود حاصل ہو وہ وہیں جا کر حاصل کرے میں اپنا مقید نہیں کرتا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ میں لوگوں کے معتقد ہونے سے تنگ ہو گیا، خدا کی قسم دل سے چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے ملحد اور

زندیق سمجھ کر چھوڑ دیں تاکہ میں فارغ ہو کر محبوب میں مشغول ہوں، تمہارے اعتقاد نے میرے اوقات کو خراب کر رکھا ہے۔

(۹) فرمایا کرتے تھے کہ دل مکہ معظمہ میں رہے اور جسم ہندوستان میں رہے یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم تو مکہ میں رہے اور دل ہندوستان میں رہے۔

(۱۰) فرمایا کرتے تھے کہ جو شیخ خود کچھ نہ کرے اس کی تعلیم میں برکت نہیں ہوتی گو اس کو حاجت نہ رہے لیکن اس غرض سے اس کو ذکر و شغل کرتے رہنا چاہیئے کہ خود تلقی کرکے آگے کو القا کرے ورنہ اگر خود کچھ نہ کرے گا تو دوسروں کو کیا القا کرے گا۔

(۱۱) ایک شخص نے شکایت کی کہ ذکر کرتا ہوں مگر کوئی نفع معلوم نہیں ہوتا اس پر فرمایا کہ یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ ذکر میں لگے ہوئے ہو اور تم کو ذکر کی توفیق دے دی گئی۔

(۱۲) فرمایا کرتے تھے کہ ٹھنڈا پانی پیو تاکہ روئیں روئیں سے الحمدللہ نکلے۔

(۱۳) فرمایا کرتے تھے کہ اگر ریا سے بھی کوئی عمل کرتا ہو تو اس کو کرتا رہے ترک نہ کرے اول اول ریا ہو گی پھر عادت ہو جائے گی اور عادت سے عبادت ہو جائے گی۔

(۱۴) فرمایا کرتے تھے کہ میں تو لوگوں کو اس نیت سے مرید کرتا ہوں کہ اگر پیر مرحوم ہوگا تو مریدوں کو جنت میں لیجائے گا اور اگر مرید مرحوم ہوگا تو پیر کو جنت میں کھینچ کر لے جائے گا۔

(۱۵) فرمایا کرتے تھے کہ میں آنیوالوں کی قدموں کی زیارت کو نجات کا

ذریعہ سمجھتا ہوں۔

(۱۶) کسی عالی درویش نے نماز کی نسبت حضرت سے عرض کیا کہ حضرت جب دل متوجہ نہ ہو تو اس اُٹھک بیٹھک سے کیا نتیجہ؟ فرمایا کہ اس اُٹھک بیٹھک کی قیمت وہاں معلوم ہو گی کہ کس درجہ کی چیز ہے اور یہی سب کچھ ہے اگر حق تعالیٰ اسی کی توفیق عطا فرما دیں اور بلا حضور قلب ہی اُٹھک بیٹھک ہو جایا کرے تو بڑی دولت ہے۔

(۱۷) فرمایا اپنے شیخ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے کہ زندہ بزرگوں میں میری کوشش سے اس سے زیادہ نفع پہنچانے والا مجھ کو نہیں مل سکتا۔

(۱۸) کوئی مُرید اگر حضرت سے عرض کرتا کہ دُنیا چھوڑ دوں تو ارشاد فرماتے کہ اگر دُنیائے حلال ہے تو خود مت چھوڑو اللہ کا نام لیئے جاؤ جب اس کا غلبہ ہو گا خود ہی چھُڑا دے گا۔

(۱۹) فرمایا میں تین شخصوں سے خدمت لینا پسند نہیں کرتا، عالم، سیّد اور بوڑھا۔

(۲۰) فرمایا کہ طلب جاہ عند الخلق تو سب کے نزدیک مذموم ہے مگر محققین کے نزدیک طلب جاہ عند الخالق بھی پسندیدہ نہیں۔ کیونکہ اس میں بھی ایک گونہ نسبت ہے رفعت کی اپنی طرف کہ اپنی ایسی شان سمجھتا ہے کہ وجیہ عند اللہ ہو سکے۔ عبدیت کے یہ بھی خلاف ہے، عبدیت تذلل اور پستی ہے۔

(۲۱) حافظ عبدالرحیم تھانوی اعلیٰ حضرت کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ میں بیعت سے اس لیئے انکار نہیں کرتا کہ وہ شخص کسی بدعتی کے پنجہ میں گرفتار نہ ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ مجھ سے مواخذہ فرما دیں کہ تمہارے پاس آیا تھا تم نے کیوں رد کر دیا

جس کی وجہ سے وہ ایسی جگہ پھنسا۔

(۲۲) ارشاد فرمایا کہ جو شخص طالب دُنیا ہو وہ تارک دُنیا بن جائے۔ (مطلب اس فرمان کا حضرت اقدس تھانویؒ نے یہ فرمایا ہے کہ دُنیا طلب سے حاصل نہیں ہوتی جس کو دُنیا کا حاصل کرنا مقصود ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس کو ترک کر دے پس وہ اس کو حاصل ہو جائے گی)

(۲۳) فرمایا کہ اتفاق باہمی کی اصل تواضع ہے جن لوگوں میں تواضع ہو گی۔ باہم اتفاق رہے گا۔

(۲۴) ایک بار فرمایا کہ میرے پاس دو طالب علم آئے ایک کا دعویٰ تھا کہ لا صلوٰۃ الا بحضور القلب اور دوسرا اعتراض کرتا تھا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔ لا جہز جیشی و انا فی الصلوٰۃ یعنی میں نماز میں لشکر کی تیاری کی فکر کرتا ہوں۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت عمر کی نماز ناقص تھی باوجودیکہ اس میں حضور قلب نہ ہوتا تھا کیونکہ تجہیز جیش ظاہر ہے کہ منافی حضور قلب ہے۔ پس حضور قلب ضروریات کمال صلوٰۃ سے نہیں ہے وہ دوسرا طالب علم اس کا شافی جواب نہ دے سکتا تھا۔ آخر میرے پاس آئے۔ میں نے ان کو بتلایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تجہیز جیش خود منافی حضور قلب نہیں بلکہ عین حضور قلب ہے کیونکہ جس کو بادشاہ کی جانب سے کوئی خدمت و منصب سپرد کیا جاتا ہے وہ جس وقت دربار میں حاضر ہو گا اس کا کمال قریب یہی ہے کہ اپنی خدمات مفوضہ کو پیش کر کے اس کے متعلق احکام شاہی حاصل کرے اسی طرح جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خدمت خلافت منجانب اللہ سپرد تھی اور نماز کا وقت حاضری

دربار کا وقت ہے اس وقت یہی حضور و قرب ہے۔ کہ اس باب میں حق تعالےٰ کی
طرف رجوع کر کے استخارہ و استشارہ کریں ، پس حضرت عمر کی تجہیز کو کہ بالہام حق
تھی اپنے وساوس و خطرات پر قیاس کرنا محض غلط ہے کہ یہ بعد ہے اور وہ عین قرب
اس گفتگو سے ان دونوں کو پوری تسلی ہوگئی۔

اس واقعہ کو تحریر فرمانے کے بعد حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ بطور
فائدہ کے تحریر فرماتے ہیں کہ "سبحان اللہ کیا سلیس اور واضح طریق سے تعارض
رفع فرمایا ہے۔ حقیقت میں علم رسمی محض لفظ پرستی ہے۔ معانی رسی اور حقائق شناسی
انہی حضرات کا حصہ ہے۔

(۲۵) جب کوئی مسئلہ علماء کے سامنے حقائق کا ارشاد فرماتے تو یہ بھی فرمادیا
کرتے تھے کہ بھائی میں ناخواندہ ہوں تم لوگ عالم ہو، میرے قلب پر جو وارد ہوا۔
اس کو بیان کر دیا۔ اگر کتاب و سنت کے خلاف ہوتے سے اس میں کوئی غلطی ہو تو تم
لوگ لحاظ و حجاب مت کیا کرو مجھے اطلاع دیدیا کرو۔ ورنہ میں قیامت میں یہ کہہ دونگا
کہ میں نے ان لوگوں سے کہدیا تھا انھوں نے ظاہر نہیں کیا۔

(۲۶) فرمایا کرتے تھے کہ میرے خلفا و مجاز دو قسم کے ہیں ایک تو وہ کہ میں
نے بلا درخواست ان خلفا کو اجازت بیعت لینے کی دی اور خلیفہ بنایا اور وہی
درحقیقت خلفاء ہیں۔ اور ایک وہ کہ کسی نے خود درخواست کی کہ حضرت میں اللہ کا
نام تبلادیا کروں۔ اور میں نے ان کے کہنے پر اجازت دی تو یہ اجازت اس قسم کی
اول درجہ کی نہیں ہے۔

خلفا و مجازین اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے دربار گوہر بار سے

جن لوگوں کو اجازت و خلافت سے سرفراز کیا گیا وہ یہ حضرات ہیں :۔

(۱) امام ربانی حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (۲) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (۳) حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری (۴) حضرت حکیم الامتہ مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانویؒ، (۵) مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ (۶) مولانا محی الدین صاحب خاطر (۷) مولانا جلیل احمد صاحبؒ (۸) حاجی سیار محمد صاحب دیوبندیؒ (۹) مولانا منظور احمد صاحبؒ (۱۰) مولانا نور محمد صاحبؒ (۱۱) مولانا عبدالواحد صاحب بنگالیؒ،

ہمارے شجرہ میں امام ربانی حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ کا نام نامی ہے اس لئے اب اُنھیں کے حالات سپرد قلم کئے جاتے ہیں۔" [1]

(۴۲) حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

سہارنپور سے جانب مغرب جنوب ایک قصبہ ہے جو گنگوہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس قصبہ کی سرزمین کو حق تعالیٰ شانہٗ نے سلسلہ کے تین اکابر کے نور سے منور فرمایا جن میں سے دو حضرات حضرت شاہ عبدالقدوس و حضرت شاہ ابوسعید کا تذکرہ اپنی جگہ پر آچکا اور تیسری ہستی حضرت امام ربانی کی تھی۔ جو بیک وقت عالم دین بھی تھے، جامع شریعت و طریقت بھی تھے، عاشق نبی بھی تھے اور متبع سنت رسولؐ بھی جام شریعت اور سندان عشق دونوں اس کو حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے تھے۔ یہ وہ

---

[1] امداد المشتاق، افادات لویبہ شمائم امدادیہ کرامات امدادیہ، کمالات امدادیہ۔

ہستی ہے جس کو ایک عالم کا عالم فرطِ عقیدت و محبت سے امام ربانی کہتا ہے لیکن اس کے والدین نے اس کا نام صرف رشید احمد رکھا تھا، اب ان چند صفحات میں انہی کا ذکر مبارک کیا جا رہا ہے۔

ولادت طفولیت اور ابتدائی حالات

حضرت امام ربانی ۶ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ[1] مطابق ۱۸۲۹ء دوشنبہ کو چاشت کے وقت گنگوہ میں پیدا ہوئے۔

حضرت امام ربانی کے والد ماجد مولانا ہدایت احمد صاحب کا ۱۲۵۲ھ میں پینتیس ۳۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا ہے تو اس وقت حضرت کی عمر صرف سات ۷ سال کی تھی والد صاحب کے انتقال کے بعد حضرت کا نشو ونما اپنے جد امجد کے زیر سایہ ہوا یوم دوشنبہ میں پیدائش اور لو عمری میں یتیم ہو کر اپنے دادا جان کے زیر تربیت ہو جانا یہ دونوں وہ اضطراری سُنتیں ہیں جو حق تعالیٰ شانہٗ نے امام ربانی کو مرحمت فرمائیں تھیں۔

تربیت ظاہری و باطنی

آپ کے سب سے پہلے اُستاد میانجی قطب بخش صاحب گنگوہی تھے جن سے آپ نے تعلیم و تعلم کی ابتدا کی اور اسی دوران اپنے استاذ سے ذہانت ذکاوت بیدار مغزی کے تعریفی کلمات سُنے۔ میانجی قطب بخش کی عادت تھی کہ بے تکلف طلباء کے مُنہ سونگھ کر دریافت کرتے

---

[1] تذکرۃ الرشید جلد دوم صفحہ ۲۸۲ پر بھی خود حضرت کے ملفوظ میں اپنی پیدائش ۱۲۴۴ھ میں ہونا لکھی ہے ؛ (شاہد غفرلہٗ)

تھے کہ کیا کھا کر آئے ہو۔ شاگرد کے بتلاتے پر فرماتے کہ اکیلے اکیلے ہی کھا کر چلے آئے، ہمارے لئے کیوں نہیں لائے۔ ان کی اس عادت کی وجہ سے حضرت اقدس نے خود بخود یہ معمول بنا لیا تھا کہ جو چیز بھی گھر آپ کو ملتی وہ آپ جیب میں رکھ لیتے خود نوش نہ فرماتے، اور لا کر استاذ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ کئی دن تک گھر والوں کو اس ایثار کی خبر نہ ہوئی، لیکن کئی روز بعد جب کپڑوں پر دھبے دیکھے گئے اور چکنے لگے تو گھر والوں نے ڈانٹ ڈپٹ اور اس کا سبب دریافت کیا جب جا کر اُنھیں اس ایثار کی داستان معلوم ہوئی۔ یہ اثر تھا اس سعادت مندی کا اور ایثار و رضا جوئی کا جو قدرت کی جانب سے آپ میں ودیعت فرمایا گیا تھا۔

فرمایا کرتے تھے کہ عمر کا چوتھا یا پانچواں سال تھا کہ والدہ ماجدہ نے مجھے اور میرے بڑے بھائی مولوی عنایت احمد کو پینے کے لئے دودھ دیا۔ اس پر میں نے اضافہ کا تقاضا کیا اور اصرار کیا کہ اور دیا جائے۔ بڑے بھائی نے اس اصرار کو کچھ پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا اور اپنے حصّہ کا دودھ پینے کے بعد میرے حصہ کا دودھ بھی پی گئے۔ بس اس قصہ سے مجھے یہ تجربہ ہو گیا کہ ضد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے اصل حصّہ سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے قرآن پاک کہاں پڑھا، بہت ممکن ہے کہ گھر ہی میں رہ کر والدہ ماجدہ سے پڑھ لیا ہو کہ اس زمانہ میں اونچے گھرانے کی خواتین قرآن پاک اور علم شریعت وغیرہ سے پوری پوری واقف ہوا کرتی تھیں، فارسی تعلیم اپنے ماموں مولانا محمد تقی صاحب سے کرنال میں پڑھی اور کچھ حصّہ مولوی محمد غوث صاحب کے پاس پڑھا۔ عربی صرف و نحو کی ابتدائی کتب مولوی محمد بخش صاحب رامپوری

سے پڑھیں اور پھر انہی کے ترغیب دینے پر آپ ۱۲۶۱ھ میں مزید تحصیل علم کے لئے دہلی تشریف لے گئے، اس وقت حضرت کی عمر سترہ ۱۷ سال کی تھی دہلی پہونچکر آپ نے مختلف اساتذہ کے درس میں شرکت کی اور ہر درس کا رنگ دیکھا۔ لیکن آپ کی طبیعت کسی جگہ قیام کے لئے راضی نہ ہوئی، ادھر حسن اتفاق اور قدرت خداوندی سے یہ بات پیش آئی کہ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب اپنے سفر حجاز سے واپسی کے وقت دہلی ہوتے ہوئے نانوتہ تشریف لائے اور تعطیل کے ایام ختم ہونے پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو اپنے ہمراہ پڑھانے کی غرض سے دہلی لے آئے یہ ۱۲۶۰ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت امام ربانی جو ابھی تک طبیعت کے جماؤ نہ ہونے کی بنا پر اپنی تعلیم شروع نہ کر سکے تھے وہ بھی حضرت مولانا مملوک العلی صاحب کی خدمت میں پہونچ گئے۔ اسی طرح سے علم و تقوی کے یہ شمس و قمر ایک ہی استاذ کی زیر تربیت ہو کر تعلیم ظاہری کی تکمیل میں مشغول ہو گئے حضرت امام ربانی صدرا شمس بازغہ حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے سامنے اس طرح پڑھا کرتے تھے جیسا کہ حافظ قرآن پڑھتا ہے۔

بہرکیف چند سال آپ نے مستقل دہلی قیام فرما کر علوم درسیہ کی تکمیل کی۔ علوم عقلیہ میں آپ کے دوسرے استاذ علامۃ الشہیر مولانا مفتی صدر الدین صاحب بھی تھے۔ قاضی احمد الدین صاحب سے بھی آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے، حدیث کے استاذ حضرت مولانا الحاج الشاہ عبد الغنی صاحب مہاجر مدنی مجددی نقشبندی تھے۔ اور ایسے انہماک اور مشغولی کے ساتھ کتابیں پڑھیں کہ کھانا پینا اور سونے کی جملہ ضروریات میں صرف سات ۷ گھنٹے خرچ ہوتے تھے۔ فراغت کے بعد آپ اپنے وطن

مالوف کے لئے روانہ ہوئے اس وقت آپ کی عمر مبارک تقریباً اکیس[۲۱] سال تھی۔ دہلی میں جتنی مدت آپ کا قیام رہا آپ نے اپنے کھانے پینے کا انتظام خود کیا کسی پر بوجھ نہیں ڈالا۔ والد محترم ہر ماہ تین روپیہ بھیجا کرتے تھے اسی سے تمام ضروریات پوری فرماتے۔

جملہ علوم و فنون سے فراغت کے بعد جب کہ حضرت اقدس کی عمر شریف اکیس[۲۱] سال کی تھی۔ اپنے وطن گنگوہ واپس تشریف لائے اور درس و تدریس میں مشغول ہوگئے اور مختلف علوم نحو معانی فقہ، تفسیر اور حدیث کی تدریس میں ہمہ وقت اشتغال رہتا تھا۔ سنہ ۱۳۰۰ھ کے ختم تک یہ سلسلہ رہا اور سنہ ۱۳۰۱ھ سے صرف حدیث پاک کی تدریس کا مشغلہ رہ گیا اور بہ نفس نفیس تنہا صحاح ستہ کی جملہ کتب خود پڑھاتے، شوال میں دورہ حدیث کا سبق شروع ہوتا اور شعبان میں جملہ کتب حدیث کی تعلیم پوری فرما دیتے۔

سلوک و تحصیل طریقت کا ابتدائی واقعہ خود حضرت امام ربانی نے بارہا ارشاد فرمایا کہ جب میں اور مولانا محمد قاسم صاحب دہلی میں زیر تعلیم تھے تو ہمارا ارادہ سلم پڑھنے کا ہوا لیکن حضرت استاذ کی مشغولیت کی وجہ سے یہ طے ہوا کہ ہفتہ میں صرف دو مرتبہ اس کا سبق ہوا کرے گا، ایک مرتبہ سلم کا سبق ہو رہا تھا کہ ایک شخص نیلی لنگی کندھے پر ڈالے ہوئے آ موجود ہوئے۔ ان کے آتے ہی حضرت مع تمام خدام کے کھڑے ہوگئے اور بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ اور فرمایا لو بھائی حاجی صاحب آگئے، حاجی صاحب آگئے، اور پھر حضرت استاذ نے مخاطب ہوکر فرمایا، لو میاں رشید اب سبق پھر ہوگا، فرماتے ہیں کہ مجھے اس دن سبق کے ناغہ

ہونے کا بہت افسوس ہوا اور میں نے مولوی محمد قاسم صاحب سے کہا کہ "یہ اچھا حاجی آیا، ہمارا سبق ہی گیا" مولوی محمد قاسم نے کہا کہ ایسی بات مت کہو یہ بزرگ ہیں اور ایسے ویسے ہیں۔

حضرت امام ربانی نے اس قصہ کے بعد فرمایا ہمیں کیا خبر تھی کہ یہی حاجی ہمیں مونڈ دیں گے۔ خود حضرت امام ربانی فرمایا کرتے تھے کہ طالب علمی کے زمانہ میں بوجہ حدیث شریف پڑھنے کے عرصہ تک حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں حاضری رہی، اور اس وجہ سے بار بار بیعت کا ارادہ حضرت شاہ صاحب ہی سے ہوتا تھا مگر ہر مرتبہ مولانا نانوتوی فرماتے۔ کہ نہیں بیعت تو حضرت امداد ہی سے کریں گے (ارواح ثلثہ ص ۲۸۸)

اس کے بعد حضرت حاجی صاحب سے تعلق و محبت بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ پھر اپنا سب کچھ حضرت حاجی صاحب کے لئے وقف کر دیا اور اسی دست حق پرست پر بیعت ہوئے جس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانویؒ سے ایک مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے تھانہ بھون تشریف لے گئے اور وہاں پہونچکر اس علمی گفتگو سے پہلے حاجی صاحب کی قیام گاہ پر حاضری دی اس وقت اعلیٰ حضرت قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ یہ حضرت گنگوہی کی اعلیٰ حضرت سے پانچویں ملاقات تھی۔ اعلیٰ حضرت بہت ہی کریمانہ اور مشفقانہ طرز کے ساتھ پیش آئے، اور دریافت فرمایا کیسے آئے ہو؟ فرمایا مولانا شیخ محمد سے مناظرہ کے ارادہ سے آیا ہوں، اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہا ہا ایسا ارادہ نہ کرنا میاں وہ ہمارے بزرگ ہیں، حضرت نے جواباً فرمایا کہ آپ کے بڑے ہیں تو میرے

بھی بڑھے رہیں، اس کے بعد موقعہ پاکر حضرت نے بیعت کی درخواست کی اعلیحضرت نے طلب کا امتحان لینے کی غرض سے انکار فرمایا مگر حضرت کے دل میں جو محبت کا بیج اوّل ہی ملاقات سے جم گیا تھا وہ اپنی جڑیں بہت حد تک مضبوط کر چکا تھا اس لیۓ باوجود انکار کے آپ کی رائے میں فرق نہیں آیا۔ اور اپنے لئے پہلی ہی مرتبہ میں جو فیصلہ کر لیا تھا اسی پر ثابت قدمی سے جمے رہے۔ دو، تین روز بعد حضرت نے بیعت فرما لیا۔

بیعت کے وقت حضرت امام ربانی نے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب سے فرمایا کہ حضرت مجھ سے ذکر و شغل اور محنت و مجاہدہ کچھ نہیں ہو سکتا اور نہ رات کو اُٹھا جائے گا، اعلیٰ حضرت نے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ "اچھا کیا مضائقہ ہے"۔ اس تذکرہ پر کسی خادم نے حضرت امام ربانی سے دریافت کیا کہ حضرت پھر کیا ہوا؟ آپ نے جواب دیا اور عجیب ہی جواب دیا۔ کہ پھر تو مرمٹا۔ اس کے دو، تین دن بعد اعلیٰ حضرت نے ذکر بارہ تسبیح تلقین فرمایا۔

رات کے وقت اعلیٰ حضرت حسب معمول تہجد اور اذکار کے لئے اُٹھے اور وضو فرما کر مسجد تشریف لے گئے۔ تو حضرت بھی بیدار ہو گئے اور وضو فرما کر مسجد کے دوسرے گوشے میں تہجد اور ذکر میں مشغول ہو گئے۔ خود فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس وقت گلا اچھا تھا اور طاقت و قوت بھی تھی، خوب ذکر جہر کے ساتھ کیا، صبح کو اعلیٰ حضرت نے فرمایا تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا امشاق ذکر کرنے والا ہو۔ بس اس دن سے مجھے ذکر کے ساتھ محبت ہو گئی۔

بیعت ہونے کے ٹھیک ایک ہفتہ بعد اعلیٰ حضرت نے فرمایا "میاں مولوی

رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دیدی، آئندہ اس کا بڑھانا آپ کا کام ہے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اُس وقت اس جملہ پر بڑا تعجب ہوتا تھا کہ کیا چیز مجھے عطا ہوئی ہے آخر پندرہ ۱۵ سال بعد معلوم ہوا کہ وہ کیا چیز تھی۔

الغرض بیالیس ۴۲ روز قیام فرمایا اور دولت باطنی و نعمت روحانی سے مالامال ہو کر تھانہ بھون سے روانہ ہوئے، اعلیٰ حضرت ایک بڑے مجمع کے ساتھ مشایعت کے لئے دور تک تشریف لے گئے، اور یہ طویل راستہ پیدل طے ہوا۔ اعلیٰ حضرت راستہ سے رخصت ہوتے وقت حضرت کا ہاتھ پکڑ کر تنہائی میں لے گئے اور فرمایا اگر تم سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو اس کو بیعت کر لینا، اس پر حضرت نے فرمایا مجھ سے کون درخواست کرے گا، اعلیٰ حضرت نے جواب دیا تمہیں کیا جو کہتا ہوں وہ کرنا، تھانہ بھون سے رخصت ہو کر گنگوہ پہنچے، گنگوہ پہنچکر حضرت کا جو حال تھا اور جو جذبہ اور ذوق آپ پر سوار تھا اس کے متعلق حضرت کے ماموں زاد بھائی مولانا ابوالنصر صاحب فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون سے واپس ہو کر حضرت اقدس کا قیام میرے مکان پر تھا، نصف شب کو جب آپ اُٹھتے اور سیدھے مسجد کی جانب رُخ فرماتے تو پیچھے پیچھے میں لگا ہوا چلا آتا تھا، جس وقت حضرت مخدوم بالجہر ذکر شروع فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری مسجد کانپ رہی ہے خود پر جو حالت گذرتی ہوگی اس کی تو کسی کو کیا خبر!

اجازت و خلافت مل جانے کے بعد گریہ وزاری میں بہت اضافہ ہوگیا تھا تمام تمام رات رونے میں گذر جاتی۔ والدہ ماجدہ نے ایک نیلے رنگ کی صفائی اس غرض سے تیار کرائی تھی کہ شب کے وقت اس کو اوڑھکر مسجد میں جایا کریں۔

تاکہ سردی سے حفاظت ہوسکے۔ آپ کے رونے کی وجہ سے اور آنکھیں اس رضائی سے صاف کرنے کی بنا پر اس کا رنگ ہی بدل گیا تھا اور کچھ کا کچھ ہو گیا۔

مُرشد کی جانب سے ایک امتحان اور اس میں کامیاب ہونا

تھانہ بھون کے دوران قیام میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ نے آپ کے صبر و تحمل اور ضبط کا امتحان لیا جس کے متعلق حضرت امام ربانی خود ہی فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون میں مجھ کو رہتے ہوئے چند روز گذرے تو میری غیرت نے اعلیٰ حضرت پر کھانے کا بار ڈالنا گوارہ نہیں کیا۔ آخر میں نے یہ سوچ کر... کہ دوسری جگہ انتظام کرنا دشوار بھی اور ناگوار بھی ہوگا، رخصت چاہی حضرت نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ ابھی چند روز ٹھیرو، میں خاموش ہو گیا قیام کا قصد تو کر لیا مگر اس کے ساتھ یہ فکر بھی ہوا کہ کھانے کا انتظام کسی دوسری جگہ کرنا چاہیئے، تھوڑی دیر کے بعد جب اعلیٰ حضرت مکان پر تشریف لے جانے لگے تو میرے وسوسہ پر مطلع ہو کر فرمایا میاں رشید احمد کھانے کی فکر مت کرنا، ہمارے ساتھ کھائیو۔ دوپہر کو کھانا مکان سے آیا تو ایک پیالہ میں کوفتے تھے نہایت لذیذ، اور دوسرے پیالہ میں معمولی سالن تھا اعلیٰ حضرت نے مجھے دسترخوان پر بٹھایا مگر کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور رکھا۔ اتنے میں حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ تشریف لائے، کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور رکھا ہوا دیکھ کر اعلیٰ حضرتؒ سے فرمایا بھائی صاحب! رشید احمد کو اتنی دور ہاتھ بڑھانے میں تکلیف ہوتی ہے اس پیالہ کو ادھر کیوں نہیں رکھ لیتے، اعلیٰ حضرت نے بیساختہ جواب دیا اتنا بھی غنیمت ہے کہ اپنے ساتھ کھلا رہا ہوں، جی تو یوں چاہتا تھا کہ

پچھوڑوں ، چماروں کی طرح الگ ہاتھ پر روٹی رکھدیتا۔ اس فقرہ پر اعلیٰ حضرتؒ نے میرے چہرہ پر نظر ڈالی کہ کچھ تغیر تو نہیں آیا مگر الحمد للہ میرے قلب پر بھی اس کا کچھ اثر نہ تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ حقیقت میں جو کچھ حضرت فرما رہے ہیں بالکل سچ ہے اس دربار سے روٹی ہی کا ملنا کیا تھوڑی نعمت ہے جس طرح بھی ملے بندہ نوازی ہے اس کے بعد حضرت نے پھر کبھی میرا امتحان نہیں لیا۔ اس کے بعد فرمایا اسی لئے مجھے کچھ نہیں آیا۔

حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے حالات وواردات پر مشتمل ایک عریضہ اپنے شیخ ومرشد اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کو (اس والا نامہ کے جواب میں جس میں اعلیٰ حضرت نے حضرت امام ربانی کے حالات دریافت کئے تھے) لکھا ہے اور مکاتیب رشیدیہ میں طبع بھی ہو گیا ہے وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے، حضرت امام ربانی تحریر فرماتے ہیں!

حضور نے جو بندۂ نالائق کے حالات سے استفسار فرمایا ہے، میرے ماوار دارین اس ناکس کے کیا حالات اور کس درجہ کی کوئی خوبی ہے جو آفتاب کمالات کے روبرو عرض کروں، بخدا سخت شرمندہ ہوں کچھ نہیں مگر جو ارشاد حضرت ہے تو کیا کروں، بناچاری کچھ لکھنا پڑتا ہے، حضرت مرشد من! علم ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دور ہوئے غالباً عرصہ ساتؔ سال سے کچھ زیادہ ہوا ہے۔ اس سال تک دو ڈھائی سو سے چند عدد زیادہ آدمی سند حدیث حاصل کر کے گئے ہیں اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ انھوں نے درس جاری کیا اور سنت کے احیا میں سرگرم ہوئے اور اشاعت دین ان سے ہوئی اور اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں اگر قبول

ہو جائے، اور حضرت کے اقدام نعلین کی حاضری کا یہ خلاصہ ہے کہ جذر قلب میں غیر حق سے نفع وضرر کا التفات نہیں، واللہ بعض اوقات اپنے مشائخ کی طرف سے علیحدگی ہو جاتی ہے لہذا کسی کے مدح وذم کی پرواہ نہیں رہی، اور ذام ومادح کو دور جانتا ہوں اور معصیت کی طبعًا نفرت اور اطاعت کی طبعًا رغبت پیدا ہوگئی ہے اور یہ اثر اسی نسبت یادداشت بے رنگ کا ہے جو مشکوٰۃ انوار حضرت سے پہنچا ہے۔ بس زیادہ عرض کرنا گستاخی اور شوخ چشمی ہے یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے جھوٹا ہوں کچھ نہیں ہوں، تیرا ہی ظل ہے تیرا ہی وجود ہے میں کیا ہوں کچھ نہیں ہوں، اور وہ جو میں ہے وہ تو ہے اور میں اور تو خود شرک ہے استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ، اب غرض سے معذور فرما کر قبول فرمائیں" والسلام ۱۳۰۶ھ۔

سفر حج

ڈپٹی عبدالحق صاحب رامپوری نے اپنے سفر حج کے موقعہ پر حضرت امام ربانی سے درخواست کی کہ آپ بھی میرے ہمراہ چلیں حضرت نے نہایت خوشی کے ساتھ منظور فرما کر اس کو عطیہ غیبی سمجھا اور حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور انتظامات مکمل فرما کر ۱۲۸۰ھ کے اوائل میں روانہ ہوگئے اس میں حضرت کے علاوہ حکیم ضیاء الدین صاحب، حافظ وحید الدین صاحب، حاجی علاؤ الدین صاحب حاجی محمد یوسف صاحب اور حضرت کے ماموں زاد بھائی مولانا عبدالنصر صاحب بھی تھے۔

مکہ معظمہ میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نے جو شفقت ومحبت کا اظہار فرمایا وہ تحریر سے باہر ہے، جب تک آپ مکہ میں رہے اعلیٰ حضرت نے اپنے ہی پاس رکھا،

عرفات کے سفر میں آپ کا اونٹ اعلیٰ حضرت کے اونٹ کے متصل تھا، منیٰ و مزدلفہ میں بھی ساتھ رہے۔

حضرت امام ربانی نے اپنے سفر حج کے دوران مکہ معظمہ میں خواب دیکھا کہ اہل خدمت اولیاء کا ایک قافلہ چلا جا رہا ہے آپ ان کو دیکھ رہے ہیں۔ اور خواب ہی میں یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ مجھے بھی ان کے ساتھ لاحق کر دے۔ یہ دعا مانگ کر میں ان کے پیچھے دوڑا اور ان میں جا ملا، صبح کو یہ خواب اعلیٰ حضرت سے بیان کیا تو مسکرا کر فرمایا پھر اب کیا چاہتے ہو لاحق تو ہو گئے۔

اس سفر میں حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کو مکہ معظمہ قیام کے دوران خارش شروع ہوئی جو شروع میں خشک تھی پھر تر ہو گئی۔ اسی حالت میں آپ ہندوستان مراجعت کی نیت سے جہاز پر سوار ہو گئے، جہاز میں طبیعت بڑی خراب رہی بخار چڑھا اور اتنا شدید کہ سرسام ہو گیا، تین دن تک آپ بیہوش رہے۔ اسہال کا ایسا سلسلہ چلا جو تھمنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اس طویل المدت بیماری میں آپ کے تیماردار اور آپ کی دیکھ بھال کرنے والے مولانا ابوالنصر صاحب تھے، جنہوں نے تنہا حضرت امام ربانی کی خدمت کر کے بیشمار و بے حساب اجر حاصل کیا۔ حضرت امام ربانی بسا اوقات فرمایا کرتے تھے ایسا حقیقی بھائی بھی نہیں کر سکتا، جیسا ابوالنصر نے میرے ساتھ کیا کہ مثل مادر مشفقہ اپنی گود میں لے کر پاخانہ پیشاب کراتے تھے، ساتویں دن بمبئی پہنچے، اس عرصہ میں مرض اپنی جڑیں اس مضبوطی کے ساتھ جما چکا تھا کہ باوجود پوری سعی و کوشش کے ذرا بھی افاقہ نہیں ہوا۔ متفرق لوگوں کے علاج معالجہ سے کچھ افاقہ کی صورت تو بنتی نظر آ رہی تھی مگر اطمینان کی کوئی صورت

نہیں تھی، اسی درمیان میں آپ پر تشنج کے دورے شروع ہو گئے۔ جس نے نحیف جسم کو اور بھی لاغر کر دیا۔ سب سے آخر میں آپ کے معالج حکیم محمد اعظم خاں مؤلف اکسیر اعظم بنے، اس وقت حکیم صاحب اندور میں راجہ کے طبیب بنے ہوئے مقیم تھے اور ایک ہزار روپیہ ماہانہ پر ملازم تھے، حکیم صاحب نے قیامگاہ پر پہونچکر اول سے آخر تک حضرت اقدس کو ملاحظہ فرمایا، نبض دیکھ کر نسخہ تجویز کیا اور دوسرے ہی دن سے افاقہ ہونا شروع ہو گیا اور مرض میں تخفیف ہونی شروع ہو گئی۔ حکیم صاحب بلا کسی مالی طمع کے روزانہ خود حضرت امام ربانی کی دیکھ بھال کے لئے مکان پر پیدل آیا کرتے تھے، رفتہ رفتہ طبیعت یہاں تک تندرست ہوئی کہ حضرت امام ربانی خود کروٹ لینے اور کبھی کبھی اٹھ کر بیٹھ جانے کے قابل ہو گئے، صحت کے اس مرحلہ پر پہنچکر خود حکیم صاحب نے مشورہ دیدیا کہ اب الحمدللہ اطمینان کے قابل حالت ہے۔ آپ وطن چلے جائیں۔ چنانچہ مولانا ابوالنصر صاحب حضرت امام ربانی کو اپنے ہمراہ لے کر بخیر و عافیت محرم ۱۲۸۲ھ میں گنگوہ پہنچ گئے، یہاں آتے پر اور عوارض بھی دور ہو گئے، اور آپ مکمل طور پر صحت یاب ہو گئے۔

امام ربانی نے دوسرا سفر حج ۱۲۹۴ھ میں کیا یہ دور وہ تھا جب کہ ٹرکی اور روس میں باہم جنگ چھڑی ہوئی تھی، عوام میں یہ مشہور ہو گیا کہ دراصل حضرت سفر حج کا حیلہ کر کے ملک روم تشریف لیجا رہے ہیں۔ تاکہ حکومت ٹرکی کی طرف سے والینٹیر جماعت میں شرکت فرما کر جہاد کریں مگر لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط تھا، حضرت کا مقصد صرف بیت اللہ کے لئے روانگی اور دیار رسول کی حاضری تھی چنانچہ آپ بارہ ۱۲ شوال کو سہارنپور سے روانہ ہوئے۔ علمائے وقت کے ایک جم غفیر کو آپ کے ہمراہ حج کی

سعادت حاصل ہوئی، اس مبارک قافلہ میں مشاہیر علماء میں سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حکیم ضیاء الدین صاحب، مولانا محمد مظہر صاحب مع اہلیہ، مولانا محمد یعقوب صاحب، مولانا رفیع الدین صاحب، مولانا محمود حسن صاحب، مولانا حکیم محمد حسن صاحب، مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب جیسے حضرات تھے۔

قافلہ کے تمام افراد سو کے قریب تھے، اس قافلہ کا یہ سفر بمبئی تک بذریعہ ریل ہوا کیونکہ اس سال ریلوے کا سلسلہ بمبئی تک پھیل چکا تھا جس کی صورت یہ تھی کہ سہارنپور سے چل کر غازی آباد ریل بدلی جاتی تھی اور پھر الہ آباد سے کلکتہ لائن چھوڑ کر جبل پور کو دوسری گاڑی میں بیٹھنا پڑتا تھا اور جبل پور سے بمبئی تک ریلیں چلنی شروع ہو چکی تھیں۔

راستہ میں اس مقدس مجمع کے ساتھ بہت سے امور خارق عادت پیش آئے اور بہتیری کرامتوں کا صدور رہا۔ منجملہ ان کے ایک موقع کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

مولوی عزیز الرحمٰن جو حضرت امام ربانی کے بھانجے ہیں ان کی روایت ہے کہ صبح کی نماز کا وقت تھا، صبح صادق ہو چکی تھی ایک اسٹیشن پر ریل ٹھیری۔ امام ربانی اُترے وضو کی اور دو سنتیں پڑھیں، فجر کی نماز با جماعت کا پختہ ارادہ دیکھ کر ریل میں جس قدر مسلمان موجود تھے وہ قریب قریب سب ہی اُتر گئے اور جلدی جلدی وضو کر کے نماز میں شریک ہو گئے، اس طرح سے ایک بہت بڑی جماعت پلیٹ فارم پر نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئی۔ اتنے میں ریل نے چلنے کے لئے سیٹی دی آواز سُنکر بہت سے نمازی اپنی اپنی نمازیں توڑ کر ریل میں سوار ہو گئے۔ مگر حضرت امام ربانی اسی اطمینان و سکون کے ساتھ اپنی نماز میں مشغول رہے، فکر و تردد کا کوئی اثر لہجہ مبارک

سے بھی محسوس نہ ہوتا تھا، یہ حضرت کی کھلی کرامت تھی کہ ریل مسلسل چیخ رہی تھی اور ایک قدم آگے نہیں بڑھ رہی تھی، یہاں تک کہ حضرت نماز سے فارغ ہوئے مختصر سی دعا کے بعد ریل میں سوار ہو گئے، ادھر سوار ہونا اور ادھر ریل کا چلنا، اس موقعہ پر گاڑی پورے پندرہ منٹ ٹھیری رہی۔ اور پھر یہ تاخیر تیز رفتار گاڑی نے آگے چل کر پوری کی،

بمبئی پہونچکر یہ قافلہ بائیس دن تک وہیں ٹھیرا رہا اور جہاز کی آمد کا منتظر رہا، مگر جہاز نہ آیا۔ ایک دن حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرمانے لگے کہ آج معلوم ہوا ہے کہ سارے قافلہ کو روکنے والے مولوی محمد قاسم ہیں۔ ان کے چند رفقار ضلع مظفر نگر سے آنے والے ہیں جب تک وہ لوگ یہاں نہ پہنچ جائیں گے اس وقت تک جہاز نہ آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جس دن مظفر نگر کا وہ قافلہ بمبئی پہنچا ہے اسی دن کسی جرمنی جہاز کا ٹھیکہ حاجی قاسم نے لیا اور ٹکٹ فروخت کرنا شروع کر دیئے اور اگلے ہی دن جہاز بمبئی کی بندرگاہ سے روانہ ہو گیا اور ٹھیک آٹھویں دن عدن کی بندرگاہ پر پہنچا اور ایک دن رات وہاں ٹھیر کر جہاز روانہ ہوا اور چوتھے دن جدہ پہونچ گیا۔ چار دن جدہ میں قیام کرنے کے بعد غالباً ۲۲ ذیقعدہ کو یہ سب حضرات خیر و عافیت کے ساتھ مکہ معظمہ کے لیئے روانہ ہوئے اور اگلے دن شب کے وقت مکہ معظمہ پہنچے۔

اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کو امام ربانی اور اس پورے قافلہ کی آمد کی اطلاع پہلے ہو چکی تھی اس لیئے آپ جوش مسرت میں استقبال کے لئے باہر تشریف لائے اور جس وقت قافلہ باب مکہ پر پہنچا تو سب نے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت پٹکے سے کمر باندھے

فصیل کے پاس کھڑے تھے، امام ربانی اسی وقت سواری سے اُتر پڑے اور بغل گیر ہوئے، اور تمام قافلہ کو اپنی رباط میں لاکر ٹھہرا دیا اور صبح کو سارے مجمع کی دعوت کی، امام ربانی نے درخواست بھی کی کہ آدمی بہت ہیں مگر اعلیٰ حضرت نے یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ میری خوشی اسی میں ہے کہ سب احباب یہیں کھائیں، حضرت امام ربانی مع قافلہ کے حج کے بعد مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے اور کم و بیش جیس۲ دن وہاں (مدینہ منورہ میں) قیام کیا اور پھر وہاں سے روانہ ہو کر مکہ مکرمہ آگئے اور ایک ماہ تک یہاں قیام رہا۔ جن لوگوں کے پاس خرچ کم رہ گیا تھا ان کا اصرار اور تقاضا جلد وطن پہونچنے کا تھا، چنانچہ چند رفقاء روانہ بھی ہو گئے مگر حضرت امام ربانی اپنے مخصوص رفقاء کے ہمراہ ٹھہرے رہے ایک ماہ گزرنے پر بقیہ رفقاء پھر باہم مشورہ کرتے لگے کہ حضرت سے چلنے کی درخواست کریں مگر رُعب کے باعث کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ آخر کار..............................

چند ضرورت مند اصحاب نے ہمت کر کے اعلیٰ حضرت سے عرض کر ہی دیا کہ آپ حضرت امام ربانی کو چلنے کا حکم فرما دیں۔ اور ہمیں معیت کی نعمت سے محروم نہ فرمادیں اعلیٰ حضرت نے ان کی درخواست منظور فرما کر امام ربانی سے فرمادیا کہ مولانا! جی تو نہیں چاہتا کہ آپ سے علیحدگی ہو مگر ہمراہیان کے پاس خرچ کم ہے اور آپ کی ذات سے ہندوستان والوں کو جو نفع ہے وہ ظاہر ہے اس لئے مناسب یوں ہی معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ ہندوستان واپس چلے جائیں۔

امتثال امر میں امام ربانی رخصت ہوئے جدہ پہنچکر جہاز روانگی کے لئے

تیار ملا اس میں جگہ تنگ تھی مگر یہ فرما کر اس کے ٹکٹ لے لیئے کہ جب مکہ چھوٹ گیا تو اب راحت کے خیال سے جدہ رہنا بے سود ہے، چنانچہ اسی دن شام کو جہاز سے روانہ ہو کر تیرھویں دن بخیر وبخیریت وعافیت بمبئی پہونچ گئے اور بمبئی سے گنگوہ؛

۱۲۹۹ھ میں آپ نے تیسرے حج کی تیاری کی، اس سفر کا نظام دفعتہً بنا، پہلے سے کسی قسم کی طیاری نہ تھی، وقت اتنا تنگ ہو چکا تھا کہ حج میں شریک ہو جانے کی اُمید بہت سے لوگوں کو نہ تھی، چار ذیقعدہ کو آپ بمبئی کے لئے روانہ ہوئے بمبئی پہونچکر دیکھا کہ تمام حجاج روانہ ہو چکے تھے صرف چند گنے چنے افراد نظر آئے جو اس اُمید پر وہاں پڑے ہوئے تھے کہ شاید حجاز پہنچنے کا کوئی راستہ نکل آئے رفقائے سفر نے منع کیا کہ جدہ کا ٹکٹ لینا اور عزم حجاز فضول ہے وقت بالکل کم ہے بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ جدید قانون کے مطابق حجاج کو قرنطینہ کے لئے دس یوم تک رُکنا پڑے گا، مگر آپ نے ایک نہ سُنی اور ٹکٹ لے کر جہاز میں بیٹھ گئے جہاز بمبئی سے چلا اور ٹھیک ساتویں دن عدن پہنچا اور چند گھنٹے وہاں بندرگاہ پر ٹھیر کر سیدھا حجاز پاک کا رُخ کیا، نویں دن جدہ پہنچا اور جہاز کے لنگر ڈالتے ہی مسافر کشتیوں پر سوار ہو گئے اور خشکی پر اُتر گئے کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ قانونی اعتبار سے قرنطینہ بھی بہت ضروری تھا۔ البتہ جہاز والوں پر حکومت کا عتاب ضرور ہوا کہ قرنطینہ کیئے بغیر کیوں آئے، اور روانگی میں سزاءً دوگنا قرنطینہ جہاز والوں سے کرایا گیا۔ مکہ معظمہ پہونچ کر اگلے دن ارکان حج شروع ہو گئے، اور نہایت اطمینان وراحت کے ساتھ حج کی سعادت سے نوازے گئے، اور تیسری مرتبہ مُرشد العرب والعجم شیخ الکل اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کی زیارت سے مشرف ہوتے

یہ حج حضرت امام ربانی کا آخری حج تھا اس کے بعد پھر پوری یکسوئی کے ساتھ بالاستقلال تعلیم وتدریس اور تربیت وتزکیہ میں مشغول ہو گئے۔

وفات

اس تعلیم ظاہری اور باطنی کا سلسلہ آخیر ۱۳۱۳ھ تک رہا اور ۱۳۱۴ھ کے شروع میں چونکہ نزول آب ہوگیا تھا اس لئے علوم ظاہریہ کے اشتغال کے اوقات بھی تصفیہ قلوب اور تزکیہ نفوس میں صرف ہونے لگے اور آٹھ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ جمعہ کے دن جمعہ کی اذان کے وقت اس عالم سفلی کو الوداع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے انعامات میں درجہ شہادت بھی عطا فرمانا تھا اس لئے ایک نہایت زہریلے سانپ کے ڈسنے سے جس نے تہجد کے وقت قدم بوسی کی تمنا میں پائے مبارک کی دو انگلیوں یعنی خنصر اور بنصر میں ناخن سے کچھ نیچے کو ڈسا۔ اور حضرت قدس سرہٗ کو نماز کے استغراق میں پتہ بھی نہیں چلا، جب صبح کی نماز کے لئے غایۃ اسفار میں مسجد تشریف لائے تو خدام نے دیکھا کہ پائے مبارک اور پائچہ سب خون آلود ہے تب حضرت کو خبر ہوئی، اس لئے جلدی سے آپ نے کپڑے بدلے اور نماز پڑھائی، اس کاٹنے کے متعلق حضرت نے جب بھی فرمایا یہی فرمایا کہ مجھے تو نہ کسی کے کاٹنے کا احساس نہ اس وقت ہوا اور نہ اب کوئی درد یا تکلیف ہے۔ جمادی الاول ۱۳۲۳ھ کی بارھویں (۱۲) یا تیرھویں (۱۳) شب میں ڈسنے کا قصہ پیش آیا اور باختلاف روایۃ آٹھ یا نو جمادی الثانیہ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء کو اٹھتر سال سات ماہ تین یوم کی عمر کو پہونچکر وصال ہوا۔ اور رباط لدینا کا مرتبہ شہادت بھی حاصل ہوا اور حضرت اقدس مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ نے نماز جنازہ پڑھائی، بعض حضرات کو سحر کا بھی خیال تھا جیسا کہ اس

سے پہلے بھی ہو چکا تھا اس لیے ہر نوع کے علاج معالجات بھی کئے گئے مگر اِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ اعلی اللہ منا رتبہا ونور اللہ مرقدہ ورزقنا من اتباعہ جرعتا۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

حضرت نور اللہ مرقدہ کو چھ روز پہلے سے جمعہ کا انتظار تھا، شنبہ کے روز دریافت کیا کہ آج کیا جمعہ کا دن ہے؟ خدام نے عرض کیا کہ حضرت آج تو شنبہ ہے اس کے بعد درمیان میں بھی کئی بار یوم جمعہ کو دریافت کیا حتیٰ کہ جمعہ کے دن جس روز وصال ہوا، صبح کے وقت پھر دریافت کیا کہ کیا دن ہے؟ اور جب معلوم ہوا کہ جمعہ ہے تو فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال کی خبر آنے سے چند روز قبل آپ کے متوسلین میں کسی شخص نے خواب دیکھا تھا کہ اعلیٰ حضرت دیوبند تشریف لائے آپ کا چہرہ آفتاب جیسا روشن ہے اور فرما رہے ہیں کہ میرا تو انتقال ہو چکا ہیں مولوی رشید احمد کو لینے کے لئے آیا ہوں۔ بیس ۲ ذی الحجہ تک لیجاؤں گا، اس خواب پر مخلصین کو پریشانی لاحق ہوئی اور خواب حضرت کی خدمت میں بیان کیا گیا۔ آپ نے تاویل اور تعبیر بیان فرما کر پریشانی کو دفع فرما دیا مگر بارہا یوں بھی ارشاد فرمایا۔ اجی تاویل تاویل ہی ہے اتنے دنوں میں تو آدمی کتنی بار مرلے، اور بعض مرتبہ نہایت بشاشت کے ساتھ یہ بھی کہا کہ جب حضرت لینے آئیں گے تو اُمید ہے کہ اچھی ہی طرح لیجائیں گے۔

نواح سورت میں کسی گاؤں کی مسجد کے امام ایک شخص ہیں، سلیمان میاں ان کا نام ہے اُنھوں نے خواب دیکھا کہ ایک تخت پر دو بزرگ نہایت پاکیزہ صورت

والے بیٹھے ہیں اور ایک شخص تخت کے نیچے کھڑا ہے، اس شخص سے سلیمان میاں نے دریافت کیا کہ یہ بڑے شخص کون ہیں اور اُن کے پاس تخت پر بیٹھے ہوئے دوسرے بزرگ کون ہیں؟ اس شخص نے جواب دیا کہ بڑے تو فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور دوسرے شخص مولوی احمد بزرگ سابق مہتمم مدرسہ ڈابھیل کے پیر مولانا رشید احمد صاحبؒ ہیں، سلیمان میاں نے یہ خواب مولوی احمد صاحب سے بیان کیا، اُنھوں نے پوچھا کہ یہ خواب تم نے کب دیکھا تھا؟ اُنھوں نے سوچ کر تبلا دیا کہ جمادی الثانیہ کی آٹھ یا نو تاریخ کو دیکھا تھا، وہی تاریخ امام ربانی کے وصال کی تھی۔ علما، وقت اور اذکیائے اُمت کی ایک بڑی جماعت آپ کے دامن فیض سے وابستہ تھی۔ اس لئے آپ کے وصال کی بھی بہت سی تواریخ عربی، فارسی، اُردو میں کہی گئیں، اور صوری و معنوی ہر قسم کے مادے نکالے گئے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

وانہ فی الاخرۃ لمن الصالحین۔ از حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔

کنت حمیدا مت شہیدا۔ از حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ

مولانا عاش حمیدا مات شہیدا۔ از حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ

حی دخل الخلد۔ از حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ

اور اُردو کی چند تواریخ یہ ہیں ؎

کیوں نہ روئیں سالکانِ جادۂ قرب الٰہ ہائے راہِ حق کا سچا رہنما جاتا رہا

بولا ہاتف کہ ہائے آنکھوں سے

آج دیکھا بجھا چراغِ دین

متفرق واقعات

(۱) ایک مرتبہ ایک شخص بغرض بیعت حاضر ہوئے، حضرت نے ان سے دریافت فرمایا کہ بھائی یہ بتلا دو کہ تم توبہ کرو گے یا فقیر بنو گے، اُنھوں نے کہا کہ میں توبہ نہیں کرتا فقیر بنوں گا فرمایا اگر توبہ کرو تو میں کرا دوں، فقیر تو میں خود بھی نہیں ہوں تمہیں کیسے بنادوں۔ اس پر وہ شخص بولا کہ پھر تو میں کسی اور ہی کے پاس چلا جاؤں گا۔

(۲) ایک مرتبہ حضرت امام ربانی کے استاذ زادہ مولانا محمد یعقوب صاحب ابن حضرت مولانا مملوک العلی صاحب گنگوہ تشریف لے گئے، عصر کی جماعت تیار تھی حضرت اقدس گنگوہی نے فرمایا کہ حضرت نماز پڑھائیے۔ چنانچہ مولانا مصلے پر جانے لگے چونکہ پیدل چل کر تشریف لائے تھے اس لئے پیروں پر گرد جمی ہوئی تھی جب حضرت گنگوہی کے قریب پہنچے تو حضرت خود اپنے رومال سے ان کے پیروں کی گرد جھاڑنے لگے، مولانا خاموش کھڑے رہے اور بے تکلف پیر صاف کراتے رہے، اسی طرح ایک مرتبہ حضرت گنگوہی کھانا نوش فرما رہے تھے۔ اتنے میں مولانا محمد یعقوب صاحب تشریف لے آئے تو حضرت اپنے ہاتھ میں ٹکڑا دے کر گھر میں سے اور کھانا لینے کے واسطے تشریف لے گئے اور مولانا نے وہ ٹکڑا کھانا شروع کر دیا۔

(۳) حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہٗ کو ایک صاحب سے تکلیف پہنچی، اس پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اس احتمال سے کہ کہیں حضرت بددعا نہ کر دیں۔ حضرت سے عرض کیا کہ حضرت بد دُعا نہ کیجیے اس پر حضرت گھبرا گئے اور فرمایا توبہ توبہ مسلمان کے لئے کہیں بد دُعا بھی کیا کرتے ہیں، استغفراللہ۔

(۴) فرمایا کہ اگر ایک مجلس میں تمام اولیاء اللہ جمع ہوں اور ان میں حضرت جُنید بغدادی بھی ہوں اور ہمارے حضرت حاجی صاحب بھی ہوں تو ہم تو حضرت حاجی صاحب کے سامنے حضرت جنید یا کسی اور کی طرف کبھی التفات بھی نہ کریں حضرت حاجی صاحب ہی کے پاس پہونچیں۔ ہاں حضرت حاجی صاحب کو چاہیئے کہ وہ ادھر التفات کریں۔ کیونکہ وہ ان کے پیر ہیں۔ ہمیں تو اپنے حضرت حاجی صاحب ہی سے مطلب ہے۔

(۵) انبہٹہ میں ایک صاحب تھے جن کا نام منشی تجمل حسین صاحب تھا اعلیحضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت تھے ان کی عادت تھی کہ درویشوں سے بہت ملتے تھے اِدھر اُدھر مارے پھرتے تھے ان کی بیوی نے ایک دفعہ حضرت اقدس سے اس کی شکایت کی۔ حضرت نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیوں ادھر اُدھر پھرتے ہو، عرض کیا کہ اس میں شک نہیں کہ ہمارے حضرت کے برابر کوئی کامل نہیں، اللہ کے فضل سے سب کچھ موجود ہے لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ میرا قلب جاری ہو جائے۔ اس کی فکر میں اِدھر اُدھر پھرتا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ میاں اس میں کیا رکھا ہے، عرض کیا کہ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس میں واقعی کچھ نہیں رکھا لیکن اس کو میں کیا کروں کہ جی چاہتا ہے، حضرت نے فرمایا کہ اچھا جاؤ مسجد میں جا بیٹھو وہ مسجد میں جا بیٹھے، ادھر حضرت وضو کر کے کھڑاؤں پہن کر مسجد کی طرف چلے، کھڑاؤں کی کھٹ کھٹ سُنی تھی کہ اِدھر ان کا قلب جاری ہو گیا۔ دوڑ کر حضرت کے قدم پکڑ لیے کہ میں جو چاہتا تھا وہ حاصل ہو گیا اب میں کسی سے نہیں ملوں گا۔ چنانچہ پھر ادھر اُدھر پھرنا بند کر دیا۔

(۶) قاضی اسمٰعیل صاحب منگلوریؒ نے ایک مرتبہ حضرت اقدس گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت کبھی کبھی طالبین کو توجہ بھی دیدیا کیجئے۔ فرمایا میں جوگیوں کا سا عمل کیوں کروں؟ اس پر انھیں تعجب ہوا کہ مشائخ کے معمول کو جوگیوں کا عمل فرما دیا۔ پھر دیوبند میں جب بڑا جلسہ ہوا۔ اس میں حضرت کا وعظ ہوا یہ قاضی صاحب بھی اس میں شریک تھے، وہاں حضرت کے وعظ کے مضمون پر ایسا اثر ہوا کہ لوگوں پر گریہ و بکا کی حالت طاری تھی اور بے اختیار تڑپ رہے تھے اور لوٹ رہے تھے، اس وقت بعض اہل باطن کو جو اس وعظ میں شریک تھے یہ محسوس ہوا کہ حضرت مجمع کی طرف اس غرض سے متوجہ ہیں کہ ان کو سکون ہو۔ جب وعظ ختم ہوا تو قاضی اسمٰعیل صاحب حضرت کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہاں مولوی صاحب! بس کبھی کبھی یوں کردیا کرو۔ حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں نے کیا کیا، میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔

(۷) ایک بے تکلف دیہاتی نے حضرت سے بمقام آبہ جب کہ خدام بدن دبا رہے تھے، سوال کیا کہ مولوی جی تم تو بہت ہی دل میں خوش ہوتے ہوگے کہ لوگ خوب خدمت کر رہے ہیں۔ فرمایا بھائی! جی تو خوش ہوتا ہے کیونکہ راحت ملتی ہے۔ لیکن الحمدللہ بڑائی دل میں نہیں آتی۔ یہ دل میں نہیں آتا کہ میں بڑا ہوں اور جو خدمت کر رہے ہیں وہ مجھ سے چھوٹے ہیں۔ یہ سُن کر وہ گاؤں والا کیسا صحیح نتیجہ نکالتا ہے۔ بولا کہ اجی اگر یہ دل میں نہیں آتا تو بس پھر خدمت لینے میں کچھ ہرج نہیں۔

(۸) سفر حج میں ایک مرتبہ امام ربانی ململ کا باریک کرتہ پہنے ہوئے طواف

میں مشغول تھے۔ مطاف میں ایک نابینا بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، جس وقت شوط میں آپ کا گذران بزرگ پر ہوا تو اُنھوں نے ایک کلمہ (خش خش) کہا جس کی طرف حضرت امام ربانی کو محویت واستغراق کی وجہ سے خیال بھی نہ ہوا۔ دوسرے شوط میں جب دوبارہ اُنھوں نے وہی کلمہ کہا تو آپ نے غور سے سُنا، اور سمجھا کہ مخاطب میں ہی ہوں، جب آپ نے ان کی طرف دیکھا تو وہ بزرگ فرمانے لگے کہ صالحین کا لباس پہنا کیجئے۔ آپ نے اپنے ململ کے کرتہ کی جانب اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ بھی صالحین ہی کا لباس ہے ان بزرگ نے فرمایا نہیں نہیں موٹا دبیز، امام ربانی یہ فرماکر کہ بہت اچھا خدا آپ کو برکت دے اپنے طواف میں مشغول ہوگئے اور شوط پورا فرمایا

(۹) ایک مرتبہ آپ کو نانوتہ یا رامپور تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا، سردی کا موسم تھا، صبح کے وقت گاڑھے کی میلی دوہر اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے، آپ کے دائیں اور بائیں جانب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور جناب حکیم ضیاء الدین صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک صاحب آئے اور دائیں بائیں دونوں حضرات سے مصافحہ کیا مگر حضرت امام ربانی کو عامی آدمی سمجھ کر باوجود بیچ میں بیٹھے ہوئے ہونے کے چھوڑ دیا۔ آپ کے استاذ زادے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب چونکہ آپ سے بہت بے تکلف تھے اس لئے مسکرائے، حضرت امام ربانی نے مطلب سمجھ لیا۔ اور ارشاد فرمایا الحمدللہ مجھے اس کی تمنا نہیں ہے کہ لوگ مصافحہ کیا کریں۔

(۱۰) ایک مرتبہ اشراق کی نماز سے فارغ ہوکر آپ باہر تشریف لائے اور معمول کے خلاف چادر سے منہ ڈھانپ کر لیٹ رہے، ایک دن پہلے کرنال سے ایک برات گنگوہ میں آئی تھی جس میں رقاصہ بھی ساتھ تھی، اس برات میں آنے والے چند

آدمی حضرت امام ربانی کے واقف کار بھی تھے جو صبح کو سلام کے لئے حاضر آستانہ ہوئے، دیکھا تو حضرت چادر سے منہ ڈھانپے ہوئے لیٹے ہوئے ہیں۔ دیر تک یہ لوگ بیٹھے رہے مگر آپ نے منہ نہ کھولا۔ آخر ایک صاحب بولے کہ حضرت ہم تو زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے، آپ نے منہ ڈھانپے ہوئے رنج اور غصہ کے ساتھ جواب دیا کہ میری زیارت میں کیا دھرا ہے؟ آخر اس مجمع کے ایک سفید ریش شخص نے سمجھا کہ رقاصہ کا ساتھ لانا اس محرومیت کا سبب ہے۔ پس معذرت کے طور پر عرض کیا کہ حضرت ہم تو رنڈی کو ساتھ لائے نہیں، بیٹی والوں کی حرکت ہے۔ آپ نے بیساختہ ارشاد فرمایا کہ میاں بیٹی والے کسی کے خدا تو ہیں نہیں کہ ان کا کہنا مانا ہی جاوے، اس جواب کا حاضرین پر اس درجہ اثر ہوا کہ بہتیرے دل بھر آئے، آخر جب لوگ چلے گئے تو آپ نے چادر منہ سے ہٹائی اور اٹھ بیٹھے۔

(۱۱) آپ کے جد امجد حضرت شاہ عبدالقدوس کا عرس جس کے بند کرنے پر آپ قادر نہ تھے اس درجہ آپ کو اذیت پہنچاتا تھا کہ آپ کو صبر کرنا دشوار تھا اور آپ کے لئے زبردست مجاہدہ تھا، اول اول آپ ان دنوں میں گنگوہ چھوڑ دیتے اور رامپور تشریف لے جاتے۔ مگر آخر میں اس ایذار قلبی کے برداشت کی آپ کو تکلیف دی گئی تو یہ زمانہ بھی آپ کو اپنی خانقاہ میں رہ کر گذارنا پڑا۔ اس موسم میں آپ کو اپنے منتسبین کا آنا بھی اس درجہ ناگوار ہوتا تھا کہ آپ اکثر ناراض ہو جاتے اور ترکِ تکلم فرما دیتے تھے، ایک بار جناب مولانا مولوی محمد صالح صاحب جالندھری (جو حضرت امام ربانی کے خلفاء و مجازین میں سے ہیں) آپ کی زیارت کے شوق میں بیتاب ہو کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے، اتفاق سے عرس کا زمانہ تھا، اگرچہ آنے والے

خادم کو اس کا وہم بھی نہ گذرا، مگر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اپنے شیدائے سُنّت دل کے ہاتھوں مجبور تھے آپ سے یہ نہ ہو سکا کہ ان کی مزاج پُرسی کریں یا محبت و مدارات سے پیش آئیں، آپ نے بجز سلام کا جواب دینے کے ان سے یہ بھی نہ پوچھا کہ روٹی کھائی یا نہیں، اور کب آئے یا کیوں آئے۔

مولوی محمد صالح کو دو دن اسی طرح گذر گئے، حضرت کا رُخ پھرا ہوا دیکھا جس درجہ ان کو شاق گذر رہا تھا اس کو انہی کے دل سے پوچھنا چاہیئے، ہر چند اس کی وجہ سوچتے مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتی تھی، حاضر خدمت ہوتے اور خاموش بیٹھ کر رنجیدہ اور محزون واپس آجاتے، آخر اس حالت کی تاب نہ لاکر حاضر خدمت ہوئے اور رو رو کر عرض کیا کہ حضرت مجھ سے کیا قصور ہوا جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ میں تو اس کا متحمل نہیں ہو سکتا، اللہ واسطے معاف فرمائیں، اس وقت حضرت نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ میرا قصور نہیں جس کو میں معاف کر دوں خدا کی خطا ہے اس سے معافی چاہو، اس وقت میں سمجھا کہ عرس کے ایام میں میرا گنگوہ آنا آپ کو ناگوار گذرا، چنانچہ معذرت کے طور پر عرض کیا کہ حضرت خدا شاہد ہے مجھے تو عُرس وغیرہ کے ساتھ ابتداہی سے شوق نہیں، واللہ نہ میں اس وقت اس خیال سے گنگوہ آیا اور نہ آج کل یہاں عرس ہونے کا مجھے علم تھا۔

حضرت امام ربانی نے فرمایا اگرچہ تمہاری نیت عرس میں شرکت کی نہیں تھی مگر جس راستے میں دو آدمی عُرس کے آنے والے آرہے تھے اسی میں تیسرے تم تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، من کثر سواد قوم فہو منہم۔

(۱۲) ایک مرتبہ دیوبند کے جلسۂ دستار بندی میں آپ تشریف لے گئے۔

تو غالباً عصر کی نماز میں ایک دن ایسا اتفاق پیش آیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نماز پڑھانے کے لئے مصلے پر جا کر کھڑے ہوئے، مخلوق کے اژدہام اور مصافحہ کی کثرت کے باعث جلدی کرنے کے باوجود جس وقت آپ جماعت میں شریک ہوئے تو قرأت شروع ہوگئی تھی، سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا تو آپ اداس تھے اور چہرہ پر اضمحلال برس رہا تھا اور آپ رنج کے ساتھ یہ الفاظ فرما رہے تھے کہ افسوس بائیس ۲۲ سال کے بعد آج تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی۔

(۱۳) ایک مرتبہ حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے ایک گھڑا[1] بھر کر غسالہ شریفہ کا بھیجا جس وقت اہتمام کے ساتھ وہ گنگوہ پہنچا آپ نے فوراً اس کو کھلوایا اور سبیل لگادی اس دن جو بھی آیا سلام کے جواب کے بعد آپ کا یہ ارشاد ہوتا، میاں مولوی یحییٰ ان کو بھی پانی پلاؤ، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ بندہ بھی خوش نصیبی سے اس دن جا پہنچا اور تبرک سے فیضیاب ہوا میں دیکھ رہا تھا کہ نو وارد مہمان آتے تھے اور آپ کے فرمان کے مطابق پانی پیتے جاتے تھے۔

(۱۴) ایک مرتبہ ایک نابینا شخص آپ کی خانقاہ میں آیا اور اپنے اخلاص و اشتیاق زیارت کا بہت ہی مبالغہ کے ساتھ اظہار کیا اور کہا کہ پا پیادہ میرٹھ سے روانہ ہو کر گنگوہ پہنچا ہوں صرف اس لئے کہ اللہ کا نام سیکھوں، یہاں تک کہ

---

[1] بروایۃ مولانا الحاج مفتی محمود الحسن صاحب از حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہٗ یہ غسالہ موئے مبارک کی ایک شیشی تھی جس کو گھڑے میں ڈلوادیا گیا تھا۔

اہل خانقاہ اس کے عاشقانہ شوق سے متاثر ہوئے اور حسب وسعت خاطر و مدارات کی، جب اذان ہوئی اور حضرت مسجد میں تشریف لائے تو اس شخص نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے حضرت نے ہاتھ جھٹک دیئے اور بہت بے پروائی کے ساتھ اپنے سے علیحدہ کر دیا، ہر چند کہ اس نے اپنی طلب کا سچا ہونا اور مدت دراز سے زیارت کا متمنی و آرزو مند ہونا ظاہر کیا، مگر حضرت نے آنکھ بھی توجہ نہیں فرمائی جتنی کسی فارغ الذہن اجنبی آنے والے کی جانب ہوتی تھی جنہوں نے اس نو وارد کو اس کی لسّانی اور گریہ تصنع کے سبب حضرت کا عاشق زار سمجھا تھا ان کو تعجب بھی ہوا مگر کس کو ہمت تھی کہ لب ہلائے، بعض مخلصین نے سفارش بھی کی کہ حضرت نابینا مایوسی کے سبب بہت پریشان ہے

مگر حضرت کو سفارش

بھی ناگوار گذری اور غصہ کے ساتھ فرمایا کہ جب تمہیں دخل نہیں تو اس کام میں بولا کیوں کرتے ہو، اس کے قلب کو تو دیکھو دُنیا بھری پڑی ہے۔ پھر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ کچھ عرض کرتا۔ آخرکار وہ نابینا چلا گیا، دس بارہ روز ہی گذرے تھے کہ عرس کا زمانہ آگیا۔ دیکھا تو اس میں نابینا موجود تھے، اور قوالی میں خوب خوب حال لاتے تھے۔ صوفی کرم حسین صاحب جو ابتدائی قصہ دیکھ چکے اور متعجب ہوئے تھے یہ حالت دیکھ کر دم بخود رہ گئے اور موقع پا کر نابینا سے کہنے لگے" میاں حضرت کے ساتھ وہ شوق و ولولہ کہاں گیا؟ بیچارے تھے راست گو کہنے لگے بھیا یہ تو یاروں کے دھندے ہیں، خیال تھا کہ تمہارے میاں صاحب پر سکہ جم جائے گا تو آؤ بھگت کے ساتھ چند روز گذر جائیں گے، پھر عرس کا وقت آئے گا اور یہاں

حال وقال میں بھرم بندھے گا، باقی کیسا شوق اور کیسی تمنائے زیارت، ہم تو سیاح آدمی ہیں یوں ہی گذارتے پھرتے ہیں۔"

فرمودات وارشادات

(۱) فرمایا کہ نسبت قربِ الٰہی کا نام ہے۔ اس کو کوئی سلب نہیں کر سکتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز حق تعالیٰ بندہ کو عطا فرمائیں تو دوسرا کون ہے جو اس کو سلب کرے۔

(۲) حضرت امام ربانی کے یہاں لوگ آکر اپنے حالات بیان کرتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ دوسروں کی شکایات بھی کر دیا کرتے تھے، حضرت نہایت سکون کے ساتھ سب کو سنتے، ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت سے لوگ اپنی شکایات بیان کرتے ہیں اور آپ دونوں فریق کی سن لیتے ہیں، حضرت پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا؟ فرمایا میں یہ سمجھ لیتا ہوں کہ ان دونوں میں رنجش ہے، اس لئے جب تک دوسرے کی نہ سن لوں کیسے یقین کر لوں۔

(۳) اوائل عمر میں حضرت امام ربانی نے طریقت کی ماہیت کے متعلق ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے، فرمایا:

صوفیہ کا علم نام ہے ظاہر و باطن علم دین اور قوت یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے، صوفیہ کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا ہے۔ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔ صوفیہ کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق ہے حسب فرمان خداوند تعالیٰ کہ بے شک تم بڑے خلق پر پیدا کئے گئے ہو اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے اس

پر عمل اخلاق صوفیہ میں داخل ہے۔ صوفیہ کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے اپنے[1] آپ کو کمتر سمجھنا، اور اس کی ضد ہے تکبر۔ مخلوق[2] کے ساتھ[3] تلطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت کرنا۔ نرمی[4] اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غیظ و غضب کا چھوڑ دینا، ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا خلق پر فرط شفقت کے ساتھ جس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے۔ سخاوت[5] کرنا، درگذر اور[6] خطا کا معاف کرنا، خندہ[7] روئی اور بشاشت جسم، سہولت[8] اور نرم پہلو رکھنا، تصنع[9] اور تکلف چھوڑ دینا، خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو، خدا[10] پر بھروسہ رکھنا، تھوڑی[11] سی دنیا پر قناعت کرنا، پرہیزگاری[12] اختیار کرنا، جنگ[13] و جدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ، بغض[14] و کینہ و حسد نہ رکھنا، عزت[15] و جاہ کا خواہشمند نہ ہونا، وعدہ[16] پورا کرنا، بردباری[17]، دور اندیشی[18]، بھائیوں[19] کے ساتھ موافقت و محبت رکھنا۔ اور اغیار سے علیحدہ رہنا، محسن[21] کی شکر گذاری اور جاہ کا مسلمانوں کے لئے خرچ کرنا، صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنا لیتا ہے اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے، بارگاہ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے منہ پھیر لیا جائے، شرم کے مارے حق تعالیٰ کے اجلال و ہیبت کے سبب، بدترین معصیت تحدیث نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا اور ظلمت کا سبب ہے۔

(۴) مولانا ولایت حسین صاحب نے ایک بار دریافت کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ شیطان پیر کی صورت نہیں بنا سکتا کیا یہ صحیح ہے؟ فرمایا ہاں اگر مرید کو توحید

مطلب حاصل ہوا اور اس کے معنی یہ ہیں کہ مرید کا اعتقاد پیر کے ساتھ اس قدر راسخ ہو کہ دُنیا کے اندر اس کے سوا کسی کو ذریعہ ہدایت نہ سمجھتا ہو۔

(۵) فرمایا جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں، قبر کے اندر ان کا مُنہ قبلہ سے پھر جاتا ہے، اور فرمایا جس کا جی چاہے دیکھ لے غیر مقلدین چونکہ ائمہ دین کو بُرا کہتے ہیں اس لئے ان کے پیچھے بھی نماز پڑھنی مکروہ ہے۔

(۶) ایک دن مولانا محمد حسن صاحب مرادآبادی نے دریافت کیا کہ حضرت کیا ذکر ولادت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بلا رعایت مروجہ کتاب میں دیکھ کر بیان کر دینا جائز ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں کیا حرج ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ پیرزادے سلطان جہاں نے کہلا بھیجا کہ مولود جو جائز ہے پڑھ کر دکھلا دیجئے میں نے کہلا بھیجا کہ یہاں مسجد میں چلے آؤ مگر اُنھوں نے عذر کر دیا کہ عورتیں بھی سننے کی مشتاق ہیں اس لئے مکان میں ہو تو مناسب ہے۔ میں نے (حضرت اقدس مولانا) مولوی خلیل احمد (سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ) کو تاریخ حبیب الہٰ مصنفہ مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم دے کر کہا کہ تم ہی جا کر پڑھ دو وہ گئے تو وہاں دری بچھی ہوئی تھی، صاحب مکان نے کہا اگر یہ بھی ممنوع ہو تو اس کو بھی اُٹھا دوں مولوی صاحب نے کہا "نہیں" آخر مولود شروع ہوا پہلے آیۃ کریمہ لقد جاءکم رسول الخ کا بیان فرمایا اور حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے اقوال وافعال بیان کئے پھر بدعات مروجہ کا بیان فرمایا، اور متصوفین زمانہ کی خوب قلعی کھولی اس کے بعد تاریخ حبیب اللہ سے واقعات وولادت وغیرہ بیان کر کے ختم کر دیا، جن لوگوں کے حق میں مولوی

صاحب کی تقریر لاحول کا کام دے رہی تھی وہ تو صاحب مکان سے بہت ناراض ہوئے کہ تم نے اپنے مکان پر بلا کر ہمیں رُسوا کر دیا مگر فی الحقیقۃ اس مولود سے بہت نفع ہوا، بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ منکرین مولود سرے سے مولود ہی کے منکر ہیں، چنانچہ بہت سے لوگوں کے دلوں سے یہ بات نکل گئی۔

(۷) فرمایا حق تعالیٰ جس کے دل سے کبر نکالدے تو سب کچھ ہے۔

خلفاء و مجازین

حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہ و اعلی اللہ مراتبہ کے فیض تربیت سے جن لوگوں کو اقصائے مراتب پر پہنچایا وہ یہ حضرات ہیں۔

(۱) حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب مدنیؒ

(۲) شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ

(۳) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ

(۴) حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹویؒ

(۵) حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا الحاج سید حسین احمد مدنیؒ

(۶) حضرت مولانا الحاج محمد روشن خاں صاحب مرادآبادیؒ

(۷) حضرت مولانا الحاج محمد صدیق صاحب مہاجر مدنی الہ آبادیؒ

(۸) مولانا الحاج حکیم محمد اسحٰق صاحب نہٹوری۔ نور اللہ مراقدہم

ان کے علاوہ تقریباً بائیس ۲۲، تئیس ۲۳ کے قریب حضرات اور بھی ہیں جو بارگاہ رشیدی کے تربیت یافتہ اور اس دربارِ گوہر بار سے اجازت یافتہ ہیں، جن کے اسماء تذکرۃ الرشید میں مذکور ہیں، ہمارے سلسلہ میں چونکہ حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا نام مبارک آتا ہے۔ اس لئے اب انکی زندگی کے پیارے حالات سپردِ قلم کئے جاتے ہیں ؛

(۴۳) حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ

حافظ القرآن والحدیث حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب بن شاہ مجید علی بن شاہ احمد علی ایوبی انصاری کی ولادت باسعادت اواخر صفر ۱۲۶۹ھ مطابق اوائل دسمبر ۱۸۵۲ء میں انبہٹہ ضلع سہارنپور میں ہوئی، آپ کی والدہ ماجدہ بی مبارک النساء مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس دار العلوم دیوبند کی حقیقی بہن اور استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب کی بیٹی تھیں، عمر مبارک نے جب پانچویں سال میں اپنا قدم رکھا تو آپ کو مکتب میں بٹھا کر قاعدہ شروع کرا دیا گیا تبرکاً بسم اللہ حضرت مولانا مملوک علی صاحب نے کرائی۔ فطرتاً ذہین اور ذکی ہونے کی وجہ سے بہت جلد قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا، ابتدائی کتب اردو، فارسی کی تعلیم انبہٹہ اور نانوتہ میں مختلف علمائے قصبہ سے پڑھیں اس کے بعد اپنے چچا مولانا انصار علی صاحب کے ساتھ گوالیار تشریف لے گئے اور وہاں پہونچکر میزان الصرف صرف میر، اور پنج گنج سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کے والد محترم شاہ مجید علی صاحب ترک ملازمت کر کے وطن چلے آئے تو آپ کو گوالیار سے واپس بلالیا

اور اپنی نگرانی میں رکھ کر آپ کی تعلیم مولانا سخاوت علی صاحب انبہٹوی کے حوالہ کردی، اس درمیان میں آپ کے بعض اعزہ نے اصرار کرکے آپ کو انگریزی اسکول میں داخل کرادیا۔ ہر چند کہ اس تعلیم دنیاوی سے آپ کو لگاؤ نہیں تھا اور اپنے حق میں اس کو وبال سمجھتے تھے مگر بڑوں کی تعمیل حکم میں انگریزی شروع کردی مگر دل اُچاٹ اور طبیعت رنجیدہ رہتی تھی اور وہ طبیعت جو علوم عربیہ کی متلاشی اور علم دین کی خوگر ہو چلی تھی وہ انگریزی تعلیم کو ایک منٹ بھی برداشت نہیں کر رہی تھی، جی چاہتا تھا کہ کاش دینی تعلیم کا کوئی بہترین نظام بن جائے تو انگریزی سے چھٹکارا ملے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ماہ محرم ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کا افتتاح عمل میں آیا اور اس کے صدر مدرس آپ کے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب منتخب ہوئے تو پھر آپ نے انگریزی تعلیم کو خیرباد کہا اور والدین سے اجازت لے کر دیوبند تشریف لائے اور کافیہ وغیرہ سے دینی تعلیم شروع کی۔

دارالعلوم کے قیام کے چھ ماہ بعد رجب ۱۲۸۳ھ میں مظاہر علوم کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور یہاں بھی حضرت اقدس کے دوسرے ماموں حضرت مولانا محمد مظہر صاحب صدر مدرس وخلیفہ مجاز حضرت اقدس گنگوہی تجویز ہوئے، آپ کے مبارک ہاتھوں چونکہ مظاہر علوم کو پروان چڑھنا تھا اس لئے قدرت کو یہی منظور ہوا کہ آپ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی مظاہر کے خوشہ چیں اور اس کے تربیت یافتہ ہوں، چنانچہ آپ دارالعلوم سے مظاہر علوم میں چلے آئے اور مختصر المعانی کی جماعت میں شامل ہوگئے اس کے بعد اخیر تک جملہ علوم عالیہ ودینیہ، فقہ، تفسیر حدیث مظاہر علوم ہی میں رہ کر پڑھیں اور فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں پانچ روپے ماہانہ معین مدرس مقرر کر دیئے

گئے۔ یہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء کا سال ہے جب کہ حضرت قدس سرہٗ کی عمر مبارک انیس ۱۹ سال کی تھی۔ اس کے بعد آپ علوم ادبیہ حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کے مشہور ادیب مولانا فیض الحسن صاحب کی خدمت میں تشریف لے گئے جو اس وقت اورینٹل کالج لاہور کے پروفیسر اور علوم مشرقیہ کے ایک مانے ہوئے استاذ تھے۔ لاہور چند ماہ قیام کے بعد دیوبند تشریف لے آئے اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے امتثال امر میں قاموس کا اردو ترجمہ کرنے کے لئے منصوری پہاڑ پر دس ۱۰ روپے مشاہرہ پر تشریف لے گئے۔ وہاں دو تین ماہ قیام کی نوبت آئی تھی کہ منگلور کے مدرسہ عربیہ میں مدرس کی طلب ہوئی اور آپ کو صدر مدرس بنا کر وہاں بھیج دیا گیا۔

چونکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ولایت خاصہ آپ کے مقدر میں لکھی تھی اور شیخ وقت ہونا آپ کے لئے تقدیری چیز تھی۔ اس لئے منگلور کے زمانہ قیام میں اس نور حقیقی کی طلب کا داعیہ قلب میں پیدا ہوا۔ جس کی تفصیل خود تذکرۃ الرشید میں حضرت نے اپنے قلم سے اس طرح تحریر فرمائی ہے۔

اتفاقاً انہی ایام میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رُوڑکی تشریف لائے اور حسب استدعائے بندہ واپسی میں منگلور قیام فرمایا۔ بندہ نے شب کو تنہائی میں عرض کیا کہ المستشار موتمن بطور مشورہ عرض ہے کہ مجھ کو خیال بیعت ہے اور ہمارے نواح میں چند بزرگ ہیں، آپ اور مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا شیخ محمد صاحب اور قاضی محمد اسمٰعیل صاحب، میں نہیں جانتا کہ میرے لئے کیا بہتر ہے، اگر آپ کے نزدیک میرے حق میں آپ کے خدام کے سلسلہ میں داخل ہونا بہتر ہو تو مجھ کو اپنی خدمت میں قبول فرمائیے ورنہ جو ام میرے لئے بہتر ہو مجھ کو

فرمائیے۔ اسکے جواب میں حضرت مولانا نے طویل تقریر فرمائی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ مولانا رشید احمد صاحب سے اسوقت کوئی بہتر نہیں ہے میں نے عرض کیا کہ وہ تو بیعت کرنے سے نہایت کارہ ہیں آپ ہی اگر سفارش فرمادیں گے تو یہ امر طے ہوگا۔ فرمایا اچھا جب میں گنگوہ آؤں اسوقت چلے آنا چنانچہ میں متلاشی رہا چند روز بعد مجھکو حضرت مولانا کے گنگوہ جانے کی خبر معلوم ہوئی، میں بھی فوراً پہنچا اور عرض کیا الکریم اذا وعد وفی۔ تبسم کرکے فرمایا کہ بہتر ہے پھر صبح کو حضرت سے باتیں کرکے مجھکو بلایا، میں حجرہ میں حاضر ہوا، مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے سلام کرکے بیٹھ گیا، حضرت امام ربانی نے ذرا تبسم کے ساتھ فرمایا کہ مجھ سے تو یہ جلاہے وغیرہ مُرید ہوجاتے ہیں اور تم خود پیرزادہ ہو اور چناں ہو چنیں ہو تم مجھ سے کیوں بیعت ہو، کچھ تو مجھ پر حاضر ہوتے ہی رعب و ہیبت کے آثار تھے۔ اس کلام نے اور بھی رہے سہے ہوش اڑادیئے اور بجز اس کے کچھ عرض نہ کرسکا۔ اسکے کچھ عرض نہ کرسکا کہ حضرت میں تو ان سے بھی زیادہ بدتر و حقیر ناکارہ ہوں فرمایا کہ بس بس اچھا استخارہ کرلو۔ میں مسجد میں آتا ہوں، میں نے اسی وقت مسجد میں جاکر وضو کرکے دو رکعتیں پڑھ کر دعاء استخارہ مسنونہ پڑھیں، اتنے میں حضرت تشریف لائے، فرمایا کیا رائے ہے؟ عرض کیا کہ وہی رائے ہے غلامی میں داخل فرمالیجئے، چنانچہ حضرت نے توبہ کرائی اور سلسلہ غلامی میں داخل فرمالیا۔

اسی دوران میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں ملازمت کے لیے تین سو روپے مشاہرہ پر مولانا جمال الدین صاحب مدارالمہام کی جانب سے اصرار ہوا، باوجودیکہ اس وقت مولانا محمد یعقوب صاحب تیس روپے مشاہرہ پر دیوبند میں ملازم تھے مگر انکار کردیا، اس پر مدارالمہام صاحب کا اصرار ہوا۔ کہ حضرت اپنے کسی معتمد کو بھیجدیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت اقدس سہارنپوری کو تجویز فرماکر

حضرت گنگوہی کی اجازت کے بعد ۱۲۹۳ھ میں پچاس روپے مشاہرہ پر بھیجا، مگر آب وہوا کی ناموافقت اور نیز اس بنا پر کہ انوار وتجلیات کی جو بارشیں خطۂ دیوبند وسہارنپور اور اُن کے نواح میں تھیں وہاں نہ مل سکیں اس لئے حضرت امام ربانی سے استعفاء دینے کی اجازت چاہی، حضرت امام ربانی نے جو جواب تحریر فرمایا تھا وہ یہ تھا:۔

برادرم مولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضہم!

بعد سلام مسنون! مطالعہ فرمائید آج خط آیا حال معلوم ہوا۔ درصورت کہ ہوا وہاں کی آپ کو موافق نہیں تو ترک وہاں کا ضروری ہے کہ اس جگہ کا کہ ہوا ناموافق ہو ترک کرنا بحکم حدیث ثابت ہے مگر چونکہ معاش کا قصہ نازک ہے۔ لہٰذا جب تک دوسری جگہ سامان نہ ہو جائے ترک مناسب نہیں۔ اس واسطے چندے وہاں کا قیام مناسب ہے۔ مرادآباد میں آپ کی طلب بہت رہی، اب وہاں مولوی عبدالحق پوری آگئے ہیں مگر جیسا چاہیے ویسا کام ان سے نہیں ہوتا اگر مناسب ہوا وہاں یا دوسری جگہ تدبیر اس کی کرتا ہوں تجویز ہو کر مطلع کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ، فقط ۸ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ بروز جمعہ۔

حضرت سہارنپوری امام ربانی کے تعمیل ارشاد میں بھوپال میں قیام پذیر رہے حج کا موسم آنے پر حضرت پر حاضری حرمین کا شوق وجوش سوار ہوا اور رخصت کی درخواست دیدی اور روانہ ہوگئے مکہ مکرمہ پہونچکر سید الطائفہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پہنچے اور اس عالی دربار کا تو پوچھنا ہی کیا انوار باطنیہ سے لطف اندوز ہوگئے۔ یہ حضرت کا پہلا سفر حج تھا۔ حج سے فراغت کے بعد مدینہ پاک

حاضری ہوئی، مدینہ پاک کا راستہ اس وقت بہت خطرناک تھا بڑی قتل وغارت گری ہو رہی تھی۔ اس بنا پر اعلیٰ حضرت نے آپ کا عندیہ دریافت کرنے کے لئے فرمایا کہ مولوی خلیل احمد کہو کیا ارادہ ہے۔ سنتا ہوں کہ مدینہ منورہ کے راستہ میں امن نہیں اس لئے حجاج بکثرت واپس وطن جا رہے ہیں۔ حضرت نے جواباً فرمایا اور عجیب ہی عاشقانہ جواب دیا کہ حضرت میرا قصد تو مدینہ طیبہ کا پختہ ہے کہ موت کے لئے جو وقت مقدر و مقرر ہو چکا وہ کہیں بھی نہیں ٹل سکتا اور اس راستہ میں آجائے تو زہے نصیب کہ مسلمان کو اور چاہیئے کیا اللہ کا فضل ہے کہ اس نے یہاں تک پہنچا دیا اب اگر موت کے ڈر سے مدینہ طیبہ کا سفر چھوڑ دوں تو مجھ سے زیادہ بدنصیب کون ہوگا؟ یہ جواب سنکر حضرت کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور فرمایا بس بس تمہارے لئے یہی رائے ہے کہ ضرور جاؤ۔ اور انشاء اللہ پہنچو گے چنانچہ بڑے اطمینان اور خیر و عافیت سے مدینہ طیبہ پہنچے تقریباً دو ہفتہ قیام فرما کر بخیریت تمام وطن پہونچ گئے۔ سفر سے مراجعت کے بعد آپ نے بھوپال کا ارادہ نکال دیا اور چند روز اپنے وطن انبہٹہ رہ کر جمادی الاولی ۱۲۹۴ھ میں سکندر آباد ضلع بلند شہر تشریف لے گئے اور وہاں عربی مدرسہ میں تدریس کی خدمات انجام دیں۔

ہمارے حضرات اکابر نور اللہ مراقدہم و اعلیٰ اللہ مراتبہم سے اہل بدعت کو جو پرخاش بغض و عناد کی حد تک ہے اس نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور مبتدعین کی طرف سے مخالفت اور ایذا رسانی کا سلسلہ شروع ہوا جو دن بدن بڑھتا ہی گیا، حضرت نے امام ربانی کی خدمت میں پورے حالات لکھ کر اجازت چاہی کہ مستعفی ہو کر واپس آجائیں مگر حضرت نے اسے قبول نہیں فرمایا اور تحریر فرمایا کہ

مولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
آپ کے نامہ نے ورود کیا حال معلوم ہوا۔ قصہ جدید سے کچھ آپ وحشت نہ کریں عالم میں موافق و مخالف دونوں ہوتے رہیں۔ آپ اپنا کام کیے جائیں اگر مخالف بر سرپرخاش رہیں تو موافق بر سر نگہداشت ہیں جب تک ہوا اپنی طرف سے ترک مت کرو، رہا اطفال کا اور ہدیہ ورثہ اطفال کا لینا جائز ہے۔ کچھ اندیشہ نہیں، پہلے خط میں لکھنا سہو ہوا تھا فقط۔ مکرر اس شکایت کی رفع اور تکذیب میر قادر علی سے اگر مناسب ہو کسی کی زبانی کرا دیجیو۔ گو نافع نہ ہو اپنی طرف سے سب کو راضی رکھنا بہتر ہے شاید کچھ نافع ہو جائے۔ قال اللہ تعالےٰ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم۔ الخ مگر اس فرقہ کا راضی ہونا متوقع نہیں۔ خصوصاً جب واعظ ان کے ترغیب دینے والے دورہ کرتے ہوں۔

فقط والسلام، روز جمعہ ۸ جمادی الثانیہ ۹۴ھ (۲۹ جون ۷۷ء)

ارباب سکندرآباد کا جب عناد حد سے فزوں تر ہو گیا تو حضرت امام ربانی کی اجازت پر آپ استعفاء دیکر واپس تشریف لے آئے۔ حسن اتفاق سے اسی سال ہندوستان سے اکابرین کا قافلہ حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوا۔ حضرت سہارنپوری نے ان کی معیت میں جانے کے لیے حضرت امام ربانی سے اجازت چاہی مگر انتظامی مشکلات کی وجہ سے حضرت نے انکار فرما دیا اور اجازت نہیں دی۔ یہ قافلہ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ میں واپس آیا، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب جو اس قافلہ کے ایک رُکن تھے ان کو حجاز سے واپسی پر مولانا شمس الدین صاحب چیف جج بہاولپور کا ایک خط ملا کہ ایک قابل ہمہ اوصاف مدرس کی ضرورت ہے جس کی صورت ہی سے طلبا نیک روی اور نیک چلنی کا سبق حاصل کریں،

قرعۂ [redacted]ال حضرت اقدس سہارنپوری کے نام نکلا اور آپ تیس ۳۰ روپے مشاہرہ پر
بھاولپور تشریف لے گئے، یہیں بھاولپور سے حضرت دوسرے سفرِ حج کے لئے
روانہ ہوئے۔ اس روانگی کی تاریخ حضرت نے اپنی بیاض میں جو تحریر فرمائی وہ
یہ تھی روانگی جانب بیت اللہ چوبیس ۲۴ شوال ۱۲۹۶ھ بروز پنجشنبہ

اسی مبارک سفر میں آپ کو اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نے خلافت واجازت سے
مرحمت فرمائی اور محرم ۱۲۹۷ھ میں خلافت نامہ اپنی مہر کے ساتھ مزین فرما کر عطا
فرمایا اور بکمال مسرت کے ساتھ اپنی دستار مبارک سر سے اُتار کر حضرت سہارنپوری
کے سر پر رکھدی۔ حضرت نے واپس آکر یہ دونوں عطیے امام ربانی کی خدمت میں
پیش کر دیئے اور عرض کیا کہ بندہ تو اس لائق نہیں یہ حضور کی بندہ نوازی ہے حضرت
امام ربانی نے جواباً فرمایا کہ تم کو مبارک ہو اس کے بعد خلافت نامہ پر دستخط فرما کر دستار
کے ساتھ آپ کو خود عطا فرمایا۔

یہ حضرت کا دوسرا حج تھا اس کے بعد سے بقیہ تمام حج سہارنپور ہی سے ہوئے
جن کی مختصر سی تاریخ ترتیب وار درج کی جاتی ہے

حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہٗ کے حادثۂ انتقال کا اثر حضرت سہارنپوری
کے قلب مبارک پر جتنا ہونا چاہیئے تھا وہ ظاہر ہے اور اس کا علاج اور سامانِ
تسلی صرف روضۂ اقدس کی حاضری ہی سے ہوسکتی تھی۔ چنانچہ آپ وسط شوال
۲۳ھ میں روانہ ہوکر بائیس ذیلقعدہ کو مکہ مکرمہ پہنچے اور حج کے بعد سات محرم
کو مدینہ منورہ پہونچکر قیام فرمایا۔ اس سفر میں خفیہ پولیس آپ کے ساتھ سائے
کی طرح لگی رہی اور ہر حرکت اس نے قلم بند کی۔ ان حالات سے متاثر ہوکر

آپ نے ترکی افسر سے فرمایا کہ عجیب بات ہے برطانوی حکومت ہم کو بہ حیثیت اتحاد مذہب ترکی کا خیر خواہ سمجھ کر بدگمان ہے اور ترکی حکومت محض ہندی باشندہ ہونے کے لحاظ سے ہم پر مطمئن نہیں پھر آخر مسلمان اپنی مذہبی زندگی عافیت کے ساتھ گذارنے کے لئے کونسا ملک ڈھونڈیں اس کا کوئی جواب اس کو بن نہ پڑا اور آپ نو ۹ مہینے قیام فرمانے کے بعد شوال ۳۲ھ میں واپس تشریف لے آئے۔

چوتھا حج آپ کا ۱۳۳۸ھ میں ہوا جس کی صورت یہ پیش آئی کہ اس مرتبہ حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم اپنے خدام اور رفقاء کی ایک بڑی جماعت کے ہمراہ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت اقدس سہارنپوری مشایعت کی غرض سے دہلی تک تشریف لے گئے۔ وہاں پہونچکر آپ پر بھی حاضری حرمین کا شوق پیدا ہوا شاید اسی کا اثر عالی جناب شاہ زاہد حسین صاحب پر ہوا کہ اُنھوں نے حضرت سہارنپوری پر اصرار کیا کہ آپ بھی اگر اس سفر میں ہمراہ چلیں تو میں بھی ہمرکابی میں چلوں۔ شاہ صاحب کے شدید اصرار پر حضرت نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور وسط ذیقعدہ میں سہارنپور سے روانہ ہو کر چھ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے۔ اور حج کے بعد ینبوع کے راستہ سے مدینہ منورہ حاضری ہوئی، بائیس دن وہاں قیام فرما کر آخر صفر ۱۳۳۹ھ میں سہارنپور واپس تشریف لائے۔

پانچواں حج وہ حج ہے جو تاریخی اعتبار سے بڑا معرکۃ الآراء ثابت ہوا۔ یہ شوال ۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہند کی معیت میں ہوا۔ یہ معیت اگرچہ ابتداء سفر میں نہ ہوسکی۔ لیکن سفر سے قبل ایک ہفتہ تک یہ چار حضرات، حضرت اقدس سہارنپوری حضرت شیخ الہند، حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب اور مولانا الحاج حکیم احمد صاحب

رامپوری صبح اشراق کے فوراً بعد مظاہر علوم کے کتب خانہ میں پہنچ جاتے اور تخلیہ میں اپنے پیش آمدہ مسائل باہم ملکر حل فرماتے کسی پانچویں شخص کو جانے کی اجازت نہ ہوتی تھی ۔ ظہر کی اذان سے کچھ دیر پہلے یہ حضرات کتب خانہ سے تشریف لاتے اور کھانے سے فارغ ہوکر نماز ادا کرتے اور پھر فوراً ہی خلوۃ گاہ میں پہونچکر عصر تک مشغول رہتے ۔

ہر شخص اس تحقیق میں لگا رہتا تھا کہ یہ مشورہ کس بات کا ہو رہا ہے ۔ مگر کسی کو پتہ نہ چلتا ۔ اس طویل مشورہ میں جو بات تجویز ہوئی وہ یہ تھی کہ حضرت اقدس شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے سفر حج کے دوران ان کی چلائی ہوئی تحریک کے نگراں اور اس کے اجراء وبقاء کے ذمہ دار اعلیٰ حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ ہوں گے ۔ اس سفر کے لئے روانگی شوال ۳۳ھ میں ہوئی ۔ وہاں پہونچکر شریف حسین کی اذیتوں اور تکلیفوں کی وجہ سے قیام مشکل ہوا تو حج سے پہلے ہی شوال ۳۴ھ میں وہاں سے چلنا تجویز ہوا ۔ چنانچہ مکہ مکرمہ سے آخر شوال میں روانگی ہوئی اور آٹھ ذیقعدہ کو حضرت کا جہاز بمبئی پہنچا ۔ بمبئی اترتے ہی آپ مع اہلیہ محترمہ اور ان کے بھائی حاجی مقبول احمد صاحب کو حراست میں لے لیا گیا اور نینی تال پہنچا دیا اور کئی دن تک پوچھ تاچھ رہی اس کے بعد آپ کو رہا کر دیا گیا ۔ اس موقعہ پر آپ پر مبتدعین وغیرہ کی جانب سے طرح طرح کے الزامات لگائے گئے ۔ آپ کو گورنمنٹ کا تنخواہ دار بتلایا گیا ۔ مگر آپ تو صبر وتحمل کے پہاڑ تھے ۔ جب بھی کوئی شخص آپ کے سامنے یہ الزامات دہراتا اور بتلاتا کہ لوگ ایسا ایسا کہتے ہیں تو آپ ہنس کر خاموش ہوجاتے ، کبھی فرمادیتے کہ میاں

بندہ کا معاملہ خدا سے صاف ہونا چاہیئے دُنیا کو کہنے دو جو چاہے کہے میرا کیا بگڑتا ہے کچھ گناہوں میں ہی کمی ہوگی۔

آپ کا چھٹا حج ۳۸ھ میں ہوا سہارنپور سے دو شعبان کو روانگی ہوئی اس سفر حج کے موقعہ پر شہرت پھیل گئی کہ آپ بقصد ہجرت تشریف لیجا رہے ہیں۔ اور اب آمد نہیں ہوگی۔ اس شہرت کا اثر یہ ہوا کہ مجمع بڑی کثرت سے آیا۔ اس سفر میں اس ناکارہ کے علاوہ جو خصوصی حضرات ہمرکاب ہوئے وہ یہ تھے۔

مولانا منظور احمد خاں صاحبؒ، قاری عبدالعزیز صاحبؒ، مولوی لطیف الرحمٰن صاحب، مولوی محمد اسحٰق صاحبؒ، مولوی حبیب احمد نانوتی اہلیہ محترمہ اور حاجی مقبول احمد صاحب۔ بمبئی میں اس زمانے میں دیوبندیوں کا علی الاعلان قیام کرنا بڑا مشکل تھا، بدعتیوں کی طرف سے جان تک کے لئے خطرات لاحق رہتے تھے۔ چنانچہ اس سے قبل حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ پر اہل بدعۃ کی جانب سے قاتلانہ ظالمانہ حملہ ہو چکا تھا۔ اس لئے بمبئی کے مخلص خدام نے شہر سے بارہ[۱۲] میل دور قبرستان میں خیمے قائم کر کے وہاں قیام کا انتظام کیا تھا۔

حضرت کا ارادہ مکہ مکرمہ میں رمضان کرنے کا تھا۔ مگر جہاز ملنے میں بڑی تاخیر ہوئی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت کے ساتھ مجمع تقریباً تین سو کے قریب تھا اور تمام رفقا کو ہمراہ لئے بغیر حضرت سفر کرنے کو پسند نہ فرماتے تھے اس لئے دو جہاز چھوڑنے پڑے اور تیسرا جہاز جو اس وقت تک بالکل خالی تھا سب رفقاء نے اسی کے ٹکٹ لئے اور روانہ ہو گئے۔ گیارہ رمضان کو مکہ مکرمہ پہنچے۔ وہ زمانہ بڑا تنگ و تاریک تھا شریف حسین کی حکومت آخری مرحلہ پر تھی۔ ہندوستانی علماء مشتبہ نظروں سے دیکھے جاتے تھے

اس لئے حضرت مولانا محب الدین صاحب خلیفہ اجل اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا۔ مولانا آپ یہاں کہاں کہاں آگیا۔ ہمارے یہاں تو قیامت کبریٰ آنیوالا ہے اور اصرار فرمایا کہ جلد ہی واپس ہندوستان چلے جاؤ۔ نہ معلوم مزید قیام کے دوران کیا حالات پیش آئیں۔ چنانچہ آپ آخر محرم ۱۳۳۹ھ میں وہاں سے روانہ ہوکر شروع صفر میں سہارنپور تشریف لے آئے۔

ساتواں حج جو عمر شریف کا آخری حج ہے ۱۳۴۴ھ میں ادا فرمایا۔ سفر کے دوران حیدرآباد کے مخلصین کا اصرار ہوا کہ چند روز حیدرآباد قیام فرمائیں۔ چنانچہ ۱۱ شوال کو سہارنپور سے حیدرآباد کے لئے روانگی ہوئی۔ اس ناکارہ کا حیدرآباد تک جانا طے تھا۔ مگر اسٹیشن پہنچنے کے بعد جب کہ گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ اور روانگی تقریباً ہوچکی تھی یہ یاد آیا کہ وہ بکس جس میں بہت سے لوگوں کی امانتیں تھیں اور کرایہ وغیرہ تھا وہ مدرسہ ہی میں رہ گیا۔ اس لئے اس کو ہمراہ لانے کی غرض سے اس ناکارہ کا سفر اس گاڑی سے مؤخر ہوگیا۔ اور دوسرے دن اسی گاڑی سے وہ سامان ہمراہ لیکر حیدرآباد کے لئے روانہ ہوا۔ حضرت اقدس سہارنپوری پچیس ۲۵ شوال مطابق ۸ مئی شنبہ کی صبح کو نو ۹ بجے حیدرآباد سے روانہ ہوکر یکشنبہ کی صبح کو بمبئی پہنچے اور وہاں سے سات ذیقعدہ مطابق بیس ۲۰ مئی پنجشنبہ کو زیانی جہاز سے روانہ ہوکر سترہ ۱۷ ذیقعدہ کو قرنطینہ کی غرض سے کامران اُترے اور اٹھارہ ۱۸ کو وہاں سے روانہ ہوکر اکیس ۲۱ کو جدہ پہنچے اور وہاں سے اونٹوں کے ذریعہ روانہ ہوکر پچیس ۲۵ ذیقعدہ کو مکہ مکرمہ حاضر ہوئے چند روز مکہ مکرمہ میں قیام کے بعد بائیس ۲۲ ذی الحجہ مطابق دو جولائی ۱۹۲۶ء شنبہ کو مدینہ منورہ کے لئے روانگی ہوئی اور راستہ میں مختلف مواقع پر ٹھیرتے ہوئے

اٹھرّیا نو محرم دوشنبہ کی صبح میں چاشت کے وقت مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً وتکریماً
میں داخل ہوئے اور مدرسہ شرعیہ میں قیام فرمایا۔

معمولات

مدینہ کے قیام میں حضرت کا شبانہ روز کا معمول یہ رہا کہ صبح اشراق کی نماز کے بعد حضرت اپنے دارالتالیف میں تشریف لے جاتے۔ اور ہندوستانی وقت کے مطابق تقریباً گیارہ بجے نہایت اطمینان ویکسوئی کے ساتھ بذل المجہود کا املا کراتے، وہیں کھانا آجاتا، کھانے سے فراغت کے بعد حضرت زنانہ مکان میں تشریف لے جاتے۔ زوال سے تھوڑی دیر بعد ظہر کی اذان ہوجاتی۔ اور چند منٹ بعد نماز سے فارغ ہوکر تقریباً ایک گھنٹہ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے اس کے بعد کتاب وفاء الوفا دیکھتے۔ عصر کی نماز ایک مثل پر ہوا کرتی تھی۔ جس سے فارغ پر حضرت مولانا سید احمد صاحب کے مکان پر مغرب تک تشریف فرما ہوتے، جس میں مقامی بہت سے علما شرکت کرتے، یہ مجلس عام مجلس کے طرز پر ہوا کرتی تھی اور سبز چائے پی جاتی۔ جب شعبان ۱۳۴۵ھ میں بذل المجہود کی تالیف سے فراغت ہوگئی تو پھر صبح کا وقت وفاء الوفا اور دیگر کتب کے مطالعہ میں خرچ ہوتا۔

رمضان المبارک میں حضرت کے تمام معمولات تقریباً ختم ہوگئے۔ اور پورا دن قرآن پاک کی تلاوت کے لئے خالی کرلیا۔ چنانچہ صبح کو اشراق کے بعد دیر تک تلاوت فرماتے اور تھوڑی دیر قیلولہ کے بعد زوال سے پہلے مسجد میں تشریف لے آتے اور ظہر بعد واپس مکان پر تشریف آوری ہوتی، بعد ظہر اس ناکارہ کو قرآن پاک سناتے اور معمول کے مطابق بعد نماز عصر مولانا سید احمد صاحب کی قیامگاہ پر تشریف لاتے اور وہیں کھجور زمزم سے روزہ افطار کرتے، مغرب کی نماز کے بعد مدرسہ

علوم شرعیہ کی چھت پر تشریف لے جاتے اور نوافل میں اس ناکارہ کو دو سپارے سُناتے اتنے میں عشار کا وقت شروع ہوتا نماز عشار سے فارغ ہو کر پھر اسی جگہ آتے اور قاری محمد توفیق صاحب کی اقتداء میں تراویح پڑھتے۔ یہ نماز بڑے اطمینان سے ہندوستانی وقت کے مطابق سوا بارہ بجے ختم ہوتی تھی۔ اس کے بعد عربی چھ بجے کے قریب آرام فرماتے تھے اور اس ناکارہ کے لئے حکم تھا کہ آٹھ بجے اُٹھا دینا مگر ایک دو دفعہ کے علاوہ مجھے یاد نہیں کہ حضرت کو بیدار کرنا پڑا ہو۔ بلکہ جب بھی میں پہنچا حضرت کو بیدار پایا۔ اس کے بعد مدرسہ میں پڑھنے والے دو طالب علموں سے قرأۃ نافع میں علیحدہ علیحدہ دو پارے سُنتے۔ کیونکہ حضرت کو ایک طویل عرصہ سے قرأۃ نافع کے سُننے کا بڑا شوق تھا۔ چونکہ تسلسل قائم رکھنے کے خیال سے جملہ حجوں کی تفصیل ایک ساتھ تحریر کی گئی ہے۔ اس لئے اب آخیر میں حضرت اقدس کی مختلف مقامات کے لئے روانگی اور وہاں کی تعلیم و تدریس کو مختصراً لکھا جاتا ہے۔ بھاولپور میں حضرت کا قیام گیارہ سال تک رہا اس کے بعد بریلی تشریف لاکر کچھ چند سال یہاں قیام فرمایا۔ اس کے بعد مدرس دوم بن کر دارالعلوم دیوبند میں رونق افروز ہوئے اور چھ سال وہاں قیام فرما کر آٹھ جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ کو مظہر ثانی بن کر مظاہر علوم میں تشریف لائے اور آخیر عمر تک یہیں رہے۔

علالت اور وفات

رمضان المبارک کے اختتامی ایام میں حضرت پر فالج کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے چلنا پھرنا بھی دشوار ہو گیا کبھی افاقہ ہو جاتا اور کبھی شدت۔ عید الفطر کے روز بھی طبیعت علیل رہی نماز کے لئے حرم میں بھی تشریف نہ لیجا سکے۔ بعد میں کچھ افاقہ ہو جانے کی بنا پر لکڑی

کے سہارے حرم شریف تک تشریف لے جانے لگے تھے۔ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کے پہلے ہفتہ میں سینے میں درد ہوا جو مالش وغیرہ سے تقریباً جاتا رہا۔ دوسرے ہفتہ کے شروع میں بعض علمائے مدینہ کی درخواست پر عصر کی نماز کے بعد ابوداؤد شریف کا سبق بھی مولانا سید احمد صاحب کی قیام گاہ پر شروع کرا دیا۔ شنبہ یکشنبہ کو سبق ہوا۔ دوشنبہ کے دن جب ظہر کی نماز سے واپس آئے تو راستہ میں سینہ کے اوپر کے حصہ میں کچھ درد محسوس ہوا۔ گھر پہونچکر مالش اور سینک ہوئی عصر کے وقت تک درد تو بہت کم ہوگیا مگر ضعف و نقاہت بہت بڑھ گئی۔ حرم شریف جانے کی بھی ہمت نہ رہی ۔ اس روز کی عصر مکان پر مولانا سید احمد صاحب کی اقتدار میں پڑھی اور ضعف کے باوجود کھڑے ہو کر پڑھی۔ جب بدن میں حرارت کے بجائے خنکی اور پسینہ آگیا تو ہمت نے بالکل ہی جواب دیدیا اس لئے مغرب کی نماز بیٹھ کر ادا فرمائی عشاء کی نماز کے لئے نیچے اترنا مشکل ہوگیا۔ اس لئے پلنگ پر ہی بیٹھ کر پڑھی۔ کرب و بے چینی کے ساتھ ضعف بھی بڑھتا رہا اور تمام رات کلمہ و استغفار اور درود شریف زبان پر رہا، سہ شنبہ کی صبح میں نماز فجر بھی پلنگ پر بیٹھ کر ادا فرمائی۔ دن میں دواؤں کا اہتمام رہا مگر کچھ اثر نہ ہوا، ظہر کے وقت اتنا ضعف بڑھا کہ وضو کرنے کی بھی طاقت نہ رہی ۔ اس لئے تیمم فرما کر پلنگ پر نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد ہوش و حواس میں اختلال ہوگیا، حتیٰ کہ عصر کی نماز میں امام کی آواز پر خود رکوع نہیں کیا بلکہ جب حاجی مقبول صاحب نے رکوع کا لفظ کہکر اشارہ کیا تو رکوع کیا اور جب سجدہ کو کہا تو سجدہ کر لیا۔ اس طرح چار رکعات پوری کر کے آپ کو لٹا دیا گیا۔ اس کے بعد خاموشی بڑھتی رہی۔ مغرب کے وقت مولانا سید احمد صاحب نماز پڑھانے کے لئے آئے تو

بالکل غفلت تھی نماز کے واسطے پکار کر اطلاع کی مگر کچھ جواب نہ ملا اور نہ اُٹھنے کی طاقت محسوس ہوئی اس لئے خدام نے اپنی نماز علیحدہ پڑھی مگر اسی انتظار میں رہے کہ کچھ افاقہ ہو تو نماز کے لئے عرض کیا جائے۔ لیکن دُنیا سے تعلق بالکل منقطع ہوچکا تھا اور سوائے پاس انفاس کے نہ کوئی حرکت تھی اور نہ کسی بات کا جواب۔ پورے چوبیس ۲۴ گھنٹے اس عالم خموشی میں گذار کر پندرہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ چہار شنبہ کو با آواز بلند اللہ اللہ کہتے ہوئے رخصت ہو لیے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

وقت اگرچہ تنگ تھا مگر غیب سے ہر سامان کا انتظام ہوگیا۔ سید احمد نواب صاحب مزور نے نہلایا اور السعود نے پانی دیا جلدی جلدی جنازہ تیار ہوا اور آستانۂ محمدیہ پر باب جبرئیل کے باہر نماز جنازہ ہونے کی جگہ لا رکھا گیا۔ نماز مغرب کے بعد مولانا شیخ محمد طیب صاحب مدرس مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔ للہ ما اخذ ولہ ما اعطی ■

چند متفرق واقعات

(۱) حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کی روایت ہے کہ جب ۱۳۲۸ھ میں حضرت حج کے لئے تشریف لے گئے اور مسجد حرام میں طواف قدوم کے لئے آئے تو میں حضرت مولانا محب الدین صاحب (خلیفہ اجل اعلیٰ حضرت حاجی صاحب) کے پاس بیٹھا تھا۔ اور اس وقت مولانا محب الدین صاحب درود شریف کی کتاب کھولے ہوئے اپنا درود پڑھ رہے تھے۔ دفعتہً میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا اس وقت حرم میں کون آگیا کہ سارا حرم انوار سے بھر گیا۔ میں خاموش رہا اتنے میں حضرت طواف سے فارغ ہو کر باب الصفا

کی طرف سعی کے لئے چلے تو مولانا محب الدین صاحب کے پاس آئے کہ وہی جگہ
مولانا کی نشست گاہ تھی۔ مولانا کھڑے ہوگئے اور ہنسکر فرمایا کہ میں بھی تو کہوں کہ
آج حرم میں کون آگیا۔ یہ کہہ کر مصافحہ و معانقہ ہوا اور حضرت سعی کے لئے آگے
بڑھ گئے اور مولانا محب الدین صاحب اپنی جگہ بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا میاں ظفر
مولانا خلیل احمد صاحب تو نور ہی نور ہیں ان میں نور کے سوا کچھ نہیں۔ پھر فرمایا کہ میں
نے مولانا رشید احمد صاحب (گنگوہی) کو نہیں دیکھا اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ وہ
قطب الارشاد تھے مگر میں نے مولانا کے خلفاء کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ واقعی وہ
قطب الارشاد تھے جو ایسے ایسے کامل بنا گئے۔

(۲) یہی مولانا ظفر احمد صاحب راوی ہیں کہ میں حضرت کی خدمت میں چھ سال
رہا مجھے یاد نہیں کہ حضرت کی تکبیر تحریمہ کبھی فوت ہوئی ہو۔ البتہ ایک دن صبح کو وضو
کرتے ہوئے آپ کے دانتوں میں سے خون آنے لگا اور دیر تک اس کا سلسلہ
چلتا رہا تو مسجد میں خادم کو بھیجا کہ نماز میں میری وجہ سے دیر نہ کی جائے۔ کیونکہ میرے
دانتوں سے خون جاری ہے جو بند نہیں ہوتا۔ اس روز بیشک عذر کی وجہ سے
حضرت کی تکبیر تحریمہ فوت ہوئی مگر رکعت اس روز بھی فوت نہیں ہوئی۔

(۳) حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے وصال پر مخلوق پریشان تھی
جمعہ کا وقت تھا۔ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ آہ وزاری کر رہا ہے اور حضرت کا
عاشق و دلدادہ بنا ہوا پکار رہا ہے کہ ہائے مجھے حضرت کی زیارت تو کرا دو۔
لوگوں کو نماز پڑھنا مشکل ہوگیا۔ مگر اس کو حضرت کا جان نثار محب سمجھتے تھے
اس لئے کچھ نہ بولے، حضرت نے مسجد میں جا کر شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن

صاحبؒ سے کچھ آہستہ آہستہ باتیں کیں اور پھر باہر تشریف لاکر غصہ کے ساتھ اس کو ڈانٹا کہ میں جانتا ہوں تجھے بہت صدمہ ہے، میں جانتا ہوں تو حضرت کا عاشق ہے پھر فرمایا اس کو مسجد سے باہر نکالدو، یہ نہ حضرت کا خادم ہے اور نہ اس کو حضرت سے محبت ہے حاضرین کو تعجب ہوا کہ ایسے عاشق بیتاب کے متعلق کیا فرما رہے ہیں مگر۔

ع اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

بعد میں تحقیق ہوا کہ کوئی بدعتی تھا جو ہاتھ میں اس قسم کا پاؤڈر لگا کر آیا تھا کہ چہرے پر ملنے سے سیاہ ہو جائے۔ یہ حضرت اقدس گنگوہی کی کرامت اور حضرت اقدس سہارنپوری کی فراست تھی کہ وہ اپنی روسیاہی کی چال نہ چل سکا اور مسجد سے نکال باہر کر دیا گیا۔

(۴) مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں ایک دفعہ دیہاتی مہمان اُمید سے زائد آگئے کہ کھانا تیار شدہ نصف کو بھی بمشکل کافی ہوتا۔ کارکنان مدرسہ گھبرائے کہ نہ تیار کرانے کا وقت ہے۔ کیونکہ جلسہ سے ایک بجے فارغ ہوئے تھے اور نہ ہی جنس وغیرہ کا کوئی انتظام ہے۔ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نے یہ حالت حضرت سے عرض کی۔ فرمایا کھانے کو چادروں سے ڈھانک دو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ چنانچہ حضرت نے تشریف لاکر کچھ پڑھا اور کھانے پر دم کرکے برکت کی دُعا فرمائی اور حکم دیا کہ کپڑا دیگ کے منہ پر سے نہ ہٹایا جائے اور نیچے سے کھانا نکال کر کھلانا شروع کر دیا جائے۔ الحمد للہ سب مہمان فارغ ہو گئے اور کھانا بہت سارا بچ گیا۔

(۵) ایک مرتبہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ مولوی عبداللہ جان صاحب وکیل کے پاس جانے لگے مولانا ظفر احمد صاحب کو اپنے ساتھ لیا۔ راستہ میں ان کے قلب میں خیال آیا کہ حضرت ایسے جنٹلمینوں کے پاس از خود کیوں تشریف لے جاتے ہیں اگر وہ التجا اور درخواست کرتے تو مضائقہ بھی نہیں تھا، فوراً حضرت نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا مولوی عبداللہ جان کا دل بہت اچھا ہے گو ظاہر دنیاداروں جیسا ہے۔ مولانا ظفر احمد صاحب پر یہ سُنکر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

(۶) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سیوہاروی سفر حج سے قبل حاضر خدمت ہوئے تو خیال ہوا کہ مسلسلات کی اجازت حضرت مجھے بھی عطا فرما دیتے، حضرت نے ادھر مُنہ کر کے فرمایا، مولوی حبیب الرحمٰن تم بھی طلبا میں جا کر بیٹھ جاؤ، مسلسلات کی اجازت لیلو، خوشی سے پھولے نہ سمائے مگر ساتھ ہی خیال ہوا کہ صحاح کی اجازت بھی مل جاتی حضرت نے متوجہ ہو کر فرمایا صحاح کی بھی اوائل سنادو اجازت دیدوں گا، یہ دوسری خوشی ہوئی مگر فکر ہوا کہ کوئی شناسا بھی نہیں کتابیں کس سے مانگوں تو تیسری بار پھر حضرت نے ان کی طرف رُخ فرمایا اور کہا جاؤ کتب خانہ سے کتابیں لے لو۔ چنانچہ فرحاں و شاداں اُٹھے اور حسب مراد اجازت حاصل کی۔

(۷) سہارنپور میں اہل اسلام اور آریوں کا مناظرہ ہوا، حضرت شریک جلسہ تھے اور مسلمانوں کی طرف سے فریقین کی تقریروں کو قلم بند کرنے کے لئے مولوی کفایت اللہ صاحب گنگوہی اور مولوی احمد اللہ صاحب تجویز ہوئے مگر مولوی احمد اللہ تھک گئے تو صرف مولوی کفایت اللہ صاحب نے اس خدمت کو انجام

دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ مجلس مناظرہ میں آریوں کی طرف ایک نوجوان خوبصورت گیروی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے سادھو تھا جو آرام کرسی پر لیٹا رہتا اور جب مسلمانوں کے مقرر تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوتے تو وہ گردن جھکا کر بیٹھ جاتا۔ مقررین اسلام کی تقریریں نہایت پراگندہ اور خراب ہو رہی تھیں۔ حتیٰ کہ مولانا عبدالحق صاحب حقانی سے دو روتسلسل کی تقریر بھی نہ ہو سکی۔ تو میں نے صدر جلسہ مرزا عزیز بیگ کو ایک پرچہ پر لکھ کر دیا کہ مسلمانوں کی طرف سے جب مناظر تقریر کرنے کو کھڑا ہوتا ہے تو یہ جوگی اثر ڈالتا ہے۔ لہٰذا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو اس کی اطلاع کر دو۔ صدر جلسہ نے یہ پرچہ پڑھ کر حضرت کی طرف سرکا دیا۔ اور حضرت نے پرچہ پڑھتے ہی گردن جھکا لی کہ دونوں حق و باطل میں تصرف قلب کی جنگ ہونے لگی۔ دو منٹ بھی نہ گذرے تھے کہ وہ سادھو بیزار ہو کر آرام کرسی سے اٹھا اور میدان جلسہ سے باہر چلا گیا۔ بس پھر کیا تھا مسلمان مقرروں کی وہ تقریریں ہوئیں کہ گویا دریا کا بند کھل گیا اور گیارہ آدمی مشرف باسلام ہوئے، اسی دن دوپہر کے کھانے میں حضرت نے فرمایا کہ اس کا تو مجھے بھی یقین تھا اور ہے کہ اسلام غالب رہے گا مگر حق تعالیٰ کی شان بے نیاز ہے اس کا خوف ہر وقت اور ہر بشر کو ہے

(۸) ایک حاسد بریلوی نے خدام حرم نبوی کے افسر اعلیٰ کو جو ایک ترکی تھے حضرت کی طرف سے یہ کہہ کر مشتعل کیا کہ اس وقت حرم نبوی میں بیٹھا ہوا ایک شخص درس دے رہا ہے جو (معاذ اللہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اچھا اعتقاد نہیں رکھتا۔ بلکہ گستاخی کرتا ہے، ترکی افسر یہ سنکر جھلا گیا اور غصہ میں سُرخ ہو کر

باب الرحمۃ کے قریب پہنچا جہاں حضرت درس دے رہے تھے۔ حضرت کا چہرہ مبارک دیکھ کر ترکی افسر کا غصہ یک لخت ٹھنڈا ہوگیا اور وہ کچھ دیر کھڑا ہو کر درس سنتا رہا، پھر بلیساختہ بولا۔ یا شیخ اس وقت ایک شخص نے مجھ سے اس طرح شکایت کی ہے مگر میں آپ کی صورت دیکھ کر سمجھ گیا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔ وما ہذا وجہ کذاب، اور آپ کا چہرہ جھوٹوں کا سا نہیں۔ حضرت نے فرمایا وہ لوگ ہم پر اور ہمارے اکابر پر بہتان لگاتے ہیں اور ہماری باتوں کو الٹ پلٹ کر غلط طور سے مشہور کرتے ہیں۔ ہم اپنا اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں، افسر نے کہا کہ آپ مطمئن رہیں اور اپنا با برکت درس جاری رکھیں۔

فرمودات وارشادات

(۱) کسی خادم نے لکھا کہ حضرت ذکر بالجہر سے شہرت کا اندیشہ ہے کہ لوگ کہیں گے بزرگ ہوگئے اور ریا کا احتمال ہے۔ اس پر فرمایا انشاء اللہ شہرت اور ریا کا اندیشہ نہیں اس زمانے میں تو ایسے لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کا نام لیں یا علم دین پڑھیں پاگل سمجھتے ہیں پھر ریا کا کیا موقع ہے۔ ریا تو ان افعال میں ہوا کرتی ہے جو لوگوں کے نزدیک اچھے سمجھے جاویں۔

(۲) فرمایا ذکر باوضو ہونا چاہیے بلکہ درویش سالک کو ہر وقت باوضو رہنا چاہیے اور اسم ذات ہو یا نفی اثبات اطمینان کے ساتھ خوب ٹھہرا کر کرنا چاہیے اور معنی کا لغور لحاظ رکھنا چاہیئے اور بہتر یہ ہے کہ آخر شب میں اُٹھ کر تہجد کے بعد ذکر کرے کہ وہ برکت اور قبولیت کا وقت ہے اور طبیعت پر اس وقت سکون وانبساط بھی زیادہ ہوتا ہے۔

(۳) فرمایا کرتے تھے کہ میرا تعلق ڈاڑھی کے ساتھ ساتھ ہے، ڈاڑھی رہے گی۔ تو میرا تعلق بھی رہے گا اور یہ ختم ہے تو وہ بھی ختم ہے۔

(۴) فرمایا کرتے تھے کہ نصرانیت کا لباس ڈاڑھی منڈانا یا کتروانا عورتوں کا مردانہ وضع کا کھڑا جوتا پہننا۔ پردہ میں کمی کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں طاعون وہیضہ کی طرح وبار عام بن کر پھیلے ہوئے ہیں۔ جس کو دیکھو اس مرض میں مبتلا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ ان کے نزدیک گویا ڈاڑھی رکھنا شعائر اسلام اور طریقہ محمدیہ ہی نہیں بلکہ اسلام کی صورت سے بھی وحشت ہے۔ ایسی حالت میں حق تعالیٰ کی محبت کا حاصل ہونا ناممکن ہے۔

(۵) فرمایا کرتے تھے کہ سالک کو حلال لقمہ اپنے پیٹ میں پہنچانا چاہیئے۔ تاکہ نورانیت پیدا ہو اور حرام بلکہ مشتبہ سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے۔

(۶) فرمایا کرتے تھے ہدیہ وتحفہ صرف ان لوگوں کا قبول کرنا چاہیئے جو محبت یا دینی تعلق غرض جائز کی وجہ سے پیش کرتے ہوں اور ایسے لوگوں سے نہ لینا چاہیئے جو منصب اور عہدۂ ملازمت کی وجہ سے یا ناجائز ضرورت پورا کرنے کو دیں۔

(۷) فرمایا جن کی آمدنی کا بیشتر حصہ حرام یا مشتبہ ہو ان کی دعوت وغیرہ بھی قبول نہ کرے مگر بلا وجہ مسلمانوں کے حالات میں تجسس بھی نہ چاہیئے۔

(۸) فرمایا مراقبہ کی حقیقت نگہداشت ہے کہ حضور کے ساتھ قلب کو ماسوی اللہ کے خطرات سے خالی ومحفوظ رکھنا۔ یہ جو محض آنکھیں بند کرکے اور گردن جھکا کر

کیاجاتا ہے اور عرف میں اسی کو مراقبہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ صرف مبتدیوں کو عادت ڈالنے کے لئے ہے کہ یکسوئی سے مناسبت ہو جائے اور پھر رفتہ رفتہ جب طبیعت معتاد ہو جاتی ہے تو وہ کیفیت مراقبہ قائم ہو کر ہمہ وقت جاری رہتی ہے اور کسی وقت منقطع نہیں ہوتی۔

(۹) فرمایا غیر جنس سے اختلاط ہرگز نہ رکھنا چاہیے۔ بجز اس کے کہ اس کی اصلاح کی نیت ہو اور بشرطیکہ اس کی حالت رو باصلاح محسوس ہو۔

(۱۰) فرمایا جو عبادت تھوڑی ہو مگر خلوص اور مداومت کے ساتھ ہو وہ اس کثیر عبادت سے جو خلوص یا مداومت کے بغیر ہو بدرجہا بہتر ہے کہ عبادت و ریاضت کی تمام برکات خلوص و مداومت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

(۱۱) فرمایا تہجد کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے کہ صالحین کا شعار ہے اور روحانیت کے لئے بیحد مفید ہے، اگر شب میں فوت ہو جائیں تو بعد طلوع آفتاب بارہ [۱۲] رکعات ادا کرے،

(۱۲) فرمایا طریقت سے مقصود یہ ہے کہ دنیا وما فیہا کی طرف سے بے رغبتی ہو اور اللہ و رسول کی محبت دل میں جاگزیں ہو۔ بس اس سے ادھر یا اُدھر نظر نہ ہٹانا چاہیئے۔

(۱۳) فرمایا کشف قبور اور کشوفات کونیہ ہرگز قابل التفات نہیں کہ سب اطفال سلوک کے کھیل ہیں۔ اکثر پرخطر اور قاطع راہ مقصود ہو جاتے ہیں۔

(۱۴) فرمایا سالک کے لیئے دو چیزیں سخت مضر ہیں، بدعت کے ساتھ تعلق اور نعمت الٰہیہ کا کفران۔ اللہ والوں سے لپٹا رہے اگر ان کی محبت دل میں ہو گی، تو

انشاء اللہ خاتمہ کبھی خراب نہ ہوگا اور دل میں اگر اللہ والوں سے بغض ہوا تو خاتمہ خراب ہونے کا بہت اندیشہ ہے اس لئے کچھ بھی نہ کرے تو محض دخول سلسلہ بھی نفع سے خالی نہیں"۔

(۱۵) فرمایا: شان حضور اور اتباع سنت میں جتنی ترقی ہوگی، اسی قدر قرب الٰہی بڑھے گا اور برکت ہوگی"۔

تصنیفات و تالیفات

حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے ایک ہمہ صفت انسان بنایا تھا، ان کا فیض جس طرح مظاہر علوم کی صورت میں جاری ہے اسی طرح ارشاد و تربیت کا ایک عظیم الشان سلسلہ آپ کی ذات سے وابستہ ہے اس کے علاوہ آپ کی یادگار وہ تالیفات ہیں جو بڑی تحقیق و جستجو اور مدتوں کتابوں کے عمیق مطالعہ اور غور و فکر کے بعد لکھی گئیں۔ ان میں سے بعض تصنیفات کسی خاص واقعہ سے متاثر ہو کر لکھی گئیں ہیں"۔

ان سب تصانیف کو قدرے تعارف کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے۔

(۱) ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۱ء میں دینی تعلیم سے فارغ ہو کر کچھ عرصہ تک آپ نے مظاہر میں درس دیا اس کے بعد اپنے ذاتی شوق و لگاؤ کی وجہ سے تحصیل ادب کے لئے لاہور تشریف لے گئے وہاں سے فراغ پر آپ کے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے آپ کو منصوری پہاڑ پر قاموس (عربی لغت کی مشہور کتاب) کا اُردو ترجمہ کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ اگرچہ آپ کی پہلی تالیف ہے مگر اس کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کس مرحلہ کو پہنچی اور اس کا کیا انجام ہوا۔ مکمل ہو گئی تھی یا غیر مکمل ہی رہی۔

(۲) جس زمانہ میں آپ مدرسہ دینیات بھاولپور کے صدر مدرس تھے تو ایک شیعہ مذہب سید چراغ شاہ آپ کے افسر بنائے گئے۔ تعصب اور گروہ بندی کے جذبہ سے متاثر ہو کر یہ شخص بار بار حضرت سے بحث و مناظرہ کرتا اور اہل سنت والجماعت پر اعتراضات کرتا، حضرت اقدس تو ماشاء اللہ مناظرہ کے مرد میدان تھے خوب جوابات دیتے مگر اس کی روزافزوں چھیڑ چھاڑ سے یہ پتہ چلا کہ وہ کسی تحقیق حق کا متلاشی نہیں محض دل آزاری مقصود ہے، اس لئے حضرت نے اس سے صاف کہلا دیا کہ میرا اور آپ کا معاملہ افسری اور ماتحتی کا ہے، میں دینی معاملہ میں آپ کی رعایت نہیں کروں گا اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس معاملہ میں آپ گفتگو نہ کیا کریں، جب اس نے حضرت کی اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی تو آپ نے میر ابراہیم علی صاحب وزیراعظم کی خدمت میں اپنا استعفیٰ پیش کر دیا، وزیر صاحب کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت اقدس کو چراغ علی شاہ کی ماتحتی سے نکال کر اور استعفےٰ نامنظور کر کے اپنے کام پر بحال کر دیا۔ جس کی وجہ سے چراغ علی کو آپ کی ذات سے عناد پیدا ہو گیا۔ اور تکلیف پہنچانے کی فکر میں رہنے لگا۔ ان حالات سے متاثر ہو کر آپ نے کتب شیعہ کا مطالعہ فرمایا اور پھر رد شیعہ میں ایک ضخیم کتاب تالیف فرمائی، جس کا نام "ہدایات الرشید الی افحام العنید ہے" ۱۳۰۶ھ میں یہ کتاب پہلی بار طبع ہوئی۔ کتاب کے کل صفحات آٹھ سو اٹھاسی ہیں۔

(۳) مولوی عبدالسمیع رامپوری نے انوار ساطعہ دربیان مولود و فاتحہ نامی ایک کتاب تالیف کی جس میں مولود و فاتحہ سے متعلق مروجہ بدعات کو ثابت کرنے کے لئے پورا زور قلم خرچ کر ڈالا، حضرت اقدس سہارنپوری کی شیدائے سنت طبیعت

ان بدعاتِ مزخرفہ اور عقائدِ باطلہ کی کہاں تاب لا سکتی تھی۔ آپ نے ان سب کی تردید فرمائی اور ان تمام بدعات کی قلعی کھول کر رکھدی جو سنت و مستحب کے غلاف میں لپیٹ کر پیش کی گئی تھیں، اس کتاب کا پورا نام "البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ ہے۔ ۱۳۰۴ھ میں یہ تالیف ہوئی، کل صفحات ۲۷۹ دو سو اناسی ہیں"۔

(۴) حافظ امیر اللہ بریلوی کا ایک شیعہ سے اختلافی مسائل میں کچھ مباحثہ ہوا، اس بحث سے متاثر ہو کر وہ بریلی کے علما کے پاس گئے تاکہ وہ اپنے شکوک و شبہات کے جوابات ان سے حاصل کر سکیں مگر وہاں کیا رکھا تھا، مولوی احمد رضا خاں کی طرف سے جواب آیا کہ ایک ہزار روپیہ دیدو اور جواب لیلو، حافظ صاحب نے دریافت کیا کہ یہ اتنی کثیر رقم کیوں لیتے ہو؟ جواب ملا کہ شیعہ مسلک کی کتب خرید کر ان کا مطالعہ کریں گے پھر جواب لکھے جائیں گے۔ مجبور ہو کر حافظ صاحب حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کے پاس پہنچے اور جوابات لکھنے کی درخواست کی، حضرت نے فوراً ہی جوابات لکھ کر اس موضوع پر مستقل ایک تالیف شروع کر دی۔ جس کا نام "مطرقۃ الکرامۃ علی مرأۃ الامامۃ" ہے۔ اس کتاب کی تالیف کے بعد حضرت چالیس ۴۰ سال اس عالم میں رہے مگر کسی تشیع پسند سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ خود حافظ امیر اللہ صاحب اختلاف عقائد کے باوجود جوابات دیکھ کر حیران رہ گئے اور ساری عمر اس کا اعتراف کیا کہ حضرت اپنے وقت کے بے نظیر علامہ ہیں۔ یہ کتاب ایک سو تینتالیس ۱۴۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۵) مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے حسام الحرمین نامی کتاب میں اکابر دیوبند کی طرف غلط عقائد منسوب کر کے ان کی تکفیر کی اور علمائے حرمین سے اس پر

دستخط کرائے۔ بریلوی گروہ کے اس فتنۂ تکفیر سے متاثر ہو کر علمائے مدینہ نے اپنے طور پر حضرت اقدسؒ سے اہلِ دیوبند کے عقائد و نظریات کے متعلق ستائیس ۲۷ سوالات دریافت کیئے تھے، جن کے مدلّل جوابات حضرت نے تحریر فرمائے۔ یہ تالیف المہند علی المفند کے نام سے موسوم ہے، لیکن معروف نام تصدیقات لدفع التلبیسات" ہے، سنہ تالیف ۱۳۲۵ھ، صفحات بہتر (۷۲)"

(۶) "تنشیط الاذان فی تحقیق محل الاذان" اس کتاب میں قرآن پاک احادیث اور تعامل سلف و اجماع کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد میں دنیا ثابت و متوارث ہے۔ یہ کتاب بتیس ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے"۔

(۷) اتمام النعم۔ بتویب الحکم جو عربی کی ایک کتاب ہے اور تصوف و معرفت کے دقیق مضامین پر مشتمل ہے اس کا اُردو ترجمہ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے حکم سے ۱۳۱۳ھ میں کیا گیا۔

(۸) بذل المجہود فی حل ابی داؤد: حدیث و فقہ سے آپ کو جو لگاؤ اور تعلق تھا اور ان دونوں میں جو درک و مہارت حضرت اقدس کو حاصل تھی اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ حضرت کے قلم سے کوئی ایسی بے نظیر شرح اور لازوال تعلیق وجود میں آئے جس پر علمائے حدیث کو اعتماد کے ساتھ ساتھ ناز بھی ہو۔ حضرت کے قلب میں بھی بار بار اس کا داعیہ پیدا ہوا مگر مختلف عوارض و موانع اور سب سے بڑھ کر مشاغل درس کی بنا پر یہ کام شروع نہ ہو سکا، آخر کار اس جذبہ نے شدت اختیار کی اور دو ربیع الاول ۳۵ھ کو مظاہر علوم کے کتب خانہ سے وہ تمام کتابیں لے لی گئیں جن کی شرح میں ضرورت ہوتی تھی اور تین یا چار ربیع الاول کو دار الطلبہ

کے اس کمرہ میں بسم اللہ کردی گئی جہاں آج کل مدرسہ کا خزانہ ہے، چونکہ حضرت اقدس کے ہاتھوں میں رعشہ شروع ہو چکا تھا اس لئے یہ ناکارہ[1] کاتب بنا۔ اس درمیان میں اگرچہ کاتبین مختصر سی مدت کے لئے اور لئے بدلتے رہے مگر کاتب ازل نے جو سعادت میرے حصہ میں لکھ دی تھی وہ کیسے محو ہو سکتی تھی، چنانچہ کتابت پھر میرے حوالہ ہوگئی اور تیس ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ تک پورے نو ماہ میں ابو داؤد شریف کا ایک پارہ ختم ہوا، آغاز تالیف کے وقت حضرت قدس سرہٗ کا داعیہ بھی نہیں تھا کہ یہ شرح پوری اور مکمل ہو جائے گی بلکہ ابتداء میں صرف ایک پارہ کی شرح کرنے کا خیال تھا۔ اس کے بعد بقیہ کتاب الطہارۃ اور پھر کتاب الصلوٰۃ تک تحریر فرمائی، کتاب الصلوٰۃ ختم کرنے کے بعد جلد اول ختم کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، اور یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ جب ۱۳۴۴ھ میں حجاز کے لئے روانہ ہوئے تو شرح کی تکمیل کے شوق میں اس ناکارہ کو بھی اپنے ہمراہ رکھا اور مدینہ منورہ پہونچکر ہمہ تن اس کی تالیف میں لگ گئے، اور اکیس ۲۱ شعبان ۱۳۴۵ھ کو پورے دس سال پانچ ماہ دس دن میں یہ شرح مکمل ہوئی، اختتام کی تقریب میں حضرت نے علمائے مدینہ کی ضیافت کا سامان کیا اور اپنی جیب خاص سے اس کے تمام انتظامات مکمل کئے، یہ کتاب بڑی تقطیع کے $\frac{۲۰×۳۰}{۴}$ صفحات پر مشتمل ہے۔

خلفاء و مجازین

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ نے جن لوگوں کو اجازت و خلافت مرحمت فرمائی اور جن کے دل آتش محبت الٰہیہ سے گرم کر گئے ان کے اسماء یہ ہیں

---

[1] حضرت اقدس شیخ دامت برکاتہم ۱۲ ۔ الیاس

(۱) حضرت حافظ قمر الدین صاحب امام جامع مسجد سہارنپور

(۲) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندہلوی۔

(۳) مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی (مصنف تیسیر المبتدی و تیسیر المنطق)

(۴) سلسلہ نقشبندیہ میں، الحاج محمد حسین صاحب حبشی،

(۵) حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ بانی جماعت تبلیغ دہلی

(۶) جناب حافظ فخر الدین صاحب ریلوے ملازم غازی آباد۔

(۷) حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، حال شیخ الاسلام پاکستان،

(۸) مولانا حافظ فیض الحسن صاحب گنگوہی

(۹) حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی۔

(۱۰) مولانا رشید احمد صاحب مدرس انجمن ہدایۃ الرشید قصبہ گمروٹ" [۱]

---

[۱] تذکرۃ الخلیل، آپ بیتی حضرت شیخ زید مجدہٗ۔

حرفِ آخر

اس رسالہ کی تسوید تو جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ۱۳۷۵ھ میں شروع ہو چکی تھی مگر دوسرے بہت سے مسودات کی طرح میری حدیث پاک کی مشغولیت کی وجہ سے جو روز افزوں بڑھتی رہی، یہ مسودہ بھی ناقص و ناتمام رہ گیا اور تبییض کی نوبت نہیں آئی آج کل میرا نواسہ عزیز مولوی شاہد سلمہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم میرے مسودات پر مسلط ہے اس کی محنت شاقہ اور جانفشانی کی وجہ سے کئی ماہ میں اس کی تبییض پوری ہوئی، اس موقعہ پر اس میں حذف و اختصار بھی ہوا اور بہت سے اہم اضافے بھی

ہوئے۔ مجھے چونکہ اس کا اہتمام رہا کہ مکرم محترم جناب مولانا الحاج مفتی محمود حسن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند اور عزیزان مولانا محمد عاقل سلمہ صدر المدرسین اور عزیز مکرم مولوی محمد سلمان سلمہ کی موجودگی کو ضروری سمجھتا رہا اور میرے یہ دونوں عزیز اور خود حضرت مفتی صاحب اپنے مشاغل کی وجہ سے اس کتاب پر صرف جمعہ کے روز نظر ثانی کر سکتے تھے۔ اس لئے ہر جمعہ کو چند گھنٹے اس پر نظر ثانی ہوئی اور آج ۱۶ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ کو محض مالک کے لطف و کرم سے یہ کتاب پوری ہو گئی۔ والحمد للہ اولاً و آخراً۔

محمد زکریا عفی عنہ کاندھلوی

تمہید

تاریخ مشائخ چشت کی ترتیب و تکمیل کے دوران ہر وقت یہ خیال قلب و دماغ پر چھایا رہا کہ انشاء اللہ اس مجموعۂ تاریخ کا اختتام اپنے شیخ و مرشد حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا الحاج محمد زکریا صاحب دام فیضہٗ کے ذکر جمیل پر کیا جائے گا، کیونکہ وہ بھی اسی زریں سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ میری یہ تمنا اور آرزو مجھے شب و روز کتاب کی جلد از جلد تکمیل پر اکساتی تھی، لیکن اس راہ کی سب سے مشکل ترین چیز جو رکاوٹ بن سکتی تھی یہ تھی کہ اس اختتامی تذکرہ پر نظر ثانی بہت ضروری اور اہم تھی اور وہ ذات گرامی جس نے پہلے صفحہ سے لے کر انتہائی صفحہ تک ایک ایک

سطر بغور سُنی اور اضافہ و اصلاحات کا حق ادا کردیا وہ اپنے تذکرہ کی ایک سطر بھی سُننے کے لئے تیار نہ ہوگی۔

اس تجربہ مُرتِّب کو پہلے بھی بار ہا ہو چکا تھا اور اس مرتبہ بھی ہوا کہ ایک روز اہل علم کی ایک مجلس میں (جس میں خود حضرت اقدس بھی موجود تھے) راقم السطور نے اپنی اس خواہش کا اشارتاً تذکرہ کیا تو فوراً سختی کے لہجہ میں فرمایا، ایسا نہیں ہوگا بالکل نہیں ہوگا، اس لئے اُدھر سے تو بالکل مایوسی تھی اور نظرِ ثانی کے بغیر کتاب کا طبع ہونا مشکل تھا مگر عالی جناب مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی زادت مکارمہم نے بندہ کی درخواست کو قبول فرما کر از اول تا آخر یہ مضمون ملاحظہ فرمالیا۔ اس طرح سے الحمد للہ یہ اضافہ قابل اعتماد بھی ہوگیا اور لائق اعتبار بھی"

محمد ثاقب غفرلہٗ ، ربیع الاول ۱۳۹۳ھ

---

(۴۴) حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

حضرت شیخ زید مجدہٗ کی پیدائش اپنے آبائی مکان قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں بتاریخ گیارہ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ شب پنجشنبہ کو گیارہ بجے شب میں ہوئی۔ اہل محلہ اور متعلقین کو جب اس ولادت کی اطلاع ملی تو فرط مسرت کی بناء پر مبارکباد دینے آئے، ساتویں دن والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلہ تشریف لائے اور گھر کے دروازہ پر پہنچ کر یہ خواہش ظاہر کی کہ میں نومولود کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں، حضرت مولانا کی یہ خواہش اس زمانہ کی شرم وحیا اور دینی گھرانوں میں

پلنے جانے والے ماحول کے بالکل خلاف تھی، گھر کے اکثر افراد کو اس پر تعجب بھی ہوا، مگر بعض دوسری مستورات نے یہ کہہ کر کہ آخر باپ ہیں بچہ کو دیکھنے کو جی چاہ گیا، اس میں کیا حرج ہے؟ باہر بھیجدیا حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب اپنے ہمراہ حجام کو لے کر آئے تھے، اشارہ پاتے ہی حجام نے بال اُتار دیئے، حضرت مولانا نے وہ بال یہ کہہ کر گھر میں بھیجدیئے کہ بال میں نے منوادئے بکرے تم ذبح کرادینا اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دینا، اس طور پہ حضرت مولانا نے یہ تقریب جس کے لئے بڑے انتظامات کئے جارہے تھے اور دل کے ارمان نکالنے کا منصوبہ بندھا ہوا تھا نہایت سادگی سے اختتام کو پہنچادی۔

ڈھائی سال کی عمر تک حضرت شیخ کا قیام کاندھلہ رہا۔ تقریباً ۱۳۱۸ھ میں گنگوہ آمد ہوئی، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کا قیام اس وقت تک حضرت اقدس گنگوہی کے یہاں تھا، خود فرماتے ہیں کہ میں ابھی ڈھائی سال کا تھا، حضرت گولر کے درخت کے نیچے چار زانو بیٹھے ہوتے تھے۔ میں حضرت گنگوہی کے پیروں پہ کھڑا ہو کر حضرت سے خوب لپٹتا فرماتے تھے کہ جب میں کچھ اور بڑا ہو گیا، راستہ میں کھڑا ہو جاتا جب حضرت سامنے سے گذرتے تو میں بڑی قرأت سے اور بلند آواز کہتا السلام علیکم، حضرت بھی ازراہ محبت و شفقت اسی لہجہ میں جواب مرحمت فرماتے گنگوہ پہونچکر منظفر نگر کے ایک بزرگ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب کے پاس تعلیم وتدریس کا افتتاح ہوا، قاعدہ بغدادی انہیں سے پڑھا۔ اس کے بعد خاندانی روایات کے مطابق والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے پاس قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا، اباجان کی طرف سے یہ حکم تھا کہ روزانہ کا سبق سّو مرتبہ پڑھ لیا کرو اس کے بعد چھٹی،

حفظ قرآن کے بعد بہشتی زیور اور اُردو فارسی کی دینی کتابیں گنگوہ کے زمانہ قیام ہی میں رہ کر پڑھیں، فارسی کی اکثر کتب اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے اور صرف و نحو کی ابتدائی کتب اپنے والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ سے پڑھیں، یہ ساری تاریخ ۲۸ھ تک کی ہے۔ اس کے بعد رجب ۱۳۲۸ھ میں حضرت شیخ سہارنپور تشریف لائے، عمر مبارک اس وقت تیرہ ۱۳ سال کی تھی، ابا جان دو، تین سال قبل سہارنپور آچکے تھے، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کی یہ آمد کتب حدیث کی تدریس کے لئے حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے اصرار و تقاضہ پر تھی یہاں آکر عربی تعلیم کا آغاز ہوا اور صرف میر، پنج گنج، فصول اکبری، کافیہ، مجموعہ اربعین، پارہ عم، قصیدہ بردہ، قصیدہ بانت سعاد، اپنے والد صاحب کی زیر نگرانی تکمیل کو پہنچائیں، کتب منطق کے استاذ حضرت مولٰنا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم اور کتب معقول کے استاد مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلی استاد مدرسہ قرار پائے۔"

دورۂ حدیث

۱۳۳۲ھ میں دورۂ حدیث شریف کی ابتدا ہوئی، اور ابن ماجہ کے علاوہ تمام کتابیں اپنے والد محترم سے پڑھیں، ابن ماجہ چونکہ کئی سال سے مولانا ثابت علی صاحب کے پاس ہو رہی تھی اس لئے وہ انہی کے پاس پڑھی، یہ سال حضرت اقدس سہارنپوری اور حضرت شیخ الہند کا طویل قیام کے ارادہ سے حجاز میں گذرا، دوبارہ بخاری و ترمذی شریف حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے ان کی آمد پر پڑھی دورہ حدیث کی تعلیم کے یہ سال بڑی محنت وانہماک سے پورے ہوئے اور تمام اسباق میں دو چیزوں کا بڑا خیال رکھا، ایک تو یہ کہ کوئی

سبق ناغہ نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ کوئی حدیث پاک بلا وضو نہ پڑھی جائے اگر اثناء سبق میں وضو کی ضرورت پیش آجاتی تو ہم سبق رفیق اس کوشش میں لگ جاتے کہ اتنی دیر سبق نہ ہو۔ اس سلسلہ کا ایک دل چسپ واقعہ حضرت شیخ زید مجدہٗ اپنی آپ بیتی میں ان الفاظ کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

میرا اور میرے مرحوم شریک سبق احمد حسن سہارنپوری کا دستور یہ تھا کہ ہم میں سے جس کو وضو کی ضرورت پیش آتی وہ دوسرے کو کہنی مار کر ایکدم اُٹھ جاتا اور دوسرا ساتھی فوراً ابا جان پر کوئی اشکال کر دیتا، اگرچہ اس کی نوبت تو بہت کم آتی تھی مہینے دو مہینے میں اس کی نوبت آتی تھی اس لئے کہ صحت اچھی تھی۔ پھر بھی کبھی نہ کبھی ضرورت پیش آہی جاتی، والد صاحب پہلی ہی مرتبہ میں سمجھ گئے تھے کہ ایکدم ایک ایک ساتھی اُٹھا، ایک منٹ میں آستینیں اُتارتا ہوا بھاگا ہوا آرہا ہے اس سے ان کو اندازہ بھی ہو گیا تھا اور اس چیز سے ان کو مسرت بھی تھی۔ ایک دفعہ حسن احمد مرحوم میرے کہنی مار کر ایک دم اُٹھا اور اس کے اُٹھتے ہی میں نے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے عرض کیا کہ حضرت فتح القدیر میں یوں لکھا ہے اور بالکل بے سوچے سمجھے کہا میرے ذہن میں بالکل بھی نہیں تھا کہ فتح القدیر میں کیا لکھا ہے۔ لیکن میرے والد صاحب اس فقرے پر بیساختہ ہنس پڑے اور کتاب میں نشان رکھ کر اس کو بند کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تک حسن احمد آوے میں تمہیں ایک قصہ سناؤں، میں تمہاری فتح القدیر سے کہاں لڑتا پھروں گا۔

مسند درس پر تعلیم سے فراغت پر جب کہ حضرت اقدس کی عمر مبارک بتیس ۳۲ سال کی تھی، یکم محرم الحرام ۱۳۳۵ھ کو حضرت شیخ زید مجدہٗ کا

تقرر مظاہر علوم میں بحیثیت ایک ابتدائی مدرس کے پندرہ روپیہ مشاہرہ پر قرار پایا اور اصول الشاشی، علم الصیغہ جیسی ابتدائی کتب تجویز ہوئیں، یہ دونوں کتابیں مظاہر کے اساتذہ کبار کی جانب سے منتقل ہو کر آئی تھیں، یعنی اصول الشاشی حضرت مولٰنا محمد الیاس صاحب کی طرف سے اور علم الصیغہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے پاس سے، اس کے علاوہ پانچ، چھ اسباق یہ بھی تھے۔ مأتہ عامل منظوم، شرح مأتہ، خلاصہ نحومیر، نفحۃ الیمن منیۃ المصلی، قال اقول، اس کے بعد اگلے سال ۳۵ھ میں یہ کتب زیر تدریس رہیں، مرقاۃ قدوری، شرح تہذیب، کافیہ، نورالایضاح، اصول الشاشی شرح جامی، بحث فعل بحث اسم، ۱۳۳۶ھ میں مزید ترقی ہوئی اور اونچی و معیاری کتب پڑھائیں، مثلاً مقامات، سبعہ معلقہ، قطبی میر قطبی، کنز الدقائق وغیرہ۔

۱۳۳۶ھ میں چونکہ بذل المجہود کی تالیف کا آغاز ہو چکا تھا اس لئے ۳۷ھ میں اکثر اسباق خارج اوقات میں پڑھانے کی نوبت آئی۔ چنانچہ حماسہ بعد نماز عشاء اور بعض دوسرے اسباق بعد نماز عصر ہوا کرتے تھے، شعبان ۳۸ھ میں اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کی معیت میں حجاز تشریف لے گئے اور ماہ محرم الحرام ۳۹ھ میں آمد ہوئی۔

بذل المجہود کے لئے مضامین کی تلاش اور مباحث کا تتبع اور پھر اس کا املا کرنے کا سارا بار حضرت شیخ پر تھا جس کی بنا پر اسباق مجوزہ کا پورا کرنا مشکل ہو رہا تھا اس لئے محرم ۴۰ھ سے مستقل صبح کا وقت مدرسہ سے فارغ کر کے بذل المجہود میں خرچ ہونے لگا، اس کے بعد رجب ۴۱ھ میں بخاری شریف کے تین سیپارے حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مدرسہ کے یہاں سے منتقل ہو کر آئے، شوال ۴۱ھ سے شعبان

۱۳۴۵ھ تک مشکوٰۃ شریف زیر تدریس رہی، شوال ۱۳۴۴ھ میں حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ کی معیت میں پھر حج کے لئے تشریف بری ہوئی۔ اور پورے سال وہاں قیام کر کے اٹھارہؔ صفر ۱۳۴۶ھ کو واپس ہندوستان آئے اور اسی روز ابو داؤد شریف حضرت ناظم صاحب کے پاس سے منتقل ہو کر آئی، نسائی موطأ امام محمد اور بخاری بارہویں پارے سے لے کر سولہویں سپارے تک اس سال کا درس رہا، ۱۳۴۶ھ میں ارباب مدرسہ نے اپنے شوریٰ میں یہ طے کیا کہ ترمذی شریف حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے پاس اور بخاری شریف حضرت شیخ کے پاس ہوا کرے گی۔ اس لئے کہ ناظم مدرسہ حضرت مولانا عبداللطیف پر انتظامی بار بہت بڑھ گیا شغل حدیث ترک ہونے کی وجہ سے، اس تجویز کا اثر حضرت ناظم صاحب پر کافی محسوس کیا گیا، اس لئے حضرت شیخ کی حساس اور غیور طبیعت نے اکابر مدرسہ کو اس پر راضی کر لیا کہ ترمذی تو ہمیشہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے ہوتی رہے اور بخاری شریف کا افتتاح حضرت ناظم صاحب کے پاس ہوئے۔ اور لفظ عبارہ کے بعد بخاری جلد اول کا سبق میرے پاس آ جائے، جلد ثانی حضرت ناظم صاحب بعد مغرب پڑھا دیا کریں، یہ تجویز بڑی خوشی سے منظور ہوئی، حضرت ناظم صاحب کا تاثر بھی اس سے رفع ہو گیا۔ ارباب مدرسہ کی ایک قرارداد کے مطابق ابو داؤد شریف کا سبق مستقلاً حضرت شیخ کے سپرد کیا گیا جو ۱۳۷۵ھ تک سوا ۱۳۷۰ھ میں ناظم صاحب کے سفر رنگون کی بنا پر اور ۱۳۷۱ھ میں مسلسل علالت کی بنا پر ابو داؤد شریف اور بخاری شریف دونوں جلدیں حضرت شیخ ہی کے زیر تدریس رہیں۔ لیکن جب ناظم صاحب وفات پا گئے تو ابو داؤد شریف حضرت اقدس مولانا

الحاج محمد اسعد اللہ صاحب (حال ناظم مدرسہ) کی طرف منتقل ہو کر بخاری شریف حضرت شیخ زید مجدہٗ کے حوالہ کر دی گئی۔ اس مدت میں بہت بڑی تعداد میں طلبا اور قارئین حدیث نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔[1]

لیکن ۱۳۸۸ھ میں نزول آب شروع ہو گیا جس کی وجہ سے اپنی زندگی کا وہ مبارک مشغلہ جو آپ کے لئے ہر وقت حیات نو کا سبب بنا کرتا تھا اور تازگی پیدا کئے رکھتا (یعنی تدریس حدیث) بند کر دیا۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں بلکہ حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے ایک انعام ہے کہ علوم رشیدیہ کے شارح و ناشر کو اسی عذر کی بنا پر اپنی مسند تدریس کو چھوڑنا پڑا جو عذر کہ حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہٗ کو ۱۳۱۲ھ کے اوائل میں پیش آیا، لیکن الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ درس ظاہری کے انقطاع کے بعد درس روحانی میں شرکت کرنے والوں کا اضافہ روز افزوں ہے اور بیش از بیش ہے اور جو وقت کہ پہلے دار الحدیث کی چہار دیواری میں محبوس ہو جایا کرتا تھا وہ اب ایک عالم کی تربیت اور تصفیہ قلب و تزکیہ نفس میں خرچ ہو رہا ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

---

[1] قارئین اس تعداد کا موٹا سا تخمینہ اس طرح لگا سکتے ہیں کہ ۱۳۴۱ھ سے لے کر ۱۳۸۸ھ تک کے طلباء حدیث کی تعداد سات سو انتالیس ۷۳۹ ہوتی ہے اور یہ تعداد صرف ان طلباء کی ہے جنہوں نے باقاعدہ مدرسہ میں داخل ہو کر پڑھا، مستقلاً سماعت کرنے والے اور دوسرے طریقہ سے شرف تلمذ حاصل کرنے والے ان سے علیحدہ ہیں۔" (شاہد غفرلہٗ)

مسندِ رشد و ہدایت پر مظاہر علوم کی ہمیشہ سے ایک خصوصیت رہی ہے جس نے اس کی روحانیت کو ہمیشہ بلند تر رکھا وہ یہ کہ کسی نہ کسی صاحب نسبت ہستی کا اثر و نفوذ اور اس کا فیض مظاہر کی چہار دیواری میں ابر نیساں کی طرح ہمیشہ برسا اور ایک عالم کا عالم اس سے لطف اندوز ہوا اور اپنی پیاس بجھائی، قطب عالم حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہٗ کی ذات مُبارکہ سے لے کر حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت مبارکہ تک ایک طویل فہرست آپ کو ایسی ملے گی جس میں اپنے اپنے وقت کے اخیارِ اُمت صلحاء، پاکیزہ نفوس مدرسہ پر سایہ فگن رہے۔

حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ اس خصوصیت کا آخری مرکز بن جاتے اگر قسمت یاوری نہ کرتی اور حضرت شیخ زید مجدہٗ کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے پاس نہ پہنچاتی، ایک چراغ سے دوسرا چراغ اور ایک مشعل سے دوسری مشعل ہمیشہ روشن ہوتی آئی ہے۔ چنانچہ شوال ۱۳۴۴ھ میں جب حضرت اقدس سہارنپوری حجاز کے لئے طویل قیام کے ارادہ سے تشریف لے جا رہے تھے اور بکثرت لوگ بیعت ہو رہے تھے تو حضرت شیخ بھی سب کی دیکھا دیکھی بیعت ہونے کے لئے تیار ہو گئے، حضرت سے عرض کیا فرمایا، جب مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہو جاؤں تو آجانا، مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہی جو خلافت و اجازت سے مشرف ہو چکے تھے، اُنھوں نے بھی تجدید بیعت کی درخواست کر رکھی تھی، دونوں حضرات وقت مقررہ پر حاضر ہوئے اور بیعت ہو گئے۔ والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب اور حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب اد ہر بیٹھے ہوئے تھے یہ منظر دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے، حضرت

بلائے پوری نور اللہ مرقدہٗ نے اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ کر دُعائیں دیں۔

یہ واقعہ ابتداء کا ہے اس کے بعد حضرت شیخ نے جس طرح کامل طور سے اپنے آپ کو اپنے حضرت کے سپرد کیا اور اپنی دماغی اور علمی صلاحیتوں کو حضرت کی خاطر قربان کیا اس کا ایک نمونہ بذل المجہود کی شکل میں آج ہزاروں صفحات پر بکھرا ہوا موجود ہے جس میں حضرت شیخ کو اپنی دماغی صلاحیت، ذہنی ذکاوت اور اپنے بیش قیمت اوقات کا لحظہ لحظہ اور لمحہ لمحہ اس کی نظر کرنا پڑا، خود حضرت اقدس سہارنپوری نے اس کا بارہا اعتراف کیا اور بذل کی موجودہ شکل وصورت کو شیخ کا مرہونِ منت بتلایا اور اپنے تعلق و محبت کو بیٹے سے بڑھ کر ثابت کر دکھایا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی اجنبی شخص نے دریافت کیا کہ حضرت! یہ مولوی زکریا آپ کے بیٹے ہیں؟ بلیساختہ فرمایا اجی بیٹے سے بڑھ کر ہیں۔ مرشد اور مسترشد کے درمیان کا یہ تعلق اور یہ مودت و محبت اپنا اثر لائے بغیر نہ رہ سکی، اُدھر سے جتنا اپنے اس روحانی بیٹے کے لئے محبت وشفقت کا برتاؤ تھا ادھر سے بھی اپنے مُرشد و مربی کے ساتھ تعلق اور ادب و عظمت کے معاملہ میں کمی نہ آنے پاتی تھی، طرفین کے اس سلسلہ کے دو چار واقعات بے اختیار لکھنے کو جی چاہتا ہے۔

(۱) حضرت شیخ کی پہلی شادی اپنے آبائی وطن کاندھلہ میں ہوئی، تقریب نکاح میں شرکت کرنے کے لئے حضرت اقدس سہارنپوری، حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلہ گئے، وہاں سے واپسی میں حضرت شیخ نے اہلیہ کو لانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ کاندھلہ تو میرا خود بھی وطن ہے، پانچ سات دن یہیں رہ کر سہارنپور لوٹ جاؤں گا، اہلیہ کا سہارنپور لانا لیجانا مشکل ہے، حضرت قدس سرہٗ

نے سُن کر فرمایا ، وہ کون ہے انکار کرنے والا ، باپ بن کر تو نکاح کرانے کے لئے میں آیا ہوں۔ (آپ بیتی صفحہ ۱۴۷ جلد ۴)

(۲) ایک مرتبہ مدرسہ کے ایک طالب علم کا اخراج حضرت قدس سرہٗ نے طے کیا، میں نے مخالفت کی اور عرض کیا کہ حضرت اس کے اندر یہ اندیشہ ہے، حضرت ناظم صاحبؒ نے اس کی تردید فرمادی کہ نہیں حضرت کوئی اندیشہ نہیں، حضرت نے اخراج فرمادیا، معًا وہی اندیشہ سامنے آگیا، حضرت قدس سرہٗ کو اس کا بڑا فکر ہوا حضرت ناظم صاحب کو بھی ندامت ہوئی۔ میرے حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارے قلندر نے تو پہلے ہی مخالفت کی تھی ہم نے ہی نہ مانی، میں نے عرض کیا، حضرت فکر نہ فرمائیں دعا و توجہ فرمائیں انشاء اللہ یہ اندیشہ جاتا رہے گا، اور حضرت کی دُعا و توجہ سے فوری خطرہ جو پیش آیا تھا وہ اسی طرح فوراً دور ہوگیا" (آپ بیتی ص جلد ۴)

(۳) حضرت قدس سرہٗ کا ہندوستان میں بھی اور مدینہ پاک میں بھی بہت کثرت سے یہ معمول تھا کہ جب کبھی کھانے میں یہ سیہ کار شریک ہوتا تو حضرت قدس سرہٗ کوئی بوٹی یا کباب کا ٹکڑا بہت شفقت سے دست مبارک سے مرحمت فرمایا کرتے تھے، مجھے تو کبھی اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوا کہ حضرت کی شفقتیں اس سے بہت زائد رہتی تھیں، لیکن حضرت رائے پوری نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تجھ پر بڑا رشک آتا ہے کہ جب حضرت تجھے کوئی چیز کھانے کو مرحمت فرماتے ہیں تو پہلے اس چیز کو خوب گھورتے ہیں پھر مرحمت فرماتے ہیں۔ کاش مجھے بھی اسی طرح سے گھور کر کوئی کھلاتا، اس کے بعد میں نے بھی خیال کیا تو واقعی حضرت اقدس رائے پوری نے صحیح فرمایا تھا" (آپ بیتی صفحہ ۱۶ جلد چار)

(۴۰) فرمایا کہ میرے والد صاحب کہا کرتے تھے کہ زکریا میرا ادب جوتے کے ڈر سے کرتا ہے اور اپنے حضرت کا ادب دل سے کرتا ہے۔"

۱۳۴۴ھ میں حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ حجاز تشریف لے گئے حضرت شیخ بھی ہمراہ تھے (تفصیل آگے آرہی ہے) حضرت سہارنپوری کا ہر مرتبہ کا سفر حجاز اس اُمید اور تمنا کے ساتھ ہوا کرتا تھا کہ شاید اس بار جنت البقیع کی مٹی نصیب ہو جائے، چنانچہ ۴۴ھ کا یہ سفر حج آپ کا آخری سفر ہوا اور آپ ۱۳۴۶ھ میں بقیع میں آسودۂ خاک ہوئے، حضرت شیخ کی واپسی حضرت کی حیات میں ہو چکی تھی، وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ میں حضرت اقدس سہارنپوری نے بڑے اہتمام سے چاروں سلسلوں میں بیعت وارشاد کی اجازت عطا فرمائی، اور اپنے سر سے عمامہ اُتار کر حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے برادر اکبر مولانا سید احمد صاحب کو دیا کہ وہ اسے حضرت شیخ کے سر پر باندھ دیں جب وہ عمامہ سر پہ باندھا گیا تو شیخ کی شدت گریہ کی وجہ سے چیخیں نکل گئیں، حضرت بھی آبدیدہ ہو گئے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اس موقعہ پر وہیں موجود تھے اور ان کو اس پورے واقعہ کی اطلاع تھی۔ ہندوستان میں تشہیر ہو جانے کے خوف سے حضرت شیخ نے ان کے پاؤں پکڑے اور ان سے اس بات کا عہد لینا چاہا کہ وہ ہندوستان پہنچکر اس کی اطلاع نہ کریں مگر حضرت رائے پوری اس خبر کے اخفاء پر تیار نہ ہوئے اور آپ کے ذریعہ سے یہ خبر یہاں پھیلی، پھر بھی حضرت شیخ نے عرصہ تک بیعت لینے سے انکار کر دیا اور جو کوئی اس نیت سے آتا اس کو دوسرے مشائخ

سے بیعت کراتے۔ بالآخر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے حکم فرمانے سے اس کا سلسلہ شروع ہوا جس کی تقریب یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ اور حضرت شیخ اعزہ و اقارب سے ملاقات کی غرض سے کاندھلہ تشریف لے گئے، وہاں پہونچکر گھر کی مستورات حضرت مولانا کے سر ہوگئیں کہ آپ شیخ کو حکم فرمادیں کہ وہ ہم سب کو بیعت کریں۔ محلہ کی مسجد میں آدمی بھیجکر حضرت شیخ کو بلایا گیا، مکان پہونچکر حضرت شیخ کو حضرت مولانا کے غصہ کا اندازہ ہوا اور ساتھ ہی یہ منظر بھی دیکھا کہ سب مستورات جمع ہیں، ایک پلنگ پر خود تشریف فرما ہیں دوسرا پلنگ خالی ہے حضرت نے اپنا عمامہ اتار کر اس کا ایک سرا حضرت شیخ کے ہاتھ میں تھمایا اور دوسرا سرا مستورات کو دیدیا کہ اسے پکڑ لو اور تیز لہجہ میں فرمایا ان کو بیعت کرو، ادھر سے کچھ پس و پیش ہوئی تو ڈانٹ کر دوبارہ حکم ملا کہ ان کو جلدی بیعت کرو، یہ حضرت شیخ کی بیعت کرانے کی ابتدا رہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے کئی مرتبہ حضرت شیخ زید مجدہٗ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری جہاں انتہاء ہوتی ہے وہاں سے تم لوگوں کی ابتداء ہوتی ہے۔ بسا اوقات فرماتے کہ ان چچا بھتیجوں (یعنی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور حضرت شیخ مدظلہٗ) کی بات ہی الگ ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت گنگوہی کی نسبت حضرت شیخ کی طرف منتقل ہوتی ہے۔"

عقد نکاح

حضرت شیخ دام مجدہ العالی نے دو۲ نکاح کئے۔ جن کے مختصر اجمالی حالات یہاں لکھے جاتے ہیں۔

(۱) والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے انتقال پر (جو دس ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ کو ہوا) شیخ کی والدہ محترمہ نے حضرت اقدس سہارنپوری کے پاس پیغام بھیجا کہ میری طبیعت خراب ہے زندگی کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے میں چاہتی ہوں کہ زکریا کا نکاح میرے سامنے ہوجائے تاکہ میرے بعد گھر کھلا رہے۔ اس وقت حضرت شیخ کی نسبت مولانا رؤف الحسن صاحب کی صاحبزادی سے طے ہوچکی تھی۔ چنانچہ حضرت اقدس سہارنپوری نے اسی وقت کاندھلہ کے اعزہ واقارب کو تقاضہ کا خط لکھوایا اور ان لوگوں کا عندیہ معلوم کیا، وہاں سے جواب آیا کہ جیسی حضرت کی رائے ہو وہی کیا جائے گا جو چاہے تاریخ مقرر فرمادیں۔

مقررہ تاریخ پر حضرت اقدس سہارنپوری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب وغیرہ اکابر حضرات کاندھلہ پہنچے اور مورخہ انتیس ۲۹ صفر ۱۳۳۵ھ بروز دوشنبہ کو حضرت اقدس سہارنپوری نے نکاح پڑھایا، نکاح کے وقت کسی شخص نے اپنے خاندان کا مہر مثل اسی ۸۰ ہزار ٹکے ہونا بتلادیا، حضرت نے فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ، اور ڈیڑھ ہزار روپیہ مہر پر نکاح ہوا۔

(۲) پہلی اہلیہ محترمہ کا جب انتقال ہوگیا تو حضرت شیخ پر دوسری شادی کے لئے ہر چہار جانب سے تقاضے شروع ہوئے، مگر اپنے علمی اشتغال کے پیش نظر وہ ہر آنے والے تقاضہ کو نظر انداز کرتے رہے، مگر جب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی صاحبزادی کے متعلق فرمایا تو حضرت شیخ انکار نہ کرسکے کیونکہ وہ اگر ایک طرف استاد تھے محترم چچا تھے تو دوسری طرف خود حضرت اقدس سہارنپوری کے اونچے خلفاء میں تھے، حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ان کے ارشاد کو

میں رد نہ کرسکا اور فوراً کہدیا کہ پھر نکاح پڑھتے جایئے۔ حضرت نے فرمایا کہ چونکہ منگنی دوسری جگہ ہے اس لئے استیمار کی ضرورت ہے، میں دہلی پہونچکر اس کا جواب بھیجوں گا، اس گفتگو کی اطلاع حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ، کو ہوگئی، وہ بھی اپنے چند خدام کے ہمراہ نکاح میں شرکت کی غرض سے سہارنپور تشریف لے آئے۔ حضرت شیخؒ کا خیال تھا کہ وہ آج کی روانگی ملتوی کردیں، اور حضرت رائے پوری کی تشریف بری کے بعد دہلی جائیں، اس کی وجہ خود حضرت شیخؒ کے الفاظ میں یہ تھی کہ ہم لوگوں کو بارات وغیرہ کے قصہ سے اور زیادہ احتیاط برتنی چاہیئے۔ کہ بہت ہی توغل حد سے زیادہ اسراف ہونے لگا، حضرت رائے پوری اس کے جواب میں یہ فرمارہے تھے کہ میں باراتی بن کر نہیں جاؤں گا۔ حضرت (شیخؒ) کا خادم بن کر جاؤں گا، الغرض صبح دس بجے والی گاڑی سے روانگی طے ہوئی۔ اسٹیشن پہونچ کر دیکھا کہ اسی گاڑی سے حضرت اقدس مدنی ٹانڈہ سے تشریف لارہے تھے، دریافت فرمایا آپ دونوں کیسے اسٹیشن پر آئے ہیں نے تو وقت "تنگ ہو جانے کی وجہ سے اپنی آمد کا "تار" نہیں دیا تھا، حضرت رائے پوری نے برجستہ فرمایا "ان حضرت کا نکاح ہو رہا ہے" فرمایا ہمیں خبر بھی نہیں کی، جواباً حضرت رائے پوری نے ارشاد فرمایا، کہ حضرت میں بھی زبردستی ساتھ ہوں اُنھوں نے مجھے بھی خبر نہیں کی تھی، حضرت مدنی نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ اسی گاڑی سے چلتا مگر مستورات میرے ہمراہ ہیں۔ لہٰذا میں اگلی گاڑی سے آؤں گا اور یہ پیغام کہلوایا کہ نکاح میں میرا انتظار کیا جائے میں پڑھاؤں گا۔ دہلی پہونچکر شب جمعہ میں مسجد علاء الرب میں

قیام فرماکر اگلے روز جمعہ کو نظام الدین پہنچے، بعد نماز جمعہ مورخہ آٹھ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق اٹھارہ ۱۸ جون ۱۹۳۷ء کو مہر فاطمی پر نکاح پڑھا گیا، دعوت ولیمہ حضرت اقدس رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کی جانب سے راؤ یعقوب علی خاں کے زیر اہتمام ہوئی۔"

اسفار حج حق تعالیٰ شانہ نے حضرت شیخ کو کئی مرتبہ زیارت حرمین شریفین کی دولت سے نوازا، جس مقام پر پہنچنے کی تمنا میں ہزاروں لوگ اپنی عمریں ختم کر کے زیر زمین پہونچ لئے۔ اس مقام پر حضرت شیخ کی بارہا رسائی ہوئی اور ہر مرتبہ صد ہزار بار برو صد ہزار بار بیا کا جذبہ وشوق لے کر واپس لوٹے، اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جملہ حجوں کی مختصر سی روداد لکھ دی جائے۔ حضرات قارئین تفصیلی واقفیت کے لئے آپ بیتی نمبر چار ۴ کا وہ باب دیکھ لیں جس کا عنوان ہے "باب ششم جملہ حجوں کی تفصیل"۔

(۱) سب سے پہلا حج، حجۃ اسلام حضرت شیخ نے ۱۳۲۵ھ میں حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ کی معیت میں کیا، دو ۲ شعبان ۲۸ھ میں سہارنپور سے روانگی ہوئی، "قافلہ کے افراد یہ تھے، حضرت اقدس سہارنپوری مع اہلیہ محترمہ حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحب، حاجی مقبول احمد صاحب، حاجی انیس احمد انبہٹوی، مولوی محمد اسحٰق صاحب بریلوی، مولانا لطیف الرحمٰن صاحب کاندھلوی، متولی طفیل احمد صاحب وغیرہ وغیرہ، بمبئی پہونچکر معلوم ہوا کہ حضرت کی معیت میں سفر کرنے والے تقریباً دو ۲ سو افراد ہوگئے۔ اس تعداد میں جہاز کی روانگی تک مزید اضافہ ہوگیا، حضرت اقدس سہارنپوری نے تمام رفقاء کی معیت کے پیش نظر

یکے بعد دیگرے دو جہاز چھوڑے کہ ان میں گنجائش تمام رفقاء کو ساتھ لے کر جانے کی نہیں تھی۔ بمبئی پہونچکر حضرت نے اعلان کر دیا کہ جس شخص کو جس کے ساتھ مناسبت ہو، اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے، میرے ساتھ کوئی نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت شیخ حاجی مقبول احمد صاحب کے ساتھ شریک طعام ہوئے اور مصارف کی جملہ رقم یکمشت چھ سو روپیہ ان کے حوالہ کر دی اور کہدیا کہ بعد اختتام سفر پر حساب کتاب نہیں چاہیئے میرے ذمہ مزید کچھ بڑھ جائیں تو ضرور لیں اور آپ کی طرف کچھ رہ جائیں تو وہ ابھی سے معاف ہیں، ستائیس ۲۷ یا اٹھائیس ۲۸ شعبان کو جہاز بمبئی سے روانہ ہوا۔ اور بخیر و عافیت جدہ پہنچے، یہاں ایک دن قیام کے بعد مکہ مکرمہ پہنچے۔ رمضان المبارک میں قیام مکہ ہی میں رہا۔ بعد رمضان حضرت نے فرمایا کہ میں تو مدینہ میں طویل قیام کے ارادہ سے آیا تھا مگر مولانا محب الدین صاحب منع کرتے ہیں اور حج تک بھی قیام کی اجازت نہیں دیتے۔ اور میری آمد یہاں کئی مرتبہ ہو چکی ہے تم لوگ پہلی مرتبہ آئے ہو مدینہ چلے جاؤ۔ چنانچہ تین دن قیام کے ارادہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوتے اور اسی قدر خورد و نوش کا سامان اپنے ہمراہ لیا، لیکن مدینہ پہونچکر قافلہ کا ایک اونٹ مرگیا۔ بدو کہتے تھے کہ تم ہمیں روپیہ قرض دیدو ہم اونٹ خرید لیں گے اور مکہ پہونچکر تمہارا قرضہ اتار دیں گے۔ یہ حضرات جواب دیتے کہ ہم تو اپنے خورد و نوش کے لئے تین دن کا سامان لے کر چلے تھے ہم کہاں سے دیں، بالآخر ایک ماہ بعد بدو نے اونٹ کا انتظام کیا اور ان حضرات نے ایک ماہ تک بڑی راحت و آرام سے اپنی زندگی مدینہ میں گذاری اور بہ آخر ذیقعدہ میں مدینہ منورہ سے

چل کر بارہ[۱۲] دن میں مکہ پہونچے، حج کے بعد ایک ماہ مزید مکہ میں قیام کے بعد محرم کے دوسرے عشرہ میں وہاں سے روانہ ہوئے اور بمبئی پہونچکر دو تین روز وہاں قیام رہا اور آٹھ صفر ۱۳۳۹ھ میں سہارنپور آمد ہوئی۔

(۲ ۔ ۳) دوسرا اور تیسرا حج بھی حضرت سہارنپوری کی معیت میں ۴۴، ۴۵ھ میں ہوا، حضرت شیخ کا یہ سفر دفعتہً ہوا، پہلے سے اس کے متعلق نہ حضرت سہارنپوری نے کوئی تذکرہ فرمایا اور نہ ہی حضرت شیخ نے، مگر بذل المجہود کی تکمیل کی وجہ سے شیخ نے وقت پر اپنا نظام بنایا اور سہارنپور سے سولہ[۱۶] شوال ۴۴ھ مطابق انتیس[۲۹] اپریل ۲۶ء بروز پنجشنبہ کو روانگی ہوئی، اسٹیشن پہونچکر پتہ چلا کہ حضرت اقدس کا وہ بکس جس میں ضروری امانتیں اور رفقاء کے کرائے کی رقمیں تھیں مدرسہ میں رہ گیا جس کو لانے کے لئے حضرت شیخ اور مولانا زکریا صاحب قدوسی بھیجے گئے۔ چونکہ بکس کا خیال عین وقت پر آیا تھا اور اتنا وقت نہیں تھا کہ بکس لاکر باطمینان گاڑی مل جائے، اس لئے حضرت شیخ کو یہ گاڑی چھوڑنی پڑی اور اگلے روز اسی گاڑی سے حیدر آباد کے لئے روانہ ہوئے۔ ایک ہفتہ یہاں قیام کے بعد پچیس[۲۵] شوال شنبہ کی صبح کو حیدر آباد سے روانہ ہو کر بمبئی پہنچے اور سات[۷] ذیقعدہ ۴۴ھ پنجشنبہ مطابق بیس[۲۰] مئی ۲۶ء کو جدہ نامی جہاز سے روانہ ہو کر سترہ[۱۷] کو کامران پہنچے اور چوبیس[۲۴] گھنٹے قرنطینہ کرنا ہوا اور اگلے روز مورخہ اٹھارہ[۱۸] ذیقعدہ کو جدہ کے لئے روانہ ہوئے اکیس[۲۱] کو جدہ پہونچے، دو[۲] رات وہاں ٹھیرے اور پچیس[۲۵] تاریخ کو اونٹوں کے ذریعہ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، اس سفر میں خانہ کعبہ میں بھی داخلہ کی سعادت حاصل کی، چھبیس[۲۶] ذی الحجہ چہار شنبہ کو بعد نماز عصر مدینہ منورہ کے لئے

روانہ ہوئے۔ اور آٹھ محرم الحرام ۴۵ھ دوشنبہ کو مدینہ پہونچ کر مدرسہ علوم شرعیہ میں فروکش ہوئے۔ اور ۱۹ شوال ذیقعدہ ۴۵ھ کو وہاں سے روانہ ہوکر اٹھارہ صفر ۴۶ھ کو بخیر وعافیت سہارنپور پہونچے۔ اسی سفر میں حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت شیخ زید مجدہ کے لئے شیخ الحدیث اور مشیر ناظم کا خصوصی عہدہ عطا فرماکر ارباب مظاہر کو تحریر فرمایا کہ وہ حضرت شیخ کی ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں جو قدرت نے انھیں مرحمت فرمائی ہیں۔ اس سفر میں دو تاریخی واقعے پیش آئے۔ ایک بذل المجہود کا اختتام، دوسرے حضرت شیخ کو اجازت و خلافت ملنا، ان دونوں کا اجمالی تذکرہ گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا، مزید تفصیل کے لئے آپ بیتی اور تاریخ مظاہر جلد دوم کا مطالعہ کریں۔

(۴) ۱۳۸۲ھ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے اصرار و تقاضوں پر خدام اور رفقاء کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ حج کا عزم فرمایا، یہ ایک تاریخی سفر تھا، ۶ ذیقعدہ مطابق ۲۱ اکیس مارچ ۱۹۶۳ء شنبہ کی صبح کو سہارنپور سے روانہ ہوکر جلال آباد، تھانہ بھون اور جھنجھانہ ہوتے ہوئے بعد مغرب نظام الدین پہنچے اور دس ذیقعدہ چہار شنبہ کی صبح کو فرنٹیر میل سے بمبئی کے لئے روانہ ہوئے جمعرات کے دن صبح کے وقت بمبئی پہونچے اور حاجی دوست محمد صاحب کے مکان پر قیام کیا، چودہ ۱۴ ذیقعدہ بروز اتوار صبح آٹھ بجے بذریعہ ہوائی جہاز بمبئی سے چل کر ہندوستانی ڈیڑھ بجے جدہ پہونچے۔ عصر کے بعد جدہ سے چلکر مغرب بعد مکہ مکرمہ پہنچے۔ مدرسہ صولتیہ میں نماز ادا فرمائی اور اس کے بعد ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا۔ مکہ مکرمہ میں اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت مولانا رحمت اللہ

صاحب فاتح عیسائیت کے دیوان میں قیام رہا ستائیس [27] ذی الحجہ مطابق نو مئی ۱۹۶۴ء شنبہ کی صبح کو مکہ مکرمہ سے چل کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے، ظہر کی نماز بادر میں پڑھی، کھانا کھانے کے بعد سب رفقاء نے آرام کیا، بعد عصر شہدائے بادر کے مزارات پر حاضر ہوئے۔ مغرب و عشاء کی نماز مسجد عریش میں پڑھی۔ اٹھائیس [28] ذی الحجہ کی صبح کو مدینہ پاک پہنچے، یہاں مدرسہ علوم شرعیہ میں قیام ہوا۔ بائیس [22] دن قیام کے بعد یکم صفر ۱۳۸۴ھ مطابق تیرہ [13] جون ۱۹۶۴ء یوم شنبہ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر ظہر کے وقت جدہ پہنچے، مغرب کی نماز مسجد حدیبیہ میں ادا فرمائی اور عشاء کے وقت مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ یہاں سے تبلیغی اجتماعات میں شرکت کی غرض سے آٹھ صفر مطابق بیس [20] جون کی صبح کو طائف کے لئے روانہ ہوئے اور بخیر و عافیت دو گھنٹے میں پہونچکر مسجد ابن عباس وغیرہ کے اجتماعات میں شرکت کر کے مورخہ دس [10] صفر کی صبح کو مکہ واپسی ہوئی، تیئس [23] جون کو بعد عصر مکہ سے چل کر عشاء کے قریب جدہ پہنچے، یہاں بھی تبلیغی اجتماعات کی وجہ سے ایک دن قیام ہوا، پچیس [25] جون کو جدہ سے بذریعہ طیارہ کراچی آئے اور کراچی، لائلپور، سرگودھا، ڈھڈیاں، راولپنڈی میں ٹھہرتے ہوئے دس [10] جولائی کی صبح کو لاہور پہنچے، سولہ [16] جولائی پنجشنبہ کو لاہور سے بذریعہ طیارہ چلکر ساڑھے تین بجے دہلی پالم کے ہوائی اڈہ پر پہنچے، دو، تین [2، 3] روز قیام کے بعد انیس [19] جولائی اتوار کی صبح کو کاندھلہ نیرانہ، دیوبند ہوتے ہوئے مغرب کے قریب سہارنپور پہنچے۔

(۵) اپنے امراض اور اعذار کی کثرت دیکھتے ہوئے اس مرتبہ حضرت شیخ اس چیز سے بالکل خالی الذہن تھے کہ انھیں اس مرتبہ پھر حاضری کی سعادت اور

دولت سے نوازا جائے گا، ادھر اہل تعلق و محبین کا شدید اصرار تھا کہ حضرت شیخ ضرور تشریف لائیں، نہ جانا چونکہ بالکل طے تھا اس لئے بذریعہ کار ستائیس ذیقعدہ ۹۶ھ مطابق اٹھارہ فروری ۷۶ء کو حضرت شیخ مولانا الحاج انعام الحسن صاحب، و مولانا ہارون صاحب سے الوداعی ملاقات کی غرض سے دہلی تشریف لے گئے، وہاں پہونچکر احباب کا اصرار تشریف بری پر ہوتا رہا، خود حضرت شیخ بھی پیہم اصرار اور مسلسل تقاضوں کی وجہ سے استخارہ کرتے رہے۔ اس اثنا میں پاسپورٹ گم ہوگیا، جس کو وہاں کے احباب نے ڈاکٹر سید محمود وغیرہ کی وساطت سے مختصر مدت میں دوبارہ تیار کرالیا، یہ سب انتظامات اور تقاضے تائید غیبی سمجھے گئے۔ اور مورخہ دس ذیقعدہ اکیس فروری بروز منگل کو سہارنپور آمد ہونے کے بجائے بمبئی روانہ ہوگئے تئیس فروری جمعرات کی صبح کو سات بجے بمبئی سے بذریعہ طیارہ روانہ ہوکر ظہر کے بعد عربی سات بجے کے قریب جدہ پہنچے، قدوائی صاحب سفیر ہند نے اپنی خصوصی مراعات کی وجہ سے پہلے ہی سے اس کا انتظام کر رکھا تھا کہ ان کی کار ہوائی اڈہ تک چلی جائے، (جیسے بمشکل چند منٹ لگے ہونگے) قدوائی صاحب کے مکان پر تشریف لاکر کھانا کھایا اور عصر کی نماز حدیبیہ میں پڑھ کر مغرب کے وقت مکہ مکرمہ پہنچے، صولتیہ میں قیام رہا، اکیس ذی الحجہ کو مغرب سے کچھ قبل مکہ سے جدہ کے لئے آمد ہوئی۔ اس آمد کا مقصد ان تبلیغی اجتماعات میں شرکت کرنا تھی جو یہاں کے معمول کے مطابق سال بسال ہوتے ہیں، چوبیس ذی الحجہ کو منگل کے دن اشراق کے وقت مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوکر ظہر کے وقت بدر پہنچے اور بدھ کی صبح کو عربی وقت کے مطابق ساڑھے بارہ بجے چل کر

تین بجے مدینہ منورہ پہونچے، اس مرتبہ حضرت شیخ کا قیام ان کے ایک مخلص مسترشد و مجاز صوفی اقبال صاحب کے مکان پر ہوا۔ گیارہ[۱۱] محرم الحرام مطابق بائیس[۲۲] اپریل شنبہ کی صبح کو مدینہ سے چلے، مغرب کی نماز راستہ میں پڑھ کر بعد مغرب جدہ پہونچ کر عازم مکہ ہوئے اور عشار کے ایک گھنٹہ بعد مکہ مکرمہ پہونچکر حضرت شیخ نے اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس سہارنپوری کی جانب سے عمرہ کیا، چھبیس[۲۶] اپریل چہار شنبہ کی صبح کو مکہ مکرمہ سے چل کر جدہ پہنچے اور اسی روز بذریعہ ہوائی جہاز پاکستانی وقت کے مطابق ایک بجے کراچی کے ہوائی اڈہ پر اترے اور مکی مسجد تشریف لے گئے۔ جمعرات کا سارا دن ملاقات میں گذرا، جمعہ کی صبح کو پاکستانی وقت کے مطابق دس[۱۰] بجکر چالیس[۴۰] منٹ پر طیارہ نے اڑان شروع کی اور ہندوستانی وقت کے مطابق بارہ بجکر چالیس[۴۰] منٹ پر پالم ہوائی اڈہ پر پہنچے، اتوار کے روز میرٹھ اور دیوبند ہوتے ہوئے ساڑھے گیارہ بجے بخیر و عافیت سہارنپور تشریف لے آئے۔"

(۶) چوتھے حج میں ۱۳۸۴ھ میں حضرت مولانا شاہ محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ مکی و مدنی تبلیغی احباب سے یہ طے کر آئے تھے کہ ہر تیسرے سال حج کے موقعہ پر یہاں آمد ہوگی اور حضرت شیخ بھی ہمراہ ہوا کریں گے، اس لئے اس مجوزہ قانون کے مطابق گویا کہ ۱۳۸۸ھ کا حج طے تھا مگر حضرت شیخ اپنے بڑھتے ہوئے ضعف و امراض اور مرکز کی مصالح کی وجہ سے کچھ متامل تھے اور افریقہ کے اہل تعلق کی جانب سے ٹکٹ آجانے کے باوجود پورے طور پر قیام یا روانگی کا فیصلہ نہیں کر پائے تھے اور تقریبا اپنا نہ جانا طے کئے ہوئے تھے، اسی بنا پر

حضرت مولانا الحاج انعام الحسن صاحب و مولانا ہارون صاحب تیئیس[۲۳] شوال کو رخصتی ملاقات کے لئے سہارنپور آئے۔ اور چھبیس شوال کو بعد نماز ظہر دہلی کے لئے روانہ ہوئے۔ اور یکم فروری کو دہلی سے برائے حجاز۔ اس دوران میں سعودی عرب میں بڑا زبردست سیلاب آیا۔ بڑی بڑی کاریں پتوں کی طرح بہتی جارہی تھیں، اور تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ بات پیش آئی کہ اس کی وجہ سے حرم مکہ میں ظہر کی نہ عمومی نماز ہوئی اور نہ اذان ہوئی، مولانا الحاج سید ابوالحسن علی ندوی زاد مجدہم نے اس موقعہ پر حضرت شیخ زید مجدہ سے حجاز چلنے کی درخواست کی اور اتنی کثرت سے تقاضا کیا کہ حضرت شیخ کو اپنے تعلق و محبت کی بنا پر مولانا علی میاں سے انکار کی ہمت نہ ہوئی اور حضرات نظام الدین کی دلی کے واپسی کے بعد کا نظام بن گیا، چنانچہ وہ حضرات چودہ[۱۴] اپریل کو واپس دلی پہنچے۔ تو پانچ صفر ۸۹ھ مطابق تیئیس[۲۳] اپریل ۶۹ء چہارشنبہ کو حضرت شیخ بارادہ حاضری حجاز سہارنپور سے روانہ ہوئے اور آٹھ صفر ۸۹ھ یوم شنبہ مطابق چھبیس[۲۶] اپریل کو نو بجکر بیس[۲۰] منٹ پر دہلی ہوائی اڈہ سے چلکر دس[۱۰] بجکر پچپن منٹ پر بمبئی پہنچے، قیام حاجی دوست محمد صاحب کی کالونی میں ہوا۔ انتیس[۲۹] اپریل سہ شنبہ کو بمبئی سے چل کر ظہر کی نماز کراچی کے ہوائی اڈہ پر پڑھی اور روانہ ہو کر مغرب سے قبل جدہ پہونچے مطار کی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھکر حدیبیہ میں عشاء کی نماز ادا فرمائی اور وہاں سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے وہاں پہونچکر کھانا کھایا، عمرہ کیا، اور صولتیہ میں قیام رہا، پندرہ[۱۵] مئی کو مدینہ سے روانہ ہو کر پھر مکہ آئے اور پندرہ دن یہاں قیام کر کے چوبیس[۲۴] نومبر کو واپس مدینہ منورہ گئے، یہاں کے ہونے والے تبلیغی اجتماعات میں بھی مسلسل شرکت ہوئی، سات[۷] شوال

مطابق پندرہ دسمبر کو مدینہ منورہ سے عازم مکہ مکرمہ ہوئے اور اکیس[21] دسمبر یکشنبہ کو بعد عصر مکہ سے جدہ کے لئے روانہ ہوئے، مغرب کے وقت جدہ پہنچے، بائیس[22] دسمبر کی صبح کو سعودی ہوائی جہاز سے ڈیڑھ بجے دوپہر کو کراچی پہونچے، ہوائی اڈہ کی مسجد میں نماز ظہر ادا کر کے مکی مسجد پہنچے، یہاں کے قیام کے دوران لاہور، رائے ونڈ، لائلپور، سرگودھا جیسے اہم مقامات پر تشریف لے گئے، انیس[19] جنوری دو شنبہ کو گیارہ بجے کراچی کے ہوائی اڈہ سے روانہ ہو کر پون بجے پالم کے ہوائی اڈہ پر پہنچے۔ بائیس[22] جنوری مطابق تیرہ ذیقعدہ جمعرات کو نظام الدین سے چل کر میرٹھ اور دیو بند ہوتے ہوئے بڑی راحت و عافیت کے ساتھ چار بجے شام کو سہارنپور تشریف لے آئے۔

یہ مختصر سی روئداد جملہ حجوں کی لکھدی گئی، اب جبکہ یہ سطور زیر تحریر ہیں حضرت شیخ دام مجدہ العالی ساتویں سفر حج کے لئے تیار ہیں اور ان سطور کی نوشت کے ٹھیک دو روز بعد سفر حجاز کے لئے روانہ ہوجائیں گے، قسمت نے اگر یاوری کی اور حالات مساعد رہے تو انشاء اللہ اس سفر کے حالات پھر قلمبند ہوجائیں گے "لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا"۔

<u>فرمودات وارشادات</u> (۱) فرمایا ہمارے بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جو ہماری انتہاء کو دیکھے وہ ناکام اور جو ابتداء کو دیکھے وہ کامیاب، اس لئے کہ ابتدائی زندگی مجاہدوں میں گذرتی ہے اور آخیر میں فتوحات کے دروازے کھلتے ہیں اگر کوئی ان فتوحات کو دیکھ کر آخری زندگی کو معیار بنائے تو وہ ناکام ہوجائے گا۔

(۲) فرمایا حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے پراگندہ سر غبار آلود جنکو دروازوں سے

دھکا دیدیا جاتا ہے اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم کی لاج رکھ لیتا ہے۔ آدمی ریاضت ومجاہدہ سے یہ مقام حاصل کرسکتا ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے لایزال عبادی یتقرب الیّٰ بالنوافل، یعنی آدمی نوافل کے ذریعہ برابر حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔

یہاں تک کہ میں اسکو اپنا محبوب بنالیتا ہوں، اسکے بعد آگے کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اسکے بعد ہاتھ پیر سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہوتا ہے اسکے بعد ارشاد فرمایا، اللہ جل شانہٗ کا راستہ بہت آسان ہے تجربہ بھی ہے اور لوگوں کو دیکھا بھی ہے ؎

یعلم اللہ راہ خدا بیش از دو قدم نیست　　　یک قدم برنفس خود نہ دیگرے برکوئے دوست

(۳) فرمایا۔ بھائی دیکھو جو کچھ کرو اللہ کی مرضی کے موافق کرو۔ اپنے جی و مرضی کے موافق نہ کرو۔ کچھ کرلو۔ رمضان المبارک میں اسکی مشق کرلو۔ ہمارے بزرگوں میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ ملازمت نہ کرو، دوکان نہ کرو۔

(۴) فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ آدمی کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں۔ جب آدمی صبح کو صحیح وسالم تندرست اٹھتا ہے تو ہر جوڑ کی صحت و سلامتی کے بدلہ اس کے ذمہ ایک صدقہ (شکرانہ) واجب ہوتا ہے، اس حدیث میں آگے یہ مضمون ہے کہ "آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرے یہ بھی صدقہ ہے" اس روایۃ میں ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ، آدمی اپنی بیوی سے شہوت پوری کرتا ہے اس میں صدقہ ہے؟ صحابہ کرام کو اللہ جل شانہٗ بہت ہی درجات عالیہ اپنی اور ان کی شایان شان عطا فرمائے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا ذرا سی بات دریافت کرکے امت کے لئے بہت کچھ ذخیرہ چھوڑ گئے، حضور صلعم نے صحابہ کرام کے اشکال پر یوں فرمایا کہ اگر اس پانی

کو بے محل یعنی حرام کاری میں خرچ کرے تو کیا گناہ نہ ہوگا؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور ہوگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر اگر حرام سے بچنے کی نیت سے اپنی بیوی سے صحبت کرے تو پھر کیوں ثواب نہ ہوگا۔

(۵) فرمایا، میرا تجربہ ہے کہ روزہ سے قوت آتی ہے اور غیر رمضان میں فاقہ سے ضُعف پیدا ہو جاتا ہے۔

(۶) فرمایا، میرے دوستو مالک کے سامنے جُھک جاؤ تو ساری چیزیں تمہارے سامنے جُھک جائیں گی۔ صحابہ کرام کے قصّے معلوم ہیں، ایک مرتبہ افریقہ کے جنگل میں مسلمانوں کو چھاؤنی ڈالنے کی ضرورت پیش آئی اور ایسے جنگل میں جہاں ہر قسم کے درندے اور موذی جانور بکثرت تھے، حضرت عقبہ امیر لشکر چند صحابہ کو ساتھ لے کر ایک جگہ پہنچے اور اعلان کیا ایھا الحشرات والسباع نحن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارحلوا فانا نازلون فمن وجدنا ہ بعد قتلناہ "اے زمین کے اندر رہنے والے جانورو، اور درندو! ہم صحابہ کی جماعت اس جگہ رہنے کا ارادہ کر رہی ہے۔ اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اس کے بعد جس کو تم میں سے ہم پائیں گے قتل کر دیں گے۔ یہ اعلان تھا یا کوئی بجلی تھی جو ان درندوں اور موذی جانوروں کو ڈر اگئی اور اپنے بچوں کو اٹھا اٹھا کر سب چل دیئے" (اشاعت)۔ بوستان میں ایک قصہ ہے کہ ایک بزرگ چیتے پر سوار تھے، ایک شخص نے دیکھا تو ڈر گیا تو اس بزرگ نے کہا ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ　　　　که گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

(۷) فرمایا۔ میرے حضرت اقدس سہارنپوری کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ یعنی اگر تم اللہ کے احسانات کو

شمار کرو تو ان کا احصا نہیں کر سکتے۔ یہاں نعمت کو مفرد استعمال کیا گیا۔ کیونکہ ایک نعمت میں بھی بیشمار نعمتیں ہیں۔

(۸) فرمایا جو کرو اللہ کو راضی کرنے کیلئے کرو، اگر کوئی نماز دکھانے کے لئے پڑھے گا کہ لوگ بزرگ سمجھیں تو یہی نماز منہ پر ماردی جائیگی۔ ؂

بزمیں چوں سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد — تو مرا خراب کردی بسجدۂ ریائی

اگر یہی سجدہ اللہ کی رضا کے لئے ہو تو بہترین عبادت ہے۔

(۹) فرمایا، حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ آخیر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے، میرے والد صاحب حضرت گنگوہی کے خاص خادم تھے (ایک مرتبہ حضرت امام ربانی نے) والد صاحب سے دریافت کیا مولوی یحییٰ یہاں کون کون ہیں؟ حضرت امام ربانی کو جب کوئی اہم بات فرمانا ہوتی تو یہ سوال کیا کرتے تھے۔ والد صاحب نے عرض کیا کہ میں ہوں اور الیاس اسکے بعد حضرت امام ربانی نے نہایت جوش کے ساتھ فرمایا کہ اللہ کا نام کتنی ہی غفلت سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔

یہی میری بھی رائے ہے، کافر بھی اسی سے مسلمان ہوتا ہے۔ اگر اعتقاد کے ساتھ اس کو پڑھا جائے تو کفر تک دہل جاتا ہے۔ مگر ذاکرین شروع میں اہتمام کرتے ہیں، ابتدا میں اچھے حالات پیش آتے ہیں۔ یہ بہت نازک مرحلہ ہے اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے۔ جب قلب ذکر سے مانوس ہو جاتا ہے تو وہ حالات کم ہو جاتے ہیں۔ اس سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔"

(۱۰) فرمایا، غیروں کے لباس وضع قطع سے احتراز کرنا چاہیئے۔ میں اپنے پڑھنے کے زمانے سے دیکھ رہا ہوں کہ ہر فرقہ کے پیشواؤں کا لباس ایک ہی طرح کا ہوتا ہے، مسلمان، ہندو، عیسائی ہر ایک کے پیشواؤں کا لباس لمبا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیخت کیلئے طویل

لباس کو کوئی خاص تعلق ہے۔ البتہ ہم مسلمانوں کو اپنے مشائخ و بزرگوں کے طرز کا اسلامی لباس پہننا چاہیئے۔ میں دس، پندرہ سال پہلے جب تک تنگ و چست لباس والوں کو دیکھتا تھا تو میرا فتویٰ تھا کہ ایسے لوگوں کو پچھلی صف میں کھڑا ہونا چاہیئے۔

(۱۱) فرمایا، جو چیز دل میں جم جاتی ہے اس کا ذکر آسان ہو جاتا ہے ہم نے سُنا ہے کہ سینما (دیکھنے) والے دو ٹانگوں پر کھڑے رہ کر صبح کر دیتے ہیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ فلاں بزرگ نے عشاء کی وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے۔ رات بھر تہجد پڑھتے تھے۔ تو لوگ اس پر حیرت کرتے ہیں، اصل ذوق و شوق ہے۔

(۱۲) فرمایا، تم لوگ اللہ اللہ کرتے رہو، مگر یہاں سے جانے کے بعد اکثر لوگ شکایت لکھتے رہتے ہیں کہ وہاں سے آنے کے بعد اب وہ اثرات نہیں رہے۔ لیکن اگر یہاں کا ماحول اپنے مقام پر قائم کر و تو وہ اثرات باقی رہیں گے۔ یہاں پر ماحول کا اثر ہے، معمولات کی پابندی ترقی کا زینہ ہے۔

(۱۳) فرمایا، جو کچھ آخرت کے بینک میں جمع کرنا ہے جمع کر دو، بدنظری بدکرداری ہر طرح کی معاصی میں علماء اور مشائخ مبتلا ہیں غیبت کو تو ہم لوگ کچھ سمجھتے ہی نہیں، اعتدال کا چوتھا باب قابل مطالعہ ہے ؎

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

(۱۴) فرمایا۔ یہ تبلیغی کام دینداری پیدا کرنے کے لئے ہے۔"